مراثی انیس

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

مراثی انیسؔ

مکمل

جلد دوم

تیس (۳۰) مرثیے

نیز ۱۹ رباعیات اور ۲ دو سلام

جن میں

خصوصاً سات مراثی اردو ادب میں اہم ترین خصوصیت کے حامل ہیں
اور ادبی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں

مرتبہ

نائب حسین نقوی امروہوی

کتاب منزل لاہور

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی (پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۵

تصنیف ... ... میر ببر علی انیس
مقدمہ ... ... سید احتشام حسین
ترتیب ... ... تائب حسین نقوی
طابع ... ... شیخ نیاز احمد
مطبع ... ... علمی پرنٹنگ پریس لاھور
تعداد اشاعت ... ... ۱۰۰۰ سیٹ
مقام اشاعت ... ... کتاب منزل کشمیری بازار لاھور
سال اشاعت ۱۹۵۹ء
قیمت مکمل بلا جلد چاروں حصے ... بتیس روپے -/۳۲ روپے
قیمت مکمل مجلد چاروں جلدیں... ... چھتیس روپے -/۳۶ روپے

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار　　　خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مراثی انیسؔ

جلد دوم

تیس (۳۰) مرثیے

۲۵ رباعیات اور تین (۳) سلام

جن میں

خصوصاً سات مراثی اردو ادب میں اہم ترین خصوصیت کے حامل ہیں
اور ادبی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں

مرتّبہ

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز (کتاب منزل)، کشمیری بازار، لاہور

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر
(کتاب منزل) کشمیری بازار لاہور سے
شائع کیا۔

خاص خاص مرثیے

موجودہ جلد میں تیس ۳۰ مراثی شامل ہیں۔ جن میں ۳۲۶۱ بند ہیں۔

مراثی، تقریباً سب ہی علی الترتیب ہیں۔ تاکہ مرثیہ خوانی کے نظریات کے تحت پڑھے جا سکیں۔

حسب ذیل مراثی۔ میں ہر قسم کے بلند اور اعلےٰ مضامین مل سکتے ہیں۔

مرثیہ نمبر۲۔　فرزند پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے۔

مرثیہ نمبر۵۔　بخدا فارس میدان تہوّر تھا حُر۔ (یہ مرثیہ انیس کے معرکتہ الآرا مراثی میں شامل ہے)

مرثیہ نمبر۱۰۔　اے تیغ زباں جوہر تقریر دکھا دے

مرثیہ نمبر۱۱۔　آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

مرثیہ نمبر۲۲۔　جب آمد سردار دو عالم ہوئی رن میں

مرثیہ نمبر۲۶۔　آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے (اس مرثیے میں جناب زینبؑ کے خطبے کا ترجمہ ہے)

مرثیہ نمبر۳۰۔　رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں۔

حفظ خدا ادب

مرتبہ

نائب نقوی

فہرست مراثی

جلد دوم

فہرست رباعیات

جلد دوم

مندرجہ ذیل رباعیات بعد میں شامل کی گئیں

فہرست سلام

جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

بند ۱۵۰

عرش خدا مقام جنابِ امیرؑ ہے
کرسی بھی تحتِ بام جنابِ امیرؑ ہے
مسطورِ لوح نام جنابِ امیرؑ ہے
آیاتِ حق کلام جنابِ امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

ظاہر علیؑ کی ذات سے ہے قدرتِ خدا
بازوے مصطفیٰؐ ہے درِ رحمتِ خدا
یعسوبِ دیں امیرِ عرب حجتِ خدا
شیرِ خدا پہ ختم ہوئی طاعتِ خدا
قیمت نہ دے سکا کوئی جس کی حجاز میں
سائل کو بخش دی وہ انگوٹھی نماز میں

ہے وہ کلیمِ عرش بریں جس کا طور ہے
خورشید دیں ہے امینِ ایماں کا نور ہے
ہر سمت ذات پاک کا اُس کی ظہور ہے
جو ہے علیؑ سے دور وہ رحمت سے دور ہے
ہے راستی پر وہی جسے حیدرؑ سے راہ ہے
حبِ علیؑ نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

اکثر بیان کرتے تھے محبوبؐ کردگار
اشجار گر جہاں کے قلم ہوویں ایک بار
اور ہوں مداد بن کے رواں ایک جا بحار
لکھیں ازل سے تا بہ ابد اہلِ روزگار
دریا ہوں صرف اور قلم اختتام ہوں
لیکن نہ شیرِ حق کے فضائل تمام ہوں

تھا فضلِ حق سے مظہرِ اعجاز وہ امام
خورشید سات بار ہوا اُن سے ہم کلام
جو صبح سے زمیں پہ گزرتا تھا تا بہ شام
کہتی تھی بوترابؑ سے شب کو خبر تمام
اعجازِ عیسوی کئی باری دکھا دیے
تھا یہ اثر زباں میں کہ مردے جلا دیے

تھے حافظِ کلامِ خدا شاہِ ذوالفقار
لکھا ہے ہونے لگتے تھے دُلدل پہ جب سوار
دے کر رکاب میں قدمِ پاک کو قرار
قرآن شروع کرتا تھا وہ شیرِ کردگار
کس کا بغیر مصحفِ ناطق یہ کام تھا
پہونچا اُدھر جو پانوں تو قرآں تمام تھا

عالم میں مرتضیٰؑ کی ولادت کی دھوم ہے
غل تہنیت کا شام سے لے تا بہ روم ہے
ارکانِ کعبہ راست ہیں تعظیم کے لیے
ہر چند تھے مقربِ حق اور بھی نبیؐ
عیسیٰؑ کی والدہ کو نہ مطلق رضا ملی
کب رتبہ تھا یہ اور پیمبرؐ کے واسطے
اللہ رے وقار زہے عزّ و احتشام
رونق فزائے کعبہ ہوا جب کہ وہ امام
برپا نشانِ کفر جو تھا دور ہو گیا
آیا خدا کے گھر میں جو وہ غیرتِ قمر
تھے پرتوِ جمال سے تابندہ بام و در
ضو اس قدر تھی حسنِ علیؑ کے ظہور کی
پیدا ہو جس مقام پہ شاہنشہِ نجف
مجرے کو سرنگوں تھی ملائک کی صف پہ صف
حق ہے کہ قبلۂ دو جہاں وہ ولی ہوا
گردوں پہ یک بیک جو ہوئی روشنی عیاں
گھبرا کے تب یہ کہنے لگے ساکنِ جہاں
آئی ندا یہ حسنِ علیؑ کا ظہور ہے
پیدا ہوا ہے آج دو عالم کا پیشوا
دستِ خدا امیرِ عرب شاہِ لافتا
جانِ یقیں ہے زہد و ورع میں وحید ہے
بوئے علیؑ جو لے کے گئی خلد میں نسیم
کوثر کے لب سے آئی صدا شکر اے کریم
پوری ترے کرم سے ہوئی آرزو مری

کعبے کے گرد قدسیوں کا اک ہجوم ہے
کس دبدبے سے آمدِ بابِ علوم ہے
محراب خم ہے شاہ کی تسلیم کے لیے
پیدا ہوا نہ تھا کوئی اُس جا بجز علیؑ
بنتِ اسد کو پر ہوا فرمانِ ایزدی
دیوارِ کعبہ شق ہوئی حیدرؑ کے واسطے
دنیا میں خلق ہونے کا پایا عجب مقام
طاقوں سے کانپ کانپ کے بت گر پڑے تمام
کعبہ خدا کے نور سے معمور ہو گیا
تھا شورِ تہنیت کا ملائک میں عرش پر
ہر سنگ بن گیا تھا وہیں آئینے کا گھر
روشن تھا طورِ کعبہ تجلّی سے نور کی
کس طرح اُس زمیں کو فلک پر ہو شرف
کیا دُر تھا جس کا خانۂ کعبہ ہوا صدف
اعلیٰ جو تھا تو اسمِ مبارک علیؑ ہوا
اور ہو گئی دو چند ضیائے ستارگاں
کچھ تازہ حادثہ ہوا بالائے آسماں
آدمؑ سے پہلے خلق ہوا جو وہ نور ہے
زیبا ہے جس کے جسم پہ تشریفِ اِنّما
بابِ فتوح قوّتِ بازوئے مصطفیٰ
گنجینۂ علومِ خدا کی کلید ہے
پھولے سماتے تھے نہ گُلِ جنّتِ النّعیم
پیدا کیا جہاں میں تو نے مرا قسیم
پہلے سے اب دو چند ہوئی آبرو مری

اُس روز کے جلوس کا ہو کس طرح بیاں
جس روز کی خوشی کرے خلّاق دو جہاں
افلاک سے ملک چلے آتے تھے شادماں
غُرفوں سے حوریں تکتی تھیں کعبے کو ہر زماں
حب علیؑ کا چشمۂ کوثر کو جوش تھا
فرمانِ حق سے شعلۂ دوزخ خموش تھا

مصروف اہتمام تھیں ارواح انبیاؑ
پلکوں سے کر رہے تھے ملک کعبے کو صفا
گلدستۂ جناں لیے حاضر خلیلؑ تھا
عیسیٰؑ طبق میں لائے تھے واں بھر کے مائدا
موسیٰؑ عصا لیے صفت دور باش تھا
زمزم سے صحن کعبہ میں خضرؑ آب پاش تھا

روح القدسؑ کو پہونچا یہ فرمان ایزدی
مژدہ مرے حبیبؐ کو دے جا کے اس گھڑی
گھر میں ہمارے آج تولّد ہوا علیؑ
ہم ہیں خوشی تجھے بھی مبارک ہو یہ خوشی
سرّ خفی جو تھا اُسے ہم نے جلی کیا
بھائی تجھے دیا ترا بازو قوی کیا

بھیجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
پیدا کیا ہے اس کو ہدایت کے واسطے
کافی ہے اس کا زور حمایت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالت کے واسطے
برپا نشانِ دیں ہو علم ذوالفقار ہو
نزدیک ہے کہ دینِ خدا آشکار ہو

موقوف تھا اسی پہ رسالت کا بندوبست
دے گا یہ شیر لشکر کفّار کو شکست
اب ہوں گے بت پرست ہزاروں خدا پرست
ہو جائیں گے جہاں کے زبردست زیر دست
تیرا کوئی نظیر نہ اس کا نظیر ہے
تو بادشاہ خلق ہے اور یہ وزیر ہے

پیارا بہت ہے یہ ہمیں لے فخر مرسلیںؐ
برپا کیا ہے ہم نے جہاں میں یہ رکن دیں
یہ تاجِ آسمان ہے یہ زینتِ زمیں
یہ کعبۂ مراد ہے یہ قبلۂ یقیں
جو دوست اس کا ہے وہ ہمارے حضور ہے
دشمن جو اس کا ہے مری رحمت سے دور ہے

روح الامیںؑ یہ سُن کے چلے واں سے شادکام
آئے خوشی سے پیش رسولِؐ ذوالاحترام
دی تہنیت یہ حق کی طرف سے پس از سلام
پیدا ہوا علیؑ ولی شاہ خاص و عام
سُن کر خوشی ہوئی یہ شہ سرفراز کو
پس رکھ دیا زمیں پہ جبینِ نیاز کو

سجدے سے سر اُٹھا کے کہا شکر لے کریم
کی مجھ شکستہ دل کی کمر تو نے مستقیم
بے یار و بے رفیق تھا میں بیکس و یتیم
بھائی مجھے نہیں دیا دی دولتِ عظیم
ہیں کارسازیاں تری باہر بیان سے
ان نعمتوں کا شکر کروں کس زبان سے

فرما کے یہ کلامِ شہنشاہ انبیاؑ
پہونچے جو شاد شاد تو واں دیکھتے ہیں کیا
نورِ خدا اسے کعبے میں رونق دوچند ہے
آغوش میں نبیؐ نے اُٹھایا بصد خوشی
پھر وحدت خدا بہ فصاحت بیان کی
حُسنِ بیان ہر ایک نبیؑ سے زیاد تھا
جب کر چکا رسولؐ خدا سے یہ سب کلام
لے آئے اپنے گھر میں وصی کو شہِ انام
اُلفت یہ تھی کہ دور نہ رکھا نگاہ سے
جھولے کے پاس ہر گھڑی شفقت سے جاتے تھے
مُنھ چوم کر زبان مبارک چُساتے تھے
فرماتے تھے یہ لشکرِ دیں کا نشان ہے
تھا بچپنے سے عاشقِ معبود وہ امامؑ
تکبیر ہی زبان پہ جاری تھی صبح و شام
گر خوش ہوے تو ذکر رسالت پناہ سے
اعجاز صغرِ سن میں ہوے بارہا عیاں
ہمنام حق تھے نام خدا جب ہوے جواں
کس سے بیاں ہو علم امام جلیل کے
سجدہ کریں ملک وہ علیؑ کی جناب ہے
دست علیؑ خدا کے کرم کا سحاب ہے
باہر ہے اس سے جو وہ ہے ساکن کنشت میں
کچھ ذکر ایک روز امیرِ عرب کا تھا
دشمن نہ ہوتا گر کوئی زوج بتولؑ کا
دشمن جو اُن کے ہیں اُنھیں دوزخ سے کام ہے

آغوش کھولے دوڑے سوئے خانۂ خدا
شیر خدا ہے سجدۂ معبود میں جُھکا
بانگ اذان و صوت اقامت بلند ہے
آنکھیں علیؑ نے کھول کے دیکھا رُخ نبیؐ
اور دی رسول حق کی رسالت پہ شاہدی
کی اس طرح تلاوت قرآں کہ یاد تھا
پس پھر گیا بحالت طفلی وہ نیک نام
مشغولِ پرورش ہوئے شفقت سے روز و شام
گہوارہ تھا قریب بہت خواب گاہ سے
حیدرؑ کے گاہوارے کی ڈوری ہلاتے تھے
چھاتی پہ اپنی راتوں کو اکثر سُلاتے تھے
یہ جسم ہے مرا یہ محمدؐ کی جان ہے
جھولے میں تھا نہ غیر عبادت کچھ اور کام
سوتے میں بھی نکلتا تھا مُنھ سے خدا کا نام
رونا کبھی جو آیا تو خوفِ الٰہ سے
اژدر کو چیرا مہد میں واقف ہے اک جہاں
عیسیٰؑ نفس تھے مُردوں کو اک دم میں بخشی جاں
اُستاد فضلِ حق سے ہوے جبرئیلؑ کے
خویشِ رسولؐ شافع یوم الحساب ہے
سردار اہلبیتؑ ہے جنّت کا باب ہے
اس در سے جو گیا وہی پہونچا بہشت میں
سلمانِ فارسی سے محمدؐ نے یہ کہا
کرتا کبھی نہ خلق جہنّم کو پھر خدا
فردوس شیعیانِ علیؑ کا مقام ہے

فرماتے ہیں رسول خدا شاہِ کائنات ہے نوح کا سفینہ جہاں میں علیؑ کی ذات
اس کشتی میں جو ہے اُسے طوفاں سے ہے نجات باہر ہے جو تباہی میں ہے وہ زبوں صفات
ہے منکروں کو خوف ہمیں کچھ الم نہیں حیدرؑ رہیں ناخدا تو تباہی کا غم نہیں
بندہ ہزار سال عبادت اگر کرے اور زر بقدر کوہِ اُحد راہ حق میں دے
حج بھی پیادہ پا جو ہزار اُس نے ہوں کئے اور بے گنہ شہید بھی ہو ظلم و جور سے
حُبِّ علیؑ کی مے جو نہیں دل کے جام میں جنّت کی بو نہ آئے گی اُس کے مشام میں
بیشک ہے برگزیدۂ حق وہ امام دیں مرتا ہے اس کا شیعہ جہاں میں اگر کہیں
چالیس سال روتی ہے اُس کے لیے زمیں ایذا فشار کی بھی اُسے مطلقاً نہیں
اس طرح اُس کو ملتی ہے لذت مزار میں بچے کو جوں سُلاتی ہے مادر کنار میں
ہوتی ہے جاں کنی کی جو ایذا زیادہ تر اور شکل آتی ہے ملک الموت کی نظر
اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں شاہ بحر و بر رکھتے ہیں اپنے زانو پہ شفقت سے اس کا سر
فرماتے ہیں کہ غم سے تجھے اب فراغ ہے خوش ہو کہ تیرے سامنے جنّت کا باغ ہے
رہتی ہے سینے میں جو کشاکش نفس کی دیر حسرت بھی اور یاس بھی لیتی ہے آکے گھیر
چاروں طرف وہ دیکھتا ہے آنکھیں پھیر پھیر فرماتا ہے یہ تب بہ محبت خدا کا شیر
گھبرا نہ چلتے وقت کہ میں حق شناس ہوں گر دور ہیں عزیز ترے میں تو پاس ہوں
یہ کہہ کے کرتے ہیں ملک الموت سے کلام تو قبضِ روح پر ہے معیّن کر اپنا کام
لیکن یہ مقتدی ہے اور اس کا ہوں میں امام اس وقت بھی زباں پہ ہے اُس کے مرا ہی نام
یہ بے قرار ہے تو علیؑ بے قرار ہے ایذا نہ ہو اسے یہ مرا دوست دار ہے
رکھ آتے ہیں جو قبر میں خویش و رفیق و یار رہتا ہے کوئی پاس نہ ہمدم نہ غمگسار
وہ بیکسی وہ تنگی و تاریکیٔ مزار واں کس کا آسرا ہے بجز شیرِ کردگار
بہرِ سوال جب کہ نکیرین آتے ہیں مولا جواب سب اُسے بتلاتے جاتے ہیں
کیا کیا نوازشیں ہیں نہیں اس کرم کی حد مشکل وہ کون سی ہے جو کرتے نہیں مدد
فاقوں میں بھی سوال کسی کا کیا نہ رد اور حشر کی حدیثوں میں پہونچی ہے یہ سند
شیعوں کے پا صراط پہ جب لڑکھڑائیں گے حضرت تب اُن کے ہاتھ پکڑنے کو آئیں گے

کیا غم ہے اُس کو جس کا علیؑ دستگیر ہے
حامیِ حشر، ذاتِ جنابِ امیرؑ ہے
معشوقِ خلقِ عاشقِ ربِّ قدیر ہے
جو بادشاہ ہے اسی در کا فقیر ہے
زوجِ بتولؑ پاک کو جو مانتا نہیں
حق تو یہ ہے کہ حق کو بھی پہچانتا نہیں

وہ دُرِّ شاہوار ہے خلقِ خدا صدف
عالم میں یوں بزرگ ہے شاہنشہِ نجف
قرآں میں جوں ہے سورۂ اخلاص کو شرف
ناحق شناس کچھ نہیں حق ہے اسی طرف
اس بات کو سمجھتا ہے جو خود عقیل ہے
حیدرؑ کی ذات قدرتِ حق کی دلیل ہے

یوں اُمّتِ رسولؐ پہ ہے حقِ مرتضاؑ
حق جس طرح سے ہوتا ہے بیٹوں پہ باپ کا
سمجھے نہ مصطفٰےؐ سے علیؑ کو کوئی جدا
روشن ہے یہ دلیل نہیں فرق مطلقا
اس طرح مصطفٰےؐ و علیؑ کا ظہور ہے
دو آنکھیں جس طرح سے ہیں اور ایک نور ہے

شمس الضحیٰ نبیؐ ہیں تو بدر الدجا ہیں یہ
بحرِ کرم جو وہ ہیں تو کانِ سخا ہیں یہ
وہ فخرِ انبیاؑ تو شہِ اولیا ہیں یہ
وہ شاہِ انبیا شرفِ اوصیا ہیں یہ
دیکھے حدیث کو جسے کچھ اشتباہ ہے
اس پر حدیث نَفْسُکَ نَفْسِی گواہ ہے

ہے آستانِ شاہِ نجف سجدہ گاہِ خلق
حصنِ حصین امن ہے پشت و پناہِ خلق
واں کا غبار سرمۂ نورِ نگاہِ خلق
ہے اُس کی بارگاہ جو ہے بادشاہِ خلق
واں کی زمیں سے مرتبہ پست آسماں کا ہے
کہتے ہیں جس کو عرش وہ فرش اس مکاں کا ہے

ہیں سنگ واں کے لعل تو ذرّے ہیں آفتاب
کوثر ہے واں کے پانی کے قطرے سے آب آب
جس در کو دیکھیے وہ ہے خلدِ بریں کا باب
روضہ علیؑ کا روضۂ رضواں کا ہے جواب
رحمت بھری ہے واں کے ہر اک سنگ و خشت میں
پہونچے جو صحن میں ہوے داخل بہشت میں

شکلِ کفِ دعا ہے کشادہ درِ رواق
ہے رشکِ طاقِ بیتِ مقدس ہر ایک طاق
گر دیکھنے کا صحن کے ہو جائے اتفاق
دل میں رہے نہ روضۂ رضواں کا اشتیاق
حق ہے کہ کیا جناب ہے اور کیا مقام ہے
ادنیٰ گیا تو اُس کا بھی اعلیٰ مقام ہے

اک دن رسولؐ حق سے کسی نے یہ عرض کی
ارشاد آپ کیجیے کچھ رتبۂ علیؑ
فرمایا مصطفٰےؐ نے کہ میں اور مرا وصی
تھے ایک نور خلقتِ آدم بھی جب نہ تھی
مانند روح و جسم کے باہم رہا ہوں میں
مجھ سے جدا نہ وہ ہے نہ اُس سے جدا ہوں میں

میرے لیے ہے گرچہ رسالت کا مرتبہ
تین اس میں پر فضیلتیں مجھ سے بھی ہیں سوا
اک یہ کہ حق نے جیسا برادر اُسے دیا
میرے لیے نہیں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
بی بی مجھے نہ مالکِ روزِ جزا ملی
زوجہ علیؑ کو فاطمہؑ سی پارسا ملی
بیٹے ملے حسینؑ و حسنؑ سیّدِ جلیل
قدموں پہ جن کے آنکھوں کو ملتا ہے جبرئیل
اُن کا تمام خلق میں کوئی نہیں عدیل
وہ قاسمِ بہشت ہیں مختارِ سلسبیل
اب تو ہی دیکھ رتبے کو شیرؑ الٰہ کے
ایسے پسر کہاں ہیں رسالتؐ پناہ کے

میرا وصی ہے بعد مرے مالکِ جہاں
جسم اُس کا میرا جسم ہے جاں اس کی میری جاں
خوں اُس کا میرا خون ہے لاریب بے گماں
ہے مرتضیٰؑ علی کا خدا آپ مدح خواں
اُس کے سوا یہ رتبہ ہے کس کا جہان میں
ہے آیۂ مباہلہ حیدرؑ کی شان میں

معجز نمائیوں کا کروں اُس کی وصف کیا
کرتا تھا ماں کے بطن میں تعظیمِ مصطفےٰ
تھا وہ ازل سے شیفتۂ ذاتِ کبریا
ہوتے ہی خلق سجدۂ معبود میں جھکا
ہیبت سے اہلِ کفر کے ہتھیار گر پڑے
کعبے میں جتنے بت تھے سب اک بار گر پڑے

اور حال یہ عبادتِ حیدرؑ کا ہے رقم
حمدِ خدا سوا نہ گزرتا تھا کوئی دم
پڑھتا تھا جب نماز وہ شاہنشہِ اُمم
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سر سے تا قدم
احوال تھا یہ سجدے میں اُس خوشخصال کا
ہوتا تھا فاطمہؑ کو گماں انتقال کا

ہر روز روزہ رکھتا تھا وہ سرورِ عرب
ذکرِ خدا میں کٹتی تھی رو کر تمام شب
دنیا میں تھے پر اُن کو نہ دنیا کی تھی طلب
فرماتے تھے یہ آتا تھا وقتِ نماز جب
میں کیا ہوں بندگی ہے مری کس شمار میں
عاجز ہوں میں عبادتِ پروردگار میں

فرمانروائے خلق تھا ہر چند وہ امام
لیکن نمک سے کھاتے تھے نانِ جویں مدام
بھوکوں کو کھانا دیتے تھے جاری تھا فیضِ عام
کس لطف سے غریبوں سے ہوتے تھے ہم کلام
غم بیکسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
بھوکوں کو آپ جا کے کھلانے سے کام تھا

پوشاک تھی نہ اور بجز کہنہ پیرہن
سو وہ بھی اس لیے تھا کہ ہوگا وہی کفن
ڈھانپا کبھی نہ قاقم و سنجاب سے بدن
یا انتظارِ مرگ تھا یا خوفِ ذوالمنن
جب خانۂ خدا میں عبادت کو جاتے تھے
مانندِ بید عضو بدن تھرتھراتے تھے

ملتی تھی مزد آب کشی جو بوقت شام
رانڈوں کو جا کے اُس کا کھلا آتے تھے طعام
اندھوں پہ اور غریبوں پہ الطاف تھا مدام
فرماتے تھے جو پوچھتا مولا کا کیا ہے نام
کیا پوچھتے ہو عبد خدائے قدیر ہوں
جس طرح تم فقیر ہو میں بھی فقیر ہوں

گر پوچھتا کوئی کہ ہے گھر آپ کا کہاں
فرماتے بے نشانوں کا پوچھو نہ کچھ نشاں
کنج لحد سوا نہیں اپنا کوئی مکاں
کیا خاک گھر بنائے کوئی زیر آسماں
پابند کچھ نہیں ہوں کہ تکیے پہ سر رہے
دم بھر جہاں زمیں پہ جگہ پائی مر رہے

جب اہلبیتؑ سامنے کھانے کو لاتے تھے
لذت کے کھانے شیر خدا کو نہ بھاتے تھے
اک قرص نانِ جَو سے زیادہ نہ کھاتے تھے
ہوتا کوئی مُصر تو یہ رو کر سُناتے تھے
اس خوف سے ہے دل مرا بیتاب سینے میں
میں کھاؤں اور ہو کوئی بھوکا مدینے میں

افتادگی یہ تھی کہ نہیں جس کی انتہا
اب سُنیے مرتضیٰؑ کی سخاوت کا ماجرا
انگشتری رکوع میں سائل کو کی عطا
سارا خراج ملک مین جس کی تھی بہا
کون اُس ولی حق سا سخی ہے جہان میں
جس نے قطار اونٹوں کی بخشی اک آن میں

سائل نے عرض کی یہ سفر میں بہ انکسار
اک روٹی دیجئے مجھے یا شیر کردگار
قنبر سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
بھوکے کو جلد سیر کر اے عبد باوقار
عرض اس نے کی جناب امام کبار میں
ہیں روٹیاں شتر پہ شتر ہے قطار میں

قنبر سے تب یہ شیر خدا نے کیے کلام
وہ اونٹ کر تو اُس کے حوالے مع طعام
عرض اُس نے کی وہ اونٹ مقدم ہے یا امام
جب وہ چلے تو چلتے ہیں پیچھے شتر تمام
فرمایا گرچہ کم ہے یہ میری نگاہ میں
دے سب قطار اونٹوں کی خالق کی راہ میں

قنبر نے جلد اونٹوں کی سائل کو دی قطار
اور دور جا کھڑا ہوا اونٹوں سے ایک بار
پوچھا سبب علیؑ نے تو بولا وہ ذی وقار
حضرت کا بحر جود و سخاوت ہے بے کنار
ہے خوف اس کا گرچہ میں ہوں کس شمار میں
مجھ کو نہ بخش دیجے کہیں اس قطار میں

بہر وفائے نذر جو صائم ہوئے امام
اور دن ہوا تلاوت قرآن میں تمام
مولا کو جَو کی روٹی بہم پہونچی وقت شام
سائل پکارا در پہ یہ حیدرؑ کا لے کے نام
میں فاقہ کش یتیم ہوں تم حق کے شیر ہو
حاضر ہو کچھ تو دو کہ یہ محتاج سیر ہو

اُس صاحبِ کرم نے سُنی جب کہ یہ صدا
بنتِ نبیؐ و فضہؓ و سبطینِؑ مصطفےٰ
پانی سے روزہ کھولا شہِ ذوالفقار نے
پھر صوم سے تھے دوسرے دن شیرِ ذوالجلال
سائل نے وقتِ شام پھر آ کر کیا سوال
تھا روزہ تیسرا کہ وہ آیا اُسی طرح
جس دن وہ تینوں نذر کے آخر ہوئے صیام
تھا فاطمہؑ کا ضعف سے لرزاں بدن تمام
مشکل تھا بولنا حسنؑ تلخ کام کو
منہ خشک رنگ زرد تھا اشکوں سے چشم نم
اُن سے علیؑ یہ کہتے تھے بیٹا نہ کھاؤ غم
راحت ہے راہِ حق میں جو ہم رنج سہتے ہیں
گو تم پہ درد و رنج و الم کا وفور ہے
سائل کو گر نہ دیجئے ہمت سے دور ہے
فاقوں میں زخمِ تیغ و سناں تن پہ کھانے ہیں
کیا غش پڑے ہو تکیے سے بیٹا اُٹھاؤ سر
زہراؑ نے تب علیؑ سے کہا یہ بچشمِ تر
اُس کی گرسنگی سے مرے دل میں درد ہے
بچوں کو بھوک پیاس میں آتا نہیں قرار
اس صبر پہ حسینؑ کے ہو فاطمہؑ نثار
کیونکر خدا نہ ہوئے گا خوش اس کی باتوں سے
زہراؑ سے تب یہ کہنے لگے رو کے مرتضےٰؑ
سائل کو روٹی دینے کا اس کے عجب ہے کیا
صبر اس کا تا بہ حشر ہر اک کو رلائے گا

وہ روٹی اپنے حصے کی سائل کو کی عطا
دے آئے اپنا حصہ بھی اور شکرِ حق کیا
فاقے میں کاٹی رات ہر اک روزہ دار نے
افطار کرنے پائے نہ تھے پانچوں خوش خصال
پھر بخشی نان جو اُسے بار غبتِ کمال
پھر پانچوں صاحبوں نے کھلایا اُسی طرح
اور چوتھے دن بھی کچھ نہ میسر ہوا طعام
فاقوں سے شیرِ حق میں نہ تھی طاقتِ کلام
غش آتے تھے حسین علیہ السلام کو
اور بھوک سے لگا ہوا تھا پشت سے شکم
کھانا جو تین روز سے پہونچا نہیں بہم
ہوتے ہیں جو سخی وہی بھوکے بھی رہتے ہیں
بہتر ہے وہ جو مرضیٔ ربِّ غفور ہے
بچپن سے بھوک پیاس کی عادت ضرور ہے
بیٹا ابھی بہت تمہیں صدمے اُٹھانے ہیں
رازق کرے گا رحم اُسی پر رکھو نظر
کیا عمر ہے حسینؑ کی یا شاہِ بحر و بر
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں رنگ زرد ہے
نہ در ہے کھانا مانگتے ہیں رو کے بار بار
بھوکا رہا ہمارے برابر یہ گلعذار
سائل کو روٹی دوڑ کے دی ننھے ہاتھوں سے
صابر مرا حسینؑ ہے ایوبؑ سے سوا
سر دے گا حق کی راہ میں اک دن یہ مہ لقا
یہ وہ ہے تین روز جو پانی نہ پائے گا

فرمایا فاطمہؑ نے کہ اے شیر ذو الجلال
فاقے سے تین دن کے ہے صاحب یہ نونہال
بچوں کی میرے فاقہ کشی پر نظر کرو
زہرا یہ کہہ رہی تھیں علیؑ سے بحالِ زار
تعظیم کو نبیؐ کی اُٹھے شاہِ ذوالفقار
زار و نحیف بنت رسالت پناہ تھی
بچوں کا حال دیکھ کے گھبرا گئے رسولؐ
مرجھائے آج کیوں ہیں یہ میرے چمن کے پھول
غم سے رہی نہ تاب شہ مشرقین کو
پھر فاطمہؑ کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
سنتا ہوں تین دن ہوئے کھانا نہیں ملا
پھر بولے اے خدا مرے فرزند مرتے ہیں
رو رو کے کہتے تھے یہ ابھی سیّد انام
آیات ہل اتیٰ کو دیا اور کیے کلام
فاقے کیے جو راہ خدائے قدیر میں
جبریلؑ سے یہ مژدہ محمدؐ نے جب سُنا
فرط خوشی سے سُرخ ہوا روئے مرتضاؑ
بندے پہ کیا عنایت پروردگار ہے
میں کیا ہوں مجھ سے کون سا ایسا ہوا عمل
بخشا اُسی نے صبر کہ آیا نہیں خلل
دے سکتا تھا میں رزق یتیم و اسیر کو
ہمت اُسی نے دی یہ سخاوت اُسی نے دی
قوت اُسی نے بخشی شجاعت اُسی نے دی
لطف و کرم نے محرم راز خفی کیا

میرا حسینؑ بھوک سے اب ہے بہت نڈھال
زہرا سے اب تو دیکھا نہیں جاتا اس کا حال
بیٹھے ہو کیا رسولؐ خدا کو خبر کرو
تشریف لائے اتنے میں محبوبؐ کردگار
پر کانپتے تھے پاؤں نقاہت تھی آشکار
فاقوں سے دونوں بیٹوں کی حالت تباہ تھی
پوچھا یہ مرتضیٰؑ سے کہ اے شوہر بتولؑ
روداد سب علیؑ نے کہی با دلِ ملول
روئے گلے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو
اے میری فاقہ کش مری دِلدار دلربا
افسوس تیرے حال سے میں بے خبر رہا
فاقے سے تین تین دن ان پر گزرتے ہیں
جو آئے جبرئیلؑ امیں باصد احترام
راضی ہے مرتضیٰؑ سے بہت رب ذوالکرام
آیا ہے سورہ مدح جناب امیرؑ میں
درگاہ حق میں شکر کا سجدہ کیا ادا
رکھ کر زمیں پہ سر کو بصد عجز یہ کہا
یہ ایک مشت خاک کا عز و وقار ہے
بھوکا اگر رہا تو نہیں فخر کا محل
لا انتہا ہے رحمت معبود لم یزل
اُس نے دیا تو میں نے کھلایا فقیر کو
فاقوں میں مجھ کو صبر کی طاقت اُسی نے دی
اس عبد خاکسار کو عزت اُسی نے دی
اپنے حبیبؐ کا مجھے اُس نے وصی کیا

ادنیٰ سا یہ سخاوت حیدرؑ کا ہے بیاں
عالم پہ جرأت اسد اللہ ہے عیاں
مشہور تھا وہ ناصر پیغمبرؐ زماں
کیں فتح اہل کفر کی کیا کیا لڑائیاں
جتنے دلاوران جہاں اور دلیر ہیں
شیر خدا کی ضرب کی دہشت سے زیر ہیں

کس طرح ذوالفقار کی برش کی ہو ثنا
حرفوں سے حرف لکھتے میں ہو جاتے ہیں جدا
ہر معرکے میں وہ نظر آتی تھی شکل لا
یعنی نہیں علیؑ کے سوا شاہ لافتا
اغراق کچھ نہیں ہے یہ تشبیہ ٹھیک ہے
ظاہر یہ اس سے تھا کہ خدا لاشریک ہے

بدر و حنین و کعبہ و خیبر سے تا احد
ہر جنگ میں علیؑ نے محمدؐ کی کی مدد
دست خدا کا وار کسی سے ہوا نہ رد
اس ادعائے راست پہ ہے لافتیٰ سند
برش پہ ذوالفقار کی قاطع دلیل ہے
اب تک دو نیم جس سے پر جبرئیلؑ ہے

بارہؑ برس کی عمر میں قوت تھی اس قدر
خیبر کا در اکھاڑ لیا اور کیا سپر
دی ہے کتب میں اہل تواریخ نے خبر
چالیسؑ من کا حلقہ تھا ہفتاد من کا در
شیر خدا نے زور ولایت دکھا دیا
خندق پہ پل نہ تھا تو اسے پل بنا دیا

اس پل سے اترے جبکہ جواں آٹھ نو ہزار
تکبیر کہہ کے بولا یہ اک مرد باوقار
قائم ہوا یہ ہیں قدم شاہ ذوالفقار
بولے نبیؐ ہوا اسے سمجھو نہ زینہار
خیبر کا در ہے دست امام جلیل پر
قائم ہیں دونوں پاؤں پر جبرئیلؑ پر

مشہور ہے جہاں میں جنگ احد کا حال
جس وقت اہل کفر کی کثرت ہوئی کمال
فوج رسولؐ بھاگ گئی سب دم جدال
محبوب ذوالجلال کو تب آگیا جلال
پھر کر ادھر ادھر جو نظر کی عتاب میں
غیر از علیؑ کسی کو نہ پایا رکاب میں

احمدؐ پہ تھا ہجوم سپاہ منافقیں
تھی ہاتھ میں کھنچی ہوئی ہر اک کے تیغ کیں
ڈر سے علیؑ کے پر کوئی آتا نہ تھا قریں
پتھر نبیؐ کو مارتے تھے سنگدل لعیں
زخمی جو یک بیک لب معجز نما ہوا
درج دہن سے گوہر دنداں جدا ہوا

آلودہ خوں میں جب ہوئے محبوب کردگار
ناقہ بڑھا کے آپ کیا عزم کارزار
اس دم نہ مرتضیٰؑ کو رہی طاقت قرار
کھینچی خدا کے شیر نے جھنجلا کے ذوالفقار
دہشت سے الاماں کی فلک تک صدا گئی
گاو زمیں زمیں کے تلے تھرتھرا گئی

چمکی دمِ نبرد جو وہ برق شعلہ ور
اللہ ری ضربِ تیغ علیؑ رخ کیا جدھر
نصرت فدا تھی جرأت و ہمت نثار تھی
آتے تھے اہلِ کفر محمدؐ پہ فوج فوج
دونا تھا ذوالفقار کا اُس معرکے میں اوج
آئے نظر نہ وہ جنھیں قصدِ مصاف تھا

خندق میں جب شروع ہوئی مصطفےٰؐ سے جنگ
مشہور ہے وہ بحرِ شجاعت کا تھا نہنگ
مُنھ پھیرتا نہ تھا وہ کسی کارزار سے
آئی نظر جو فوجِ رسولؐ خدا کی شاں
کفار مستعد ہوئے نیزوں کو تان تان
مشہورِ خلق معرکہ آرائے رزم تھا

رکھے ہوئے تھا خُود کلاں فرق نحس پر
تھی پشت سے لگی ہوئی اک آہنی سپر
سب گھوڑوں سے بلند و قوی راہوار تھا
پڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ پئے نبرد
تھا لاف زن رسولؐ کا جو ہو شریکِ درد
طاری تھا خوف فوج پہ اُس کے بیان سے

اصحاب سے نبیؐ نے یہ اُس دم کیا خطاب
سب سرنگوں تھے ڈر سے نہ تھی بولنے کی تاب
کی عرض مصطفےٰؐ سے یہ کیا انتظار ہے
کی عرض ہاتھ جوڑ کے حیدرؑ نے تین بار
نزدیک تھا کہ فوجِ محمدؐ کرے فرار
سر بر نہ ہو گا کوئی جواں اس جوان سے

روحیں تنوں کو چھوڑ کے بھاگیں سوئے سفر
روحیں تنوں کی لوٹ رہی تھیں زمین پر
لاسیف و لا فتیٰ کی فلک پر پکار تھی
دریائے حرب چار طرف مارتا تھا موج
ہر فرد کو بھگاتا تھا خیر النساؑ کا زوج
حملہ نہ ہو چکا تھا کہ میدان صاف تھا

تھی ابنِ عبدوُد کی شجاعت سے فوج تنگ
دو چار سو سے سامنا کرنا تھا اُس کو ننگ
لڑتا تھا معرکہ میں اکیلا ہزار سے
اُس نے بھی اپنی فوج کے کھلوا دیے نشاں
آگے بڑھا جلو میں کئی سو لیے جواں
محبوبؐ حق کے قتل کا کافر کو عزم تھا

بر میں زرہ تھی کاندھے پہ تھا گرزِ گاؤ سر
لنگر یہ تیغ میں کہ کرے کوہ سے گزر
اک دیو تھا کہ کوہ کے اوپر سوار تھا
اصحابِ مصطفےٰؐ ہوئے دہشت سے اُس کی زرد
صف سے نکل کے آئے مرے سامنے وہ مرد
نکلا نہ کوئی جنگ کو اُس پہلوان سے

دیوے زبانِ تیغ سے اس کو کوئی جواب
آخر بڑھے پرے سے امامِ فلک جناب
بندہ رضائے حرب کا اُمیدوار ہے
محبوبؐ حق نے پر نہ دیا حکمِ کارزار
سلماںؓ نے عرض کی کہ فدا ہو یہ جاں نثار
نکلے گی ذوالفقار نہ جب تک میان سے

یہ سن کے آبدیدہ ہوئے شاہ بحر و بر
پہنائی اپنے تن کی زرہ ان کے جسم پر
حفظ خدا علیؑ ولی کی سپر ہوئی
اپنے عمامے کو کیا حیدرؑ کا تاج سر
ہاتھوں سے اپنے باندھی یداللہ کی کمر
قبضے میں ذوالفقار کلید ظفر ہوئی

رخصت نبیؐ سے ہو کے جو وہ شیر حق چلا
قبلے کی سمت ہاتھ اٹھا کر یہ کی دعا
بیتاب ہوں یہ میری دعا مستجاب ہو
پڑھتے تھے رو کے آیۂ نصرت کو مصطفیٰؐ
تو مرتضیٰ علیؑ کا نگہبان ہے اے خدا
عمرو ابن عبدوُد پہ علیؑ فتح یاب ہو

یارب! یہ تیرا بندۂ طاعت گزار ہے
عابد ہے متقی ہے یہ اور خاکسار ہے
دنیا بہت ذلیل ہے اس کی نگاہ میں
یارب! یہ روزہ دار ہے شب زندہ دار ہے
یہ تیرے نام پاک پہ دل سے نثار ہے
جان اپنی صرف کرتا ہے یہ حق کی راہ میں

کرتے تھے یاں نبیؐ یہ مناجات بار بار
پڑھ کر رجز کو ہاتھ میں تولی جو ذوالفقار
خادم کوئی جلو میں تھا نہ راہوار تھا
پہونچا خدا کا شیر بمیدانِ کارزار
چومے قدم نصیب نے نصرت ہوئی نثار
اس دن پیادہ پا شہِ دلدل سوار تھا

عمرو ابن عبدوُد سے یہ کی پہلے گفتگو
پیرو نبیؐ کا ہو کہ زیادہ ہو آبرو
ڈر قہر حق سے درپے جنگ و جدل نہ ہو
اقرار کر الٰہ کی وحدانیت کا تو
یا ترک کر محاربہ احمدؐ سے اے عدو!
تا انتظام دین نبیؐ میں خلل نہ ہو

ہنس کر علیؑ سے بولا یہ وہ نطفۂ حرام
واقف ہیں میرے زور و شجاعت سے خاص و عام
ناحق تو جان دینے کو آیا ہے آپ سے
میں نے کبھی سنے نہیں اس طرح کے کلام
لڑکے سے کیا لڑوں کہ یہ ہے ننگ کا مقام
پھر جا کہ دوستی ہے مجھے تیرے باپ سے

آشفتہ ہو کے کہنے لگے مرتضیٰؑ علی
تو دشمن خدا و محمدؐ ہے اے شقی
ہوتی نہیں ہے مومن و کافر میں دوستی
کر دوں گا ایک حملے میں تجھ کو فنا ابھی
لڑکا نہ جانیو کہ میں شیر الٰہ ہوں
حیدر ہوں ابن عم رسالتؐ پناہ ہوں

آ کر غضب میں گھوڑے سے کود او بد سیر
پے کر کے اسپ کو ہوا حضرت پہ حملہ ور
حیدرؑ نے بہر دفع ضرر سر پہ لی سپر
دو ٹکڑے ہوتا۔ پڑتی جو وہ ضرب کوہ پر
اس ضرب سے دو نیم علیؑ کی سپر ہوئی
سر پہ لگا جو زخم جبیں خوں سے تر ہوئی

یوں دوڑ کر علیؑ نے کیا اپنا اُس پہ وار
آجائے شاہباز کے پنجے میں جوں شکار
ضربت کے روکنے کی عدو کو ملی نہ بار
بجلی سی بس چمک کے گری سر پہ ذوالفقار
اتنا تو منہ سے فوج کے نکلا غضب ہوا
ثابت نہ تھا کسی پہ کہ دو ٹکڑے کب ہوا

تکبیر کی علیؑ نے جو میداں سے دی صدا
محبوب حق نے شکر کا سجدہ کیا ادا
روح الامیں نے آکے پس از تہنیت کہا
ضرب علیؑ کی کرتا ہے تعریف کبریا
کس تیغ میں یہ ضرب ہے کس میں یہ زور ہے
گردوں پہ تہنیت کا فرشتوں میں شور ہے

اتنے میں فتح کرکے پھرے شاہ بحر و بر
ڈالا قدم پہ اسپ نبیؐ کے عدو کا سر
حیدرؑ کو پیار کرنے لگے سیدؐ البشر
فرمائی یہ حدیث زباں سے پکار کر
جس سے خدا خوشی ہے علیؑ کی وہ حرب ہے
افضل عبادت دو جہاں سے یہ ضرب ہے

آیا نظر جو زخم سر مرتضیٰؑ علی
پٹی سے اس کو باندھ کے روئے بہت نبیؐ
فرماتے تھے میں آہ کہاں ہوں گا اُس گھڑی
زخمی کرے گا جب تجھے سجدے میں اک شقی
لوٹے گا تو جو خانۂ پروردگار میں
تڑپے گی میری روح مقرر مزار میں

اے مومنو شجاعت حیدرؑ کا تھا یہ حال
کامل تھا صبر و شکر میں وہ شاہ باکمال
دُنیا سے جبکہ اُٹھ گئے محبوب ذوالجلال
آزار مرتضیٰؑ کو لگے دینے بدخصال
کیا کیا نہ شیر حق پہ مصیبت گزر گئی
اعدا کے ظلم و جور سے زہراؑ بھی مر گئی

اس پر بھی ظالموں نے نہ کھینچا ستم سے ہات
گزری مہ صیام کی اُنیسویں جو رات
مسجد میں مرتضیٰؑ گئے گھر سے پے صلوٰت
قتل علیؑ کی گھات میں تھا اک زبوں صفات
پایا جو محو بندگیٔ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

مطلع

روؤ کہ روز قتل امیر عرب ہے آج
پیٹو کہ روز حشر ہے ضربت کی شب ہے آج
بزم عزا میں آکے نہ رونا غضب ہے آج
غم سے حسنؑ حسینؑ کی حالت عجب ہے آج
پایا جو محو بندگی بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

اب پیٹنے کی جا ہے غلامان مرتضیٰؑ
آقا کی گوش دل سے مصیبت سُنو ذرا
ایسا کریم ایسا سخی ایسا پیشوا
بے جرم حق کے سجدے میں مجروح ہو گیا
فرصت نہ دی نماز کی اُس روزہ دار کو
نہلا دیا لہو میں شہ ذوالفقار کو

سجدے میں شیرِ حق کا دو پارا ہوا جو سر
اُبلا لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
گردوں پہ جبرئیل پکارا غضب ہوا
پہونچی جو گوش حضرت زینبؑ میں یہ صدا
جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کس نے کیا شہید امام حجاز کو
یہ سُن کے دوڑے جانب مسجد حسنؑ حسینؑ
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہ مشرقین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
گہ زخمی سر کو دیکھ کے کرتے تھے یہ بیاں
نانا ہمارے سر پہ نہ جیتے ہیں اور نہ ماں
بیٹوں کو قید غم سے چھوڑاؤ تو خوب ہے
فریاد ہے کہ خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
یہ کہہ کے لائے روتے ہوئے تا بہ خوابگاہ
خوں سے عبا تھی سُرخ جراحت میں درد تھا
حضرت کے گرد جمع تھے اصحاب باوفا
تم سے وصی رسولؐ کا ہوتا ہے اب جدا
غم میں ہمارے خاک سروں پر اُڑاؤ گے
کی اُٹھ کے صعصعہ بن صحاں نے عرض تب
جب چاہا اُس کو پوچھوں تو مانع ہوا ادب
خادم اُمیدوار ہے اس کے جواب کا
سر کو جھکا کے شیر خدا نے دیا جواب
گندم کے کھانے سے وہ ہوئے موردِ عتاب
فاقوں میں شکر حق سے زباں آشنا رہی

اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
سجدے میں حق کے قتل امیر عرب ہوا
رو کر جناب شبّرؑ و شبیرؑ سے کہا
کہتا ہے کوئی قتل ہوا شاہ لافتا
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بشور و شین
سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے
ٹوٹی بس اب ہماری کمر ہائے بابا جاں
جاویں گے جس طرف نہ ملے گی ہمیں اماں
ساتھ اپنے ہم کو لیتے ہی جاؤ تو خوب ہے
زخمی کیا وصی محمدؐ کو بے گناہ
حضرت کی آنکھیں بند تھیں کرتے تھے آہ آہ
مانند زعفران رُخِ پُر نور زرد تھا
فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا
وہ پوچھ لیوے آج جسے جو ہو پوچھنا
کل خویش مصطفےٰ کو نہ دنیا میں پاؤ گے
خاطر میں چند مسئلہ ہیں یا شہِ عرب
دیتے ہیں حکم آپ تو کرتا ہوں عرض اب
آدمؑ کا مرتبہ ہے سوا یا جناب کا
آتا ہے مجھ کو اپنی ثنا کرنے سے حجاب
میں نے بغیر منع کیا اُس سے اجتناب
نانِ جویں ہمیشہ علیؑ کی غذا رہی

کی عرض رو کے اُس نے کہ یا شاہِ لافتا ۔ رتبہ زیادہ آپ کا ہے یا کہ نوحؑ کا
فرمایا جب کہ اُمتِ سرکش نے کی جفا ۔ کی حق میں اُن کے نوحؑ سے صابر نے بد دعا
باندھا ستمگروں نے گلا ریسمان سے ۔ میں نے دعائے بد نہ کبھی کی زبان سے
اور دوسرے سعید نہ تھا نوحؑ کا پسر ۔ کافر رہا سدا نہ ہوا دیں سے بہرہ ور
میرے پسر رسولؐ کے ہیں پارۂ جگر ۔ یہ دونوں لعل عرشِ الٰہی کے ہیں گہر
سردار اہلِ خلد ہیں عالی مقام ہیں ۔ نانا نبیؐ ہیں باپ امام آپ امام ہیں
پھر اُس نے عرض کی کہ غلام آپ پر نثار ۔ قدر آپ کی سوا ہے کہ موسیٰؑ کا افتخار
فرمایا اُن کو جب یہ ہوا حکم کردگار ۔ فرعون پاس جا کے کرو حال آشکار
کی عرض خوف یہ ہے کہ جیتا نہ آؤں میں ۔ گر حکم ہو تو بھائی کو بھی لیکے جاؤں میں
مجھ سے رسولؐ پاک نے جس دم کہی یہ بات ۔ ہاں جا کے اہلِ کعبہ میں پڑھ سورۂ برات
تھے جمع واں بہت سے صنادید یہ صفات ۔ لایا بجا میں حکم شہنشاہ کائنات
سورہ پڑھا برات کا اس عز و شان سے ۔ آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے
جب طُور پر عصا ہوا موسیٰؑ کا اژدہا ۔ موسیٰؑ پکڑ اِسے" یہ ہوا حکم کبریا
وہ ڈر گئے یہ تھا بشریت کا مقتضا ۔ غیر از خدا کسی سے کبھی میں نہیں ڈرا
حیدر لقب ملا مجھے طفلی کے عہد میں ۔ دو انگلیوں سے چیرا ہے اژدر کو مہد میں
عیسیٰؑ کو اُس نے پوچھا تو مولا نے یہ کہا ۔ مادر ہے اُن کی حضرت مریمؑ سی پارسا
جب دردِ وضع حمل اُنھیں کعبے میں ہوا ۔ آئی ندائے غیب کہ باہر یہاں سے جا
یاں کوئی امر غیر عبادت روا نہیں ۔ طاعت کی یہ جگہ ہے ولادت کی جا نہیں
اور وقت آیا میری ولادت کا جس گھڑی ۔ مادر مری دعا کے لیے کعبے میں گئی
باہر سے فاطمہؑ کو صدا یہ کسی نے دی ۔ آ اندر آ تو کعبے کے اے مادرِ علیؑ
مریمؑ سے مرتبہ ترا اس دم زیادہ ہے ۔ تو ہے کنیز خاص علیؑ خانہ زاد ہے
یہ کہتے تھے کہ شیرِ خدا کو غش آگیا ۔ پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا ۔ گھر اپنے جاؤ وقت ملاقات ہو چکا
آتے ہیں غش پہ غش شہِ کون و مکان کو ۔ جی بھر کے دیکھنے دو ہمیں بابا جان کو

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوستدار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
یہ سن کے روتے روتے دم اُن کے اُلٹ گئے
روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا
پاس ادب سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے

ام البنینؑ قدم پہ گری کھولے سر کے بال
عباسؑ سے ہے خاطر اقدس پہ کچھ ملال
رہتا یہ خدمت حسنؑ خوش صفات میں
ام البنینؑ سے روکے علیؑ نے کہی یہ بات
شیدا ترے پسر کا ہے شبیرؑ خوش صفات
شان بہادری ہے ترے نور عین میں

عباسؑ کو بلا کے گلے سے لگا لیا
اے لال یہ غلام تمہارا ہے باوفا
آفت کا دن جو تجھ کو مقدر دکھائے گا
عباسؑ سے کہا کہ سن لے میرے نونہال
رکھیو ہمیشہ خاطر شبیرؑ کا خیال
پیش خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا

خدمت سے کیجیو نہ کسی حال میں قصور
دلبند فاطمہؑ کا ہے پاس ادب ضرور
آقا کا ساتھ تا دم مردن نہ چھوڑیو
بچوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر
پہونچے جو کربلا میں یہ سلطان بحر و بر
روز نبرد معرکہ آرائی کیجیو

زینبؑ بلائیں لینے لگی روکے زار زار
آؤ مرے قریب کہ ہے وقت احتضار
بارہ پسر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے
اور ہاتھ اُن کے ہاتھ میں نو بیٹوں کا دیا
چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
ماں اُن کو دیکھتی تھی وہ مُنھ ماں کا تکتے تھے

کی عرض یا علیؑ ولی شبیر ذوالجلال
لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا اُن کے ہات میں
دیتا حسنؑ کے ہاتھ میں کیوں کر میں اُس کا ہات
اور عاشق حسینؑ ہے عباسؑ نیک ذات
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دست حسینؑ میں

ہاتھ اُس کا دے کے ہاتھ میں شبیرؑ کے کہا
میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا
اُس روز یہ غلام بہت کام آئے گا
تو ہے علیؑ کا لال وہ ہے مصطفےٰ کا لال
اس کا ملال احمدؐ مرسل کا ہے ملال
مجھ کو بھی پاس رہتا ہے اس نور عین کا

تو ایک مشت خاک ہے یہ ہے خدا کا نور
جو اس کے دل سے دور ہے وہ ہے خدا سے دور
سب چھوٹیں پر حسینؑ کا دامن نہ چھوڑیو
پہلے مرے حسینؑ سے تو باندھیو کمر
خیمے کی چوکی شام سے تو دیجو تا سحر
پانی ہو اس پہ بند تو سقائی کیجیو

یہ سُن کے ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار — اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار — فرزندوں کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی — اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی
اک بار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا — بغلوں میں ہاتھ دے کے اُٹھاؤ مجھے ذرا
آئے ہیں میرے لینے کو جنت سے مصطفےٰ — یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہ لافتا
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گزر گئے — غل پڑ گیا کہ حیدرؑ کرار مر گئے

فوج ملک میں شور قیامت ہوا عیاں — تھرّا گئی زمین۔ لگا ہلنے آسماں
جنّات پیٹنے لگے با نالہ و فغاں — مابین آسماں و زمیں تھا یہی بیاں
وا حسرتا کہ تخت امامت اُلٹ گیا — بس آج زور آل محمد کا گھٹ گیا
بیٹوں نے پھر غسل اُتارا جو پیرہن — پیوند اُس کے دیکھ کے رونے لگے حسنؑ
رو کر کہا حسینؑ نے بھائی سے یہ سخن — مدت سے تھا گلے میں یہی جامۂ کہن
جو کہتا تھا کہ رخت بدن چاک چاک ہے — کہتے تھے مست خاک کی پوشاک خاک ہے

معجز نما کو غسل جو دینے لگے پسر — پھرتا تھا آپ جسم مبارک اِدھر اُدھر
آیا تھا خلد سے کفن شاہ بحر و بر — زہراؑ کے لال کہتے تھے سر پیٹ پیٹ کر
بابا رسول پاک سے ملنے کو جاتے ہیں — ہم خلعت اخیر پدر کو پنہاتے ہیں
اُس وقت یہ حسینؑ سے کسی شخص نے کہا — نیلے نشان دوش پہ کیسے ہیں جا بجا
یہ سُن کے اہلبیتؑ میں رونے کا غل ہوا — بولے حسنؑ کہ رات کو لے جاتے تھے سدا
اک دوش پر اناج فقیروں کے واسطے — اک دوش پر طعام اسیروں کے واسطے

تابوت میں جو رکھ چکے فرزند ارجمند — دل سوز غم سے جلنے لگا صورت سپند
ڈالی ردائے سبز جو تابوت کر کے بند — آگے سے تب جنازہ ہوا خود بخود بلند
غل تھا جنازۂ شہ مرداں رواں ہوا — دیکھو ہوا پہ تخت سلیماںؑ رواں ہوا
بیٹے جو گھر سے لے چلے تابوت شاہ کا — ازواج میں علیؑ کے قیامت ہوئی بپا
غل پڑ گیا کہ ہائے علیؑ ہائے مرتضاؑ — ام البنینؑ نکل پڑیں گھر سے برہنہ پا
چلّاتی تھیں مجھے نہیں صورت دکھاتے ہیں — شیر الٰہ! قبر میں سونے کو جاتے ہیں

گھر سے پسِ جنازۂ سلطان بحر و بر
ساری زنانِ ہاشمیہ نکلیں ننگے سر
زینبؑ پکارتی تھیں کہ بابا چلے کدھر
بیٹی نثار ہائے مرے فاقہ کش پدر
آتا ہے روزِ عید خوشی لوگ ہوئیں گے
ہم منھ کو ڈھانپ ڈھانپ کے اب گھر میں روئیں گے

اور پیچھے اُس جنازے کے فضہ کا تھا یہ حال
خم تھا کمر میں اور کھلے تھے سفید بال
کہتی تھی پیٹ کر سر و زانو بصد ملال
بچے تباہ ہو گئے یا شیرِ ذوالجلال
پیٹے گا کوئی خاک کوئی سر پر ڈالے گی
کس کس کو تم بغیر یہ لونڈی سنبھالے گی

فضہ سے تب حسینؑ نے رو کر کیا کلام
چادر سے سر کو ڈھانپ یہ ہے صبر کا مقام
در بند کر کے بازوئے ام البنینؑ کو تھام
گھر سے کہیں نکل نہ پڑیں بیبیاں تمام
صدمے سے باپ کے دلِ کلثومؑ پھٹ نہ جائے
زینبؑ کہیں جنازے سے آ کر لپٹ نہ جائے

بازار میں جو کوفہ کے ہو پہنچے بچشم تر
اک شور تھا علیؑ نے جہاں سے کیا سفر
بارہ پسر تھے ساتھ جنازے کے ننگے سر
جاتے تھے گرد و پیش زن و مرد نوحہ گر
مولا کے عدل و داد کے مذکور ہوتے تھے
بازاری سب دکانوں پہ اُٹھ اُٹھ کے روتے تھے

سر اپنے پیٹ پیٹ کے چلاتے تھے فقیر
ہم لوگ مر گئے ترے مرنے سے اے امیرؑ
قیدی پکارتے تھے کہ اے کل کے دستگیر
اب کس کی راہ رات کو دیکھیں گے ہم اسیر
کہتی تھیں رانڈیں خلق سے وارث گزر گیا
چلاتے تھے یتیم کہ باپ آج مر گیا

کہتا تھا کوئی مر گیا احمدؐ کا جانشیں
کہتا تھا کوئی ٹوٹ گیا آج رکنِ دیں
دم سے ابوتراب کے تھی رونقِ زمیں
افسوس بے چراغ ہوئی بزمِ مومنیں
عالم کے سر کا تاج زمانے سے اُٹھ گیا
ہادی ہمارا آج زمانے سے اُٹھ گیا

اُس شور میں یہ فاطمہؑ کی آتی تھی صدا
بچے مرے یتیم ہوئے وا مصیبتا
وارث نہ کوئی زینبؑ و کلثومؑ کا رہا
ماں مر چکی تھی آگے ہی بابا بھی اب مرا
بچوں کو تھامتے ہیں جو ماں باپ ہوتے ہیں
کیسے بلک بلک کے مرے لال روتے ہیں

بس آگے اے انیسؔ نہیں طاقتِ رقم
ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر قلم
طاری ہے شیعیانِ علیؑ پر ہجومِ غم
کر تو دعا یہ حق سے کہ جب تک ہے دم میں دم
جاری زبان پر نہ کوئی اور حرف ہو
مداحیِ علیؑ میں مری عمر صرف ہو

مرثیہ
بند ۱۱۴

فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گلرو صفتِ غنچہ کمربستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش
عمّامے سروں پر ہیں عبائیں بسر و دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش
حیراں کوئی تصویر کی صورت، کوئی خاموش
مُنھ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

عباسؑ کا مُنھ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ
اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ ید اللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہیں ہم سِن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرت شبیرؑ کے سائے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے ہم جائیں نہ کیوں کر
ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
خدّام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

ہے جب سے کھلا حالِ سفر بند ہے بازار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاں دار
خاک اُڑتی ہے ویرانیٔ شہر کے ہیں آثار
ہر کوچے میں ہے شور کہ ہے شہ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

تدبیر سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبرؐ
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسِؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنھیں لے جاتا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
چلّاتے ہیں دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

عوراتِ محلّہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
پرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

لے لیکے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلمؑ کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں
کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں؟
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں
بی بی یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
ایک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی
بربادیِ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانیں پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر آہ
ان چھوٹے سے بچوں کا نگہباں ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذیجاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اُس راہ میں پانی نہیں ملتا

مُنھ دیکھ کے اصغرؑ کا چلا آتا ہے رونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا
لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمہلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

ان بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
ظاہر میں تو مابین لحد سوتی ہیں اماں
ہے روح پہ اماں کی قلق کرتی ہیں زاری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
غمخوار ہے تو اور خدا حافظِ جاں ہے
یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی مصیبت
آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت
اُس دن مری تربت سے نہ مُنھ موڑیو زینبؑ
اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر
دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر
جو ہوے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینبؑ
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہ عادل
طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل
چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے
رخصت کرو اُن کو جو کہ ہیں ملنے کو آئے
نادان سکینہؑ کہیں آنسو نہ بہائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے دم اُس کا نہ نکل جائے
رخصت کو ابھی قبر پیمبرؐ پہ ہے جانا
اماں کی لحد پہ ہے ابھی اشک بہانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے

بہنوں ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اُس کا نہ کھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں
سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
فرماتی تھیں "بھائی سے خبردار" میں واری
نے باپ ہے سر پر مرے بچے کی نہ ماں ہے
کچھ جان کی تھی فکر نہ اُن کو دمِ رحلت
شبیرؑ سدھارے جو سوئے وادیٔ غربت
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینبؑ
گھر بھائی سے تھا بھائی نہ ہوتے تو کہاں گھر
رسّی سے بندھیں ہاتھ کہ بلوے میں کُھلے سر
اس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینبؑ
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل
بچے کئی ہمراہ ہیں۔ گرمی کا سفر ہے
کہہ دو کوئی گہوارۂ اصغرؑ کو بھی لائے
جانے کی خبر میری نہ صغراؑ کہیں پائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

سُن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری میں لُٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری بے بس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحبِ آزار کو چھوڑوں اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینے میں سنبھلتا صاحب مرے دل کو کوئی ہاتھوں سے ہے ملتا
میں تو اُسے لے چلتی پہ کچھ بس نہیں چلتا رہ جاتیں جو نہیں بھی تو دم اُس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منھ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا گھر بھر میں جو ڈھونڈھو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو گیا صبح سے بے ہوش ہو خواہر اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہے مادر ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سُن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
مُنھ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اُس کو بچائے
جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں دانستہ میں کیوں کر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں امّاں کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں امّاں

ماں نے کہا ہاں وہی آئے ہیں مری جاں جو کہنا ہو کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو ادھر روتی ہیں بی بی شہ ذیشاں صغرا نے کہا ان کی محبت کے میں قرباں
وہ کونسا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا کھل کر کہو کیا مجھ سے جدا ہوتے ہیں بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر نے فرش نہ ہے مسندِ فرزند پیمبر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ مُنھ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے امّاں کیا سبطِ پیمبر سے وطن چھٹتا ہے امّاں

شبیرؑ کا مُنھ تکنے لگی بانوئے مغموم
صغراؑ کے لیے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیّد مظلوم
پردہ رہا اب کیا تمہیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغراؑ
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغراؑ

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
میں پا بہ رکاب اور ہو تم صاحبِ آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں سفر میں جو ہو بیمار
تکلیف تمہیں دوں یہ مناسب نہیں زنہار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لُو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام
جنگل میں نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام
دریا کہیں جائے کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغراؑ نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار
پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار
تبرید فقط آپ کا ہے شربت دیدار
گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منھ سے کہوں درد ہے سر میں
اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر روئے گی صغراؑ
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغراؑ

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہوں مادر
ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغرؑ
لونڈی ہوں سکینہؑ کی نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے۔جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغراؑ
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغراؑ

اے نور بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا
تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز صبر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمہیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منھ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبر
اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر
وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نے بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
میں کون ہوں جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
زلفیں جو اُلجھتیں تو وہ سُلجھانے کو آتے
کل تک تو مرے حال پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباس دلاور
میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبیر
شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دولھا نے منھ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور
ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور
دُنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیر
تو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
مُنھ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا مُنھ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بُلاؤ علی اصغر کو بھی لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
روٹھی ہے بہن تم سے گلے اُس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے اُنھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے کی یہ پیار کی تقریر　　کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھ کے وہ دلگیر　　محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی　　بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی
رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے　　تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے　　کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی　　بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو کہیں سامان　　حق دار ہوں میں نیگ کا میرے بھی ہے بھیا
اور مرگئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارماں　　لے آنا دلہن کو مری تربت پہ میں قرباں
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی　　حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دیجیو بھائی
پیارے مرے بھیّا مرے مہرو علی اکبرؑ　　چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ　　ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمہیں ہر سو علی اکبرؑ
دل سینے میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا　　جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہے گا

کیا گزرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی　　کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤ گے بھائی　　کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغِ سحری ہیں　　تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں
ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا　　صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیّا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا　　ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری　　وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہیں زنہار　　دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
قبلے کی طرف کون کرے گا رُخ بیمار　　یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار
سانس اُکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی　　میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کروں گی
ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قرباں　　گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جاں
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہباں　　صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آں
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا　　کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس شہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
تم جانتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سُنی درد کی گفتار
لے لیکے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
دنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغراؑ
عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغراؑ کو دوبارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پُرنم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فرّاشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دوسرا کے
لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو تو اُتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں

عباسؑ علی سے علی اکبرؑ نے کہا تب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل میں چڑھیں سب
گھر میں مرے زہراؑ کی جگہ بنت علیؑ ہے
آپہونچی جو ناقے کے قریں دختر حیدرؑ
فضّہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے

اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سُن کے تمھاری
آ آ مرے ننھّے سے مسافر ترے واری
اصغرؑ میری آواز کو پہچان گئے تم
تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
رکھ لوں تمھیں امّاں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
تم ہو سو تمھیں طاقت گفتار نہیں ہے

صغراؑ کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اکبار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغراؑ
چلنے کے لیے قافلہ تیّار ہے آقا!
اُٹھے شہ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار
شقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے
آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینبؑ
حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبرؐ
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

اک دن، تو مہیّا تھا یہ سامانِ سواری
اک روز تھا وہ گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا، نہ ہودج نہ کجاوہ نہ عماری
بے پردہ تھی وہ حیدرِؑ کرار کی پیاری
ننھّے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہراؑ
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیّدِ والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا
عباسؑ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولؐ عربی پر

ہے قبر پہ نانا کی مقدّم مجھے جانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
امّاں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا
اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے
تربت سے صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

میں اک تنِ تنہا ہوں ستمگار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ
یاں قید کی ہے فکر، واں قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر
خونریزی کو کعبے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک
ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاکؐ
جنبش جو ہوئی قبر کو تھرّا گئے افلاک
کانپی جو زمیں صحنِ مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح
تو شہر سے جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح
بے تیغ کیا خنجر غم نے ترے مذبوح
ہے کشتیِ اُمت پہ تباہی کہ چلا نوحؑ
افلاک امامت کا تجھے بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

مارا گیا جس روز سے شبیرؑ مرا پیارا
اُس روز سے ٹکڑے ہے کلیجہ مرا سارا
اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا
اُمت نے کیا پاس ادب خوب ہمارا
زہرؑا کی جو بستی کو اُجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اُکھاڑیں تو عجب کیا

اس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے
واں سے جو اُٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے ترے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اُسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری
گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
کہتے تھے کہ اے احمدؐ مختار کی پیاری
تم پاس ہو تربت ہے بہت دور ہماری
گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہرؑا
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہرؑا

میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
نے سر پہ عمامہ ہے نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنت پیمبرؐ
مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبیرؑ کا مقتل
وہ نہرِ فرات اور کئی کوس کا جنگل
وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل
دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل
شبیرؑ کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کو محرّم کی چھُری مجھ پہ چلے گی

سُن کر یہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی
رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
ہاں والدہ سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی
پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہ دیں نے
نانا کو خبر دی تھی مری روحِ امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربت شبیرؑ
اُس قبر سے لپٹے بہ محبت شہ صفدر
چلائے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے برادر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسّر
قبریں بھی جُدا ہیں اے افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم
رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم
چلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِؐ عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

جب اُٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم
سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یونہی ماتم
تھا رحلتِ شبرؑ میں محبّوں کو یہی غم
بس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ
اب پنجتنؑ پاک سے خالی ہے مدینہ

چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری
لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری
مضطر تھے اپاہج ضُعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا ہم کو غنی کون کرے گا
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت
پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں اُنھیں دیدے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ
پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اُٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغراؑ کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
عابدؑ کی طرف خانۂ اللہ سدھارے
اُترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبے کی زمیں نورِ خدا سے
مکّے نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جُھک جُھک کے ملے سبطِ پیمبرؐ غربا سے
آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خوبو ہے نواسے میں نبیؐ کے

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایّام
کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتمِ ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار
ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں نظر آجاتی تھیں صحرا میں جو دو چار
فرماتے تھے شہ فاعتبروا یا اولی الابصار
جز خاک نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

احباب کہیں گھر ہے کہیں آپ کہیں ہیں
آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیرِ زمیں ہیں
خالی ہیں مکاں آپ تہِ خاک مکیں ہیں
جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہونچے نہ وطن میں
کیا منھ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

باتیں تھیں یہی پاس کی اور دور کی تقریر
منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبّیر
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوئے رہگیر
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

ملتا تھا کوئی مرد مسافر جو سرِ راہ
یوں پوچھتے تھے اس سے بحسرت شہِ ذیجاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ
اک نہر سوا جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ
کیا ملتا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں وہ صحرا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک
ہے سخت پُر اندوہ وہ صحرا تہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک
سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت نہ غنی کی

چلّاتی ہے عورت کوئی ہے ہے مرے فرزند
اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دلبند
پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

اک شیر ترائی میں یہ چلّاتا ہے دن رات
کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے ہیہات
کیا حال کہوں نہر کا اے شاہ خوش اوقات
پانی تو نہیں شور پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

اس جا نہ اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہ گیر
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر
اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

اُس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
عاشق پہ بلا بعدِ بلا آتی ہے ہردم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے پیٹے حرمِ شاہ
ہوگا وہی اللہ کو جو مدِ نظر ہے

وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
روتے تھے بہن کے لیے عباسؑ خوش اقبال
پوچھو تو کدھر وہ مرے پیارے گئے دونوں
محمل تھے سب اُس بی بی کی ہودج کے برابر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر
کیوں پیٹتی ہو کون جدا ہو گیا امّاں

اُس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیرؑ میں دیکھا
خویش و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے
یہ چاند مبارک ہو ید اللہ کے جائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا

حضرت یہ دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات
سر دینے کا مشتاق ہوں عالم ہے تری ذات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
پہونچا دے مجھے جلدی سے اے خالقِ افلاک
طالب ہے ترے قرب کا سبطِ شہِ لولاک
بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو

اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اُسے ہم
غم اور بڑھا وصل کا عرصہ جو رہا کم
مسلمؑ کی شہادت کی خبر راہ میں آئی
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
فرماتے تھے شہ سب کو ہے درپیش یہی راہ
آج ان کا ہوا کوچ کل اپنا بھی سفر ہے

محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
فرماتے تھے شبیرؑ کہ مارے گئے دونوں
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی خواہر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا امّاں

کھانا کئی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
جو چاند محرّم کا فلک پر نظر آیا
منھ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا
مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
کفّار پہ تو فتح اِسی چاند میں پائے
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

کر رحم گنہگاروں پہ اے قاضیِ حاجات
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں
اُس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
نے مُلک کی خواہش ہے نہ درکار ہے املاک
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

اتنے میں یہ فضہ علی اکبرؑ کو پکاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری
آئے تو رخِ اکبرؑ ذیقدر کو دیکھوں
شہ داخل خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہؑ کے ماہ
سر تن سے مرا اس مہِ پُر غم میں کٹے گا
یہ آلِ نبیؐ کی ہے مصیبت کا مہینا
پہونچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
یہ بارِ امامت مری گردن سے اُتر جائے
گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ ہمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکرِ شبیرؑ
برچھی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
خیمے کو جلا دیں گے لُٹے گا زر و زیور
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر
گُھڑکیں گے ستمگار جو رووے گی سکینہؑ
دولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہوئے گا پامال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال
معصوموں کی سونے کی جگہ پائیں گی خالی
اس عشرۂ اوّل میں نہ ہوئیں گے بہن ہم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبؑ پُر غم
دیکھو گی نہ پھر منھ علی اکبرؑ سے پسر کا
رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن
بھولیں ہمیں ایسے نہیں غمخوار ہمارے

لو دیکھ چکیں چاند یداللہ کی پیاری
آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری
شکل مہِ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں
منھ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنتِ یداللہ
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ذیجاہ
زینبؑ یہ مہینہ تمہیں ماتم میں کٹے گا
یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدّت کا مہینا
ہو خاتمہ بالخیر جو سر تن سے اُتر جائے
چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
نیزہ کوئی کھائے گا کلیجے پہ کوئی تیر
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی
اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ مادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرر
اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہؑ
پیٹے گی کوئی تازہ دولھن کھولے ہوئے بال
نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرے لال
بچّوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی
تاریخِ سفر ہے دہم ماہِ محرّم
جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گا بے دم
اب شام میں ہوئے گا تمہیں چاند سفر کا
ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
اکبرؑ کو جواں روئیں گے معصوموں کو کم سن
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینبؑ پُر غم
خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم
خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا
اُترے اُسی میدانِ بلاخیز میں سرورؑ
استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی
خامے کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفّار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار
غیر از غمِ شہ ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

رباعی

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا
مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل
اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

رباعی

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ
سردارِ امم مثلِ محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہِ عشق
حقّا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

رباعی

واحد ہے جو عبد نیک نام اُس کا ہوں
یکتا ہے جو مدّاح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیسؔ
قنبر کا جو مولا ہے غلام اُس کا ہوں

۳ مرثیہ

بند ۲۴۷

جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی
فرمایا کہ لو راہ بس اب ملکِ عدم کی
جوں قبلہ نما قصد جدھر کرتے ہیں شبیرؑ
کہتے تھے بصد درد کہ اے کعبۂ داور
ملتی نہیں سیّد کو اماں وائے مقدّر
دوری ہوئی اس گھر سے بس اب دل کو یقیں ہے
اے رکن و مقام اب ہے مرا کوچ جہاں سے
اس دشت میں مشتاقِ قضا جاتا ہوں یاں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب
اک جام دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
اے کوہِ صفا دل ہے مکدّر ترے غم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے
سب نعل مرے گردِ غریبی سے اٹیں گے
پھر قبرِ محمدّ کی طرف پڑھ کے زیارت
کعبے میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
ملجا ہے نہ منجی ہے نہ مامن نہ مفر ہے
تلواریں ہیں جلّادوں کی اور اک مرا سر ہے
توڑیں اُنھیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے

اُس کعبۂ ایماں پہ گھٹا چھا گئی غم کی
بطحا سے چلی فوج شہنشاہِ اُمم کی
پھر پھر کے سوئے کعبہ نظر کرتے ہیں شبیرؑ
اب تجھ سے جدا ہوتا ہے فرزندِ پیمبرؐ
جاتا ہوں سوئے گور سراسیمہ و مضطر
قربانیٔ شبیرؑ کا ہنگام قریب ہے
چھٹتا ہے مکیں خالقِ اکبر کے مکاں سے
ٹکڑے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
راضی ہوں خداوندِ دو عالم کی رضا پر
رخصت ہے مری اے حجر و منبر و محراب
دریا پہ لعیں ذبح کریں گے مجھے بے آب
چاہیں گے کنووں سے بھی تو پانی نہ ملے گا
صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ الم سے
قسمت لیے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
گرمی کے یہ دن بچّوں پہ سختی سے کٹیں گے
کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
آزار پہ باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے
غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

نانا مجھے رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا
جنگل میں بھی بستی کا بسانا نہیں ملتا
آٹھ آٹھ پہر بچّوں کو کھانا نہیں ملتا
پانی کہیں ملتا ہے تو دانا نہیں ملتا
مہلت نہیں اتنی کہ میں سائے میں کھڑا ہوں
حضرت سے جدا ہو کے تباہی میں پڑا ہوں

دنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہِ ابرار
اک خانۂ حق ایک درِ احمدؐ مختار
بے خوف یہاں آکے جو مخفی ہو گنہگار
کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اُس کو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیے مامن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینے کے ادھر مجھ کو ستایا
میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلّادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا
میں دھوپ میں ہوں جب سے اُٹھا آپ کا سایا
حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

فریاد ہے راحت مجھے مولا نہیں ملتی
اک خیمہ بپا کرنے کی بھی جا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی
دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی
راحت مری اُمت ہی کو منظور نہیں ہے
مٹی بھی نہ دیں مجھ کو تو کچھ دور نہیں ہے

میں بچوں کو لیکر کدھر اس شہر سے جاؤں
کس دشت میں اس آپ کی بستی کو بساؤں
سیدانیوں کو کونسے پردے میں چھپاؤں
مخفی ہوں اگر قبر کا گوشہ کہیں پاؤں
کب دن میں کئی بار اُسے غش نہیں آتا
زینبؑ کا ہے وہ حال کہ دیکھا نہیں جاتا

بانوِ غمِ صغراؑ میں بکا کرتی ہے دن رات
تلخی میں بسر ہوتی ہے مولا مری اوقات
سہمی ہے سکینہؑ بہت اے قبلۂ حاجات
رو دیتی ہے مجھ سے بھی جو کرتی ہے کوئی بات
ساتھ اُس کے زمانہ سے گزر جاؤں گا میں بھی
یہ مر گئی غربت میں تو مر جاؤں گا میں بھی

تا شام تو لو چلتی ہے جنگل میں سحر سے
کم دودھ ہے بانوؑ کا صعوباتِ سفر سے
چلّاتی ہے برسا کے لہو دیدۂ تر سے
بچّی میں تجھے ڈھونڈ کے لے آؤں کدھر سے
پہلو میں تری پاتی ہوں خوشبو نہیں صغراؑ
افسوس کہ سب ساتھ ہیں پر تو نہیں صغراؑ

یہ کہہ کے روانا ہوا وہ خاصۂ باری
گویا کہ بیاباں میں چلی بادِ بہاری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری
فیاض نے صحرا کی بھی کی کاربراری
مہکے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے لیے جھولی میں نسیمِ ختن آئی

اونٹوں کو بھی تھا وجد حدی خواں کی صدا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یادِ خدا سے
صحرا بھا دم ظہر کہ دامن تھا جبل کا
وحشت کو فراموش کیے دشت کے آہو
غل تھا پسرِ شیرِ الٰہی ہے یہ مہرو
رُخ ماہ دو ہفتہ ہے تو قد سروِ سہی ہے

کچھ دن سے اُترتے تھے جہاں سیّدِ ابرار
اُردو میں دکانیں جو لگاتے تھے دکاں دار
زینت میں فروشندوں کے ثابت قدمی تھی
کھولے ہوئے پر کہتے تھے شاہین ترازو
سُن لے جو فروشندہ ہے سنجیدہ و خوشخو
اک فصل میں اس جنس کے عقدے بھی کھلیں گے

قریوں سے زیارت کو جو آجاتی تھی خلقت
یکساں تھی ہر اک پر نظرِ لطف و عنایت
ہر عاجز و بیکس کی مدد کرتے تھے مولا
عقدے تھے اگر حل انھیں کر دیتے تھے حضرت
بے برگ درختوں کو ثمر دیتے تھے حضرت
پھل اُس کو دیے جس کو برومند نہ دیکھا

کافر بھی جو آیا اُسے دی دولتِ ایماں
تھا مصحفِ ناطق کی طرح خلق پہ احساں
وہ کونسا عاجز ہے جو کچھ پا نہیں جاتا
جس دشت میں اُس سروِ رواں کے قدم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ اُمم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا

گھوڑے بھی تراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
صاف آتی تھی تکبیر کی آوازِ درا سے
غل ہوتا تھا اک حیَّ علیٰ خیرِ عمل کا
تکتے تھے بہ حسرت طرفِ سیّدِ خوشخو
خوشبو میں بہ از مشکِ خطا ہیں یہی گیسو
دے آئی تھی بچہ جسے ہرنی وہ یہی ہے

ہو جاتی تھیں تاریک شبیں مطلعِ انوار
آراستہ ہو جاتا تھا اک چھوٹا سا بازار
پانی کا نہ تھا قحط نہ غلّے کی کمی تھی
پلّے ہوں برابر کہ یہ عادل کا ہے اُردو
ظاہر ہے جو میزاں میں ہوا فرق سرِ مو
اعمال یوہیں عدل کی میزاں میں تلیں گے

کرسی پہ نکل بیٹھتے تھے خیمے سے حضرت
محتاجوں سے باتیں تھیں غریبوں سے محبت
درویش کا ہدیہ بھی نہ رد کرتے تھے مولا
خالی تھے جو دامن انھیں بھر دیتے تھے حضرت
لاتا کوئی دو پھول تو زر دیتے تھے حضرت
فیّاض کی مٹھی کو کبھی بند نہ دیکھا

بے زاد مسافر تھا ہر اک آپ کا مہماں
منزل کوئی بے فیض نہ تھی صورتِ قرآں
دریا پہ جو آتا ہے وہ پیاسا نہیں جاتا
پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
جس طرح برستا ہوا ابرِ کرم آئے
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

سب کہتے تھے اے احمدؐ مختار کے جائے
کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا اِدھر آئے
فرماتے تھے شبیرؑ کہ ہم رہنے نہ پائے
یوں کوئی مسلماں نہ مسلماں کو ستائے
مہمانئ تیغ و تبر و تیر ہوئی تھی
تدبیرِ گرفتاریِ شبیرؑ ہوئی تھی

گر دستِ ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار
چلتی حرمِ حضرتِ معبود میں تلوار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباسؑ خوش اطوار
باندھے رہے تا صبح سرِ شام سے ہتھیار
بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رکتے
سنے مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رکتے

کہتے تھے یہ شمشیرِ دو دم تول کے ہر بار
شیروں کے پسر بھی کہیں ہوتے ہیں گرفتار
پاس اس کا نہ ہوگا کہ یہ ہے خانۂ غفار
کر دوں ابھی تا کوہِ صفا لاشوں کے انبار
یوں قتل ہو سب فوج لڑائی کی بنا میں
جس طرح گلے کٹتے ہیں دُنبوں کے مِنا میں

ہونٹوں کو چباتے تھے علی اکبرؑ گلفام
تھرّا رہا تھا غیظ سے قاسمؑ کا بھی اندام
زینبؑ کے پسر کہتے تھے تولے ہوئے صمصام
اب کعبے سے (ٹلتے ہی چلے جائیں گے تا شام)
تلواریں پکڑ کر جو لعینوں پہ جھکیں گے
روکیں گے جو آقا بھی تو پھر ہم نہ رکیں گے

جھنجلائے ہوئے مسلمِ ذی جاہ کے دلدار
ایک ایک سے کرتے تھے تفحص یہی ہر بار
آئے ہیں جو چھپ کر پئے قتلِ شہِ ابرار
بتلاؤ تو کس قافلے میں ہیں وہ ستمگار
پائیں تو چیریں قلب جگر کاٹ کے اُن کے
کوفے میں ابھی بھیج دیں سر کاٹ کے اُن کے

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد
حرمت حرمِ کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہ کی اولاد
حاضر تھا میں۔ گر سر بھی مرا کاٹتے جلاد
پھیلے جو فساد۔ آہ! اُدھر سے نہ نکلتا
مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

راضی ہوں کہ اُس بن میں کٹے تن سے مرا سر
جس بن میں نہ پانی ہو نہ دانہ ہو میسّر
کچھ غم نہیں لاشے کو کفن بھی نہ ملے گر
پر خوں نہ مسلمانوں کا ہو یاں کی زمیں پر
معلوم ہے سب کو کہ یہ وہ پاک زمیں ہے
پشّے کے ستانے کا جہاں حکم نہیں ہے

کس کو نہیں معلوم تہِ چرخِ مقرنس
مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی میں ایسا ہوا بے بس
مقدور یہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بیکس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

جس گھر کو بتوں سے اسدِ حق نے کیا پاک
جانے نہیں دیتے اسی گھر میں ہمیں سفاک
بدعت سے لعینوں کی کلیجہ ہے مرا چاک
شاید میں نہیں لختِ دلِ سیدِ لولاک
قابض ہوئے ہیں گھر پہ خداوند احد کے
جانے نہ دیا مجھ کو مصلے پہ بھی جد کے

کعبہ جو حقیقت میں ہے لاریب وہ میں ہوں
ہاں جس کے لیے ہے مددِ غیب وہ میں ہوں
جس میں نہیں دُنیا کا کوئی عیب وہ میں ہوں
معصوم ہے طفلی سے جو تا شیب وہ میں ہوں
اوج اُن کے ہیں جو اوجِ سعادت کے ہما ہیں
کعبہ بھی ہمیں سے ہے ہمیں قبلہ نما ہیں

عالم ہیں سب اس کے کہ میں خود کعبۂ دیں ہوں
حق مجھ سے ہے نزدیک تو میں حق سے قریں ہوں
شاہد فلک اس کا ہے کہ مختار زمیں ہوں
کعبے کی طرح خاتمِ دُنیا کا نگیں ہوں
سمجھے وہی اس رمز کو جو حق کی طرف ہے
حج سے بھی سوا میری زیارت کا شرف ہے

سب حج کے مراتب ہیں زیارت میں ہماری
حاجی ہیں جو ہیں محو محبت میں ہماری
ناجی ہے جو مرتا ہے اطاعت میں ہماری
بگڑا بھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
ہم جس سے پھرے سب کی نگاہوں سے گرا وہ
جو ہم سے پھرا کعبۂ ایماں سے پھرا وہ

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی
قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرورِ عالی
مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اُس کا ہے رُخ آپ کا جس دِہ کی طرف ہو
عزت ہو جو مُردوں کی تو زندوں کا شرف ہو

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پُر آب
میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے اسباب
باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دیدینے میں صرفہ نہ کریں گے

گھر چھوڑ کے اب آپ کہاں جاتے ہیں مولا
یہ کیا ہے جو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں مولا
خادم انھیں قدموں سے شرف پاتے ہیں مولا
سب آپ کا صدقہ ہے جو ہم کھاتے ہیں مولا
خالی ہو جو دُنیا قدمِ سرورِ دیں سے
دانہ کبھی برسوں میں نہ پیدا ہو زمیں سے

رکھے جو قدم اس پہ امامِ دوسرا نے
بخشی برکت خاک کے طبقے کو خدا نے
اک دانے کو سو سو جو خدا دیتا ہے دانے
بینا ہے تو سمجھے اسے دانا ہو تو جانے
جو دل سے بھلا دیتا ہے حق آلِ نبیؐ کے
بجلی بھی جو گرتی ہے تو خرمن پہ اُسی کے

اللہ نے چشمے جو کیے خلق میں جاری
سب ہے یہ کرم آپ کا اے خاصۂ باری
منھ آپ پھرا لیں تو زمیں خشک ہو ساری
صحرا کی طرف رُخ نہ کرے ابرِ بہاری
باغوں میں کوئی پھول نہ پتّا نظر آئے
کوسوں کہیں جنگل میں نہ سبزا نظر آئے

یہ عجز یہ الطاف ہے اس جاہ و حشم پر
وہ قطع ہو جو ہاتھ اُٹھے شاہِ اُمم پر
تنہا یہ ترحّم یہ عنایت نہیں ہم پر
مہماں ہیں دُنیا میں سب اس خوانِ کرم پر
نور آپ جو بخشیں تو ستارے بھی قمر ہوں
اس گھر کے طفیلی ہیں ملک ہوں کہ بشر ہوں

وہ کون ہے ان ہاتھوں سے جو پا نہیں جاتا
خالی کوئی اللہ کا بندا نہیں جاتا
گھر اُس کے پہونچتا ہے جو کچھ کھا نہیں جاتا
دشمن بھی جو آتا ہے تو بھوکا نہیں جاتا
درباں کوئی روکے یہ وہ سرکار نہیں ہے
کافر ہے جو اس گھر کا نمک خوار نہیں ہے

گھر جتنے ہیں مولا کے غلاموں کے وہ گھر ہیں
کھینچے کوئی تلوار تو ہم سینہ سپر ہیں
ہم بندے ہیں اور آپ محمدؐ کے پسر ہیں
جانیں ہیں تصدّق تو فدا قدموں پہ سر ہیں
اشراف ہیں صادق ہیں وفادار ہیں مولا
اس دہ کے زن و مرد حیادار ہیں مولا

عورات بھی ہیں فاطمہؑ کے نام پہ قربان
کیا دخترِ زہراؑ کی زیارت کا ہے ارمان
فخر اُس کا نبی زادہ ہو جس قوم کا مہمان
فضّہ کو بھی تکلیف نہ ہو اُن کو ہو یہ دھیان
ہو گا وہی شہزادیاں جو مُنھ سے کہیں گی
سب بی بیاں زینبؑ کی کنیزی میں رہیں گی

فرماتے تھے حضرت تمھیں خالق رکھے آباد
دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بیکس و ناشاد
روؤگے مفصّل جو سُنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

جائے گا اُسی سمت یہ مظلوم مسافر
منزل جو ازل سے ہے معیّن مری خاطر
بستی ہو کہ جنگل وہی حافظ وہی ناصر
آتا ہے محرّم یہ مہینا بھی ہے آخر
کھُل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبیؐ پر
قصّہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

ہر چند کہ لُوں چلتی ہے اُٹھتے ہیں بگولے
اشجارِ خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
پڑ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھو لے
تم لوگوں کی ایسی نہیں اُلفت کہ جو بھولے
موت آئی تو بَر میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آکے رہیں گے

ان سب سے یہ فرما کے چلے سیّد ابرار
پھر تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار
گرمی تھی کہ تھے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے
اُس بن میں چلے جاتے تھے مولائے خوش اطوار

پہونچے جو قریبِ فرس سیّدِ ابرار
پیدا تھا غم و درد و الم اُس کی صدا سے
قربان کبھی ہوتی تھی شہِ عرش نشیں پر
رکھتی تھی اُٹھا کر کبھی سُم دامن زیں پر

پایا تھا زبس عقدہ کشا اہلِ عبا کو
نزدیک تھے بیٹے جو کئی شیر خدا کے
ہنس دیتے تھے شہ ہاتھ کو ماتھے پہ پھرا کے
علم اُس کا کسی اور کو کیوں کر ہو جہاں میں

عباسؑ سے ارشاد کیا آپ نے مڑ کر
اُس شیر نے کی عرض کہ اے نائبِ حیدرؑ
سمجھے یہ زباں وہ جو امام دو جہاں ہو
جنات ہوں، احرار ہوا ہوں کہ دد و دام

اک بات میں بن جاتے ہیں بگڑے ہوئے سب کام
سب اس در دولت پہ جھکائے ہوئے سر ہیں
مور و ملخ و گرگ و غزال و فرس و شیر
کی جس نے جفا اُس پہ چلی عدل کی شمشیر

بچ بچ گئے یاں ذبح سے جاں دار ہزاروں
دیکھے کوئی ہرنی کو نہ وحشت ہے نہ رم ہے
اخلاق حسنؑ ہے تو محمدؐ کا کرم ہے
اللہ رے شرف سبطِ رسولِ دوسرا کے

روتے ہوئے بستی میں گئے اپنی وہ دیندار
بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے
ہرنی ہوئی اک دور سے ناگاہ نمودار

ہاتھوں کو زمیں پر وہ ٹپکنے لگی ہر بار
کچھ کہتی تھی گویا پسرِ شیر خدا سے
جھک کر کبھی ماتھے کو رگڑتی تھی زمیں پر
آنکھیں کبھی ملتی تھی وہ پائے شہِ دیں پر

ہونٹوں سے پکڑ لیتی تھی دامانِ قبا کو
ایک ایک کا منھ تکتی تھی وحشت میں وہ آ کے
رم کرتی نہ تھی خلق کے سرتاج کو پا کے
کچھ کہتے تھے حضرت اُسی ہرنی کی زباں میں

تم جانتے ہو مجھ سے جو کہتی ہے یہ مضطر
جانے کوئی کیا غیرِ دل و جانِ پیمبرؐ
عقدہ یہ وہ کھولے جو سلیمانِ زماں ہو
دم بھرتے ہیں مولا کی عطا کا سحر و شام

عالم کا وسیلہ ہیں شہنشاہ خوش انجام
دنیا میں اگر ہیں متمرد تو بشر ہیں
سب آتے ہیں جب ہوتا ہے کچھ خلق میں اندھیر
فریاد رسی میں کبھی حضرت نے نہ کی دیر

چھُٹ چھُٹ گئے مرغانِ گرفتار ہزاروں
پہچانتے ہیں سب کہ یہ آہوئے حرم ہے
زائل نہیں ہوتا ہے وہ جو کچھ جسے غم ہے
مالک تو خدائی کے ہیں بندے ہیں خدا کے

مظلوم کو دُنیا میں ملی داد اِسی گھر سے
احرار ہوا بھی ہوئے آزاد اسی گھر سے
کھاتا ہے طمانچہ جو دلیر آتا ہے مولا
اے لختِ دلِ قاضی شہباز و کبوتر
مولائے جہاں نورِ خدا سبطِ پیمبرؐ
ظالم کو سزائے شر و بیداد ملے گی
فرمایا خدا دے نہ کسی کو غمِ اولاد
کہتی ہے کہ اس دشت میں مجھ پر ہوئی بیداد
بے کل ہوں طبیعت مری جینے سے ہٹی ہے
مِلتا نہیں حضرت مرے بچّے کا ٹھکانا
سوجھے مجھے کس طرح چراگاہ میں جانا
بیتاب ہے دل، خون ٹپکتا ہے جگر سے
جاں آئے جو کھوئے ہوئے بچّے کو میں پاؤں
صیاد کے گھر کس کے وسیلے سے میں جاؤں
جیتی رہوں یہ وہ ستم و جور نہیں ہے
اس رات کو باپ اُس کا سحر تک نہیں سویا
کہتا تھا کہ تو آپ ہے آرام کی جویا
جائے گی سحر کو تو اس آ کھر میں نہ آنا
کیوں تو نے سزا دور چلے جانے کی پائی
ساری یہ مصیبت تری غفلت نے دکھائی
چھوڑا تجھے جنگل سے الگ جا کے مروں گا
سایہ بھی نہیں دوپہر اب ڈھلتی ہے آقا
کب دیکھئے یہ سر سے بلا ٹلتی ہے آقا
فریاد اسی دشت پر آفت میں لُٹی ہوں

غمگین بھی جو آیا وہ گیا شاد اسی گھر سے
آہو کے بھی آنکھوں پہ ہوا صاد اسی گھر سے
اس در پہ دبکتا ہوا شیر آتا ہے مولا
حیوانوں کے قضیے یہیں فیصل ہوئے اکثر
دُنیا میں اگر ہے تو ہے عادل کا یہی گھر
فریاد کو آئی ہے تو یاں داد ملے گی
یاں آئی ہے فریاد کو یہ مضطر و ناشاد
مولا مرے بچّے کو پکڑ لے گیا جلّاد
آقا مجھے یہ رات تڑپنے میں کٹی ہے
پانی نہ بغیر اُس کے خوش آتا ہے نہ دانا
اندھیر ہے مولا مری آنکھوں میں زمانا
میں چوکڑی بھولی ہوئی ہوں چار پہر سے
کس دیس سے کس بن سے اُسے ڈھونڈھ کے لاؤں
شق چھاتیاں ہوتی ہیں کسے دودھ پلاؤں
اب تو کوئی بچہ بھی مرا اور نہیں ہے
ٹپکا کبھی سر کو کبھی تڑپا کبھی رویا
غافل ہوئی ایسی کہ جگر بند کو کھویا
بچہ نہ ملے گا تو مرے گھر میں نہ آنا
کیا کام ہے اب گھر میں مگر کس لیے آئی
یاں سے تو اُسے لے گئی اور ساتھ نہ لائی
اب سر کو پہاڑوں سے میں ٹکرا کے مروں گا
ہیں دھوپ میں آپ اور زمیں جلتی ہے آقا
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے آقا
بچّے سے بھی آہو سے بھی گھر سے بھی چھٹی ہوں

بن میں اُسے میں ڈھونڈھتی پھرتی تھی بصد یاس
جنگل میں ہے فخرِ خضرؑ و عیسےٰؑ و الیاسؑ
صحرا سے کہیں بادِ بہاری نہ نکل جائے
شہزادوں کو دُنیا میں سلامت رکھے اللہ
حیواں کو بھی دلبند کی ہوتی ہے بہت چاہ
بچھڑے ہوئے دلبر سے مجھے جلد ملا دے
دے گا مجھے صیّاد جو بچہ مرا لا کے
بچ جائے گا صدقے میں امامِ دوسرا کے
دم بھر بھی جو شکل اُس کی نظر آئے گی مولا
یہ سنتے ہی صیاد کے گھر پر گئے سرور
گھر سے نکل آیا وہ تو بولے شہِ صفدر
حسرت اِسے دودھ اُس کو پلانے کی بڑی ہے
صیّاد ہوا شہ کی طرف دیکھ کے ششدر
دوڑا گیا اور گود میں بچے کو اُٹھا کر
منھ بچّے کے چہرے سے ملانے لگی ہرنی
جب سیر ہوا دودھ سے مادر کے وہ بچّا
صیّاد سے فرمانے لگے سیدِ والا
جس چیز کی خواہش ہو ابھی تجھ کو منگا دوں
دُنیا میں بشر دل کو کسی کے نہ ستائے
کیا جانیے کب کوچ ہو کس دم اجل آئے
ربِّ دوجہاں گھر ترا آباد رکھے گا
منظورِ نظر ہے کہ نہ غمگین ہو یہ حیواں
میں اور مرا گھر آپ کے الطاف پہ قرباں
بس اب مری جانب نہ بحسرت نگراں ہو

اک آہوئے صحرا نے کہا کچھ نہیں وسواس
فریادی ہو جا کر پسرِ فاطمہؑ کے پاس
جا جلد کہ مولا کی سواری نہ نکل جائے
اولاد کی اُلفت سے تو خوب آپ ہیں آگاہ
للہ مدد کر مری اے ابنِ یداللہ
اصغرؑ کا تصدق مرے بچّے کو دلا دے
میں پیار کروں گی اُسے چھاتی سے لگا کے
دے دوں گی اسی شخص کو پھر دودھ پلا کے
تسکین تو کچھ قلب کو ہو جائے گی مولا
ہرنی بھی گئی ساتھ سراسیمہ و مضطر
اُس بچۂ آہو کو یہاں چھوڑ دے لا کر
بچہ وہ اسی کا ہے یہ ہرنی جو کھڑی ہے
دل میں کہا مقبول ہے یہ بندۂ داور
لایا تو اُسے چھوڑ دیا ماں کے برابر
بو سونگھ کے دودھ اُس کو پلانے لگی ہرنی
ہرنی نے اُسے چھوڑ کے مُنھ شاہ کا دیکھا
دے بچۂ آہو مجھے اور لے عوض اس کا
بچّہ اسے دیدوں تجھے بخشش کی دعا دوں
لازم ہے کہ پاک آیا ہے اور پاک ہی جائے
ہم خوش ہوئے تو حق سے جزا خیر کی پائے
بھائی ترے بچّوں کو خدا شاد رکھے گا
بولا وہ کہ بخشا اسے میں نے بدل و جاں
ہرنی سے یہ فرمانے لگے سرورِ ذیشاں
لے بچّے کو لے کر طرفِ دشت رواں ہو

آنکھوں سے لگا کر قدمِ سیّدِ ابرار
بچہ لیے راہی ہوئی ہرنی سوئے کہسار
کچھ بولتی جاتی تھی مگر راہ میں ہر بار
سب نے کہا کیا کہتی ہے اب یہ جگر افگار
فرمایا عوض خیر کا ہے خیر جہاں میں
دیتی ہے دعائیں یہ مجھے اپنی زباں میں

کہتی ہے کہ اے احمدِ مختار کے جائے
خالق ترے بچھڑے ہوؤں کو تجھ سے ملائے
اللہ سے تو اس کی جزا خلق میں پائے
غربت میں بلا کچھ ترے بچوں پہ نہ آئے
ہے لطف و کرم ختم گھرانے پہ علیؑ کے
قربان غزالِ حرمِ لَم یَزَلی کے

کیوں اہلِ عزا رحم کا حضرت کے سنا حال
حیواں پہ بھی کرتا تھا کرم فاطمہؑ کا لال
مارے گئے کس ظلم سے اُس شاہ کے اطفال
نازک کئی بچے صفتِ گل ہوئے پامال
اکبرؑ تو جواں تھا اُسے شمشیر سے مارا
اصغرؑ کی خطا کیا تھی جسے تیر سے مارا

کیسے وہ مسلماں تھے کہ کچھ رحم نہ آیا
بے شیر کو مرتے ہوئے پانی نہ پلایا
حضرت نے تو یوں بچۂ آہو کو بچایا
زنداں سے سکینہ کو کسی نے نہ چھڑایا
بسمل سی تڑپتی رہی وہ قیدِ محن میں
مر جانے پہ بھی ننھی سی گردن تھی رسن میں

اعجاز اسی طرح دکھاتے ہوئے شبیرؑ
جاتے تھے بصد شوق سوئے نیزہ و شمشیر
گر شام کو ٹھہرے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
ہر دم یہ دعائیں تھیں کہ اے مالکِ تقدیر
کشتی مری طوفاں میں ہے۔ ساحل نظر آئے
مشتاق ہے دل جس کا وہ منزل نظر آئے

خورشیدِ درخشانِ امامت ہے سفر میں
گردش اُسے آتی ہے نظر دورِ قمر میں
احبابِ وطن پھرتے ہیں حضرت کی نظر میں
صغراؑ کے بچھڑ جانے کا ہے درد جگر میں
تشویش سے منھ قافلے والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسفِ زہرا کو قلق ہے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں
یہ دھوپ میں حدّت تھی کہ جلتی تھی نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے کا جو چاہیں
اُٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منھ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

چہروں پہ جوانانِ علیؑ روکے تھے ڈھالیں
لو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں
دھوپ اُن پہ جنھیں سائے میں سیدانیاں پالیں
اللہ ری تب و تابِ بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

مخفی تھے شرر شدّت گرما سے حجر میں — جلتی تھی یہ لوں آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نہ سجر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں — جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتّے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے — سُوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے — ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے — دھڑکا تھا کہ یہ لُوں کسی بچّے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے — اودے تھے لبِ لعل سکینہؑ کے عطش سے

تھا مہر کی حدّت سے یہ حالِ شہ ابرار — ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سُرخ تھے رخسار
تحمید میں جنباں تھے لب لعلِ گہر بار — بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملے گا — کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم — مُنھ سُرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم — فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھیں بھائی نہ ملے گی — جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یوں اکبرؑ مہرو تھے پسینے میں نہائے — جیسے تپِ محرق میں جواں کو عرق آئے
جب پھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے — ربِّ دو جہاں حشر کی گرمی سے بچائے
گزرے گا ہر اک دم تپش دل سے قلق میں — سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہوں گے عرق میں

حضرتؑ کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم — محمل میں گھُٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم — برسے گی یونہیں آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہیں ابرِ کرم آپ ۔ کرم کیجیے بابا — سایا کہیں مل جائے تو دم لیجیے بابا

سُن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ — کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس — دم گھُٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمھاری ہمیں منظور نہیں ہے — دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

قسمت نے نکالا ہے عجب فصل میں گھر سے — تم کیا ابھی واقف ہو صعوبات سفر سے
جو نازوں کی پالی کہ ہو نازک گل تر سے — گرمی میں وہ یوں سرد ہوا کے لیے ترسے
مجبور ہیں کچھ بن نہیں آتا ہے سکینہؑ — نیرنگ یہ سب چرخ دکھاتا ہے سکینہؑ

مشکیں لیے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ
جس طرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع لبِ سرِ چاہ
جنگل میں عطش کا تھا جو صدمہ کہ و مہ پر
بھرتا تھا دمِ سرد پریشاں کوئی ہو کے
بچتا تھا کوئی لوں سے ردا چہرے پہ رو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی

کہتے تھے قریب ناقوں کے آ کر شہِ ابرار
آندھی سے گھٹا ٹوپ اڑے جاتے ہیں ہر بار
رستہ یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے
محمل سے نظر کرکے یداللہ کی جائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی
کیا بن گئی جنگل میں امامِ دوسرا پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں جلیے
منھ دھوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے
ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو
غربت کی جفائیں یوہیں سہتے ہوئے دن رات
ہو جاتی تھی جس مردِ مسافر سے ملاقات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی

وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا
دوران کا ہے کچھ جن کو مروّت نہیں اصلا
ٹوٹا ہے فلک ظلم کا شیعوں کے سروں پر
اشراف ہیں جتنے وہ نکلتے نہیں گھر سے
ہو جاتی ہے جب شام تردّد ہیں سحر سے
یہ ظلم یہ بیداد نہیں اور کسی پر

بھر لاتے تھے پانی پئے فوجِ شہ ذیجاہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہوا خواہ
چہرے پہ چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر
دامن سے ہوا دیتا تھا منھ کو کوئی دھو کے
رکھ لیتا تھا سر پہ کوئی رومال بھگو کے
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
اے بنتِ یداللہ سکینہؑ سے خبردار
بچّوں کو چھپائے رہو لو آج بڑی ہے
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
فریاد بہن دھوپ میں سنولا گئے بھائی
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِّ خدا پر

دن کاٹیے سائے میں کہیں رات کو چلیے
لو چلتی ہے آفت کی پہاڑوں سے نکلیے
بچّہ کوئی گر لو لگ کے مر جائے تو کیا ہو
طے راہِ خدا کرتے تھے شبیرؑ خوش اوقات
گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
کوفے کی خبر ہے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

ہر سمت ہیں قصے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا
ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
جب دیکھیے دوڑیں چلی آتی ہیں گھروں پر
دروازے نہیں کھولتے لٹ جانے کے ڈر سے
سب کرتے ہیں سجدے کہ بلا ٹل گئی سر سے
مولا یہ تباہی ہے محبّانِ علیؑ پر

گھر گھرتے ہیں بستی میں یہ بدعت ہے یہ بیداد
پھرتے ہیں مکانوں کے مکیں مضطر و ناشاد
کوچے بھی اُجڑ جانے سے بے ربط ہوئے ہیں
کچھ خوف سے مخفی ہیں گرفتار ہیں کچھ لوگ
کوفے سے نکل جانے پہ تیار ہیں کچھ لوگ
بے جرم ستاتے ہیں محبّانِ علی کو
اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سنانیں بھی تبر بھی
گھبرا کے یہ اُس شخص سے بولے شہ مظلوم
ایسا نہ ہو رہ جائیں ملاقات سے محروم
بے قتل سواروں کو نہ آرام ملے گا
کوچوں میں منادی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
گھر میں کوئی مجرم کو چھپائے نہ خبردار
بچنے کا نہیں درپئے جاں دشمنِ دیں ہیں
آشوب ہے اُس شہر میں اے خلق کے سرتاج
کیا کیا شرفانانِ شبینہ کو ہیں محتاج
وہ خوش ہیں رعیت میں جو حاکم سے مِلے تھے
جس روز کہ ہانی کو ستم گار نے مارا
ایک ایک کا صدمے سے کلیجہ تھا دو پارا
دِل پھک رہے تھے آگ لگی تھی جگروں میں
جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مردِ مسافر
مُنھ بھائی کا تکتے تھے شہِ صابر و شاکر
کچھ شبہ نہ اس میں ہے نہ تشکیک ہے مولا

ویراں ہیں جو سو گھر تو کہیں ایک ہے آباد
حاکم ہے وہ مغرور کہ سُنتا نہیں فریاد
جو بھاگ گے تھے اُن سب کے مکاں ضبط ہوئے ہیں
بگڑے ہوے آوارہ پکار ہیں کچھ لوگ
کچھ قتل ہوئے ہیں بسرِ دار ہیں کچھ لوگ
غل ہے کہ چھپائے نہ کوئی گھر میں کسی کو
ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے کسیں پر
ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
رُخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے اِدھر بھی
بھائی تجھے مسلم کا بھی کچھ حال ہے معلوم
اُس نے کہا میں واں سے چلا تھا تو یہ تھی دھوم
مسلمؑ کا جو سر لاؤ تو انعام ملے گا
بھاگا ہے کل اک مسجدِ کوفہ سے گنہگار
آفت ہے محلّوں میں بپا۔ بند ہیں بازار
مسلمؑ کہیں پوشیدہ ہے فرزند کہیں ہیں
جو دیں کے ستوں تھے وہ مکاں ہو گئے تاراج
کل قتل ہوا وہ جو گرفتار ہوا آج
پرسش ہے کیا سوچ کے مسلمؑ سے ملے تھے
عبرت تھی غضب شہر لرزتا رہا سارا
نے ضبط کی طاقت تھی نہ فریاد کا یارا
فاقہ رہا دو روز محبّوں کے گھروں میں
خاموش کھڑے سنتے تھے سب یاور و ناصر
وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
جو کہتا ہے راہ رو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

مسلمؑ سے بس اب یاس ہے یا حضرتِ شبیرؑ
افسوس کہ پردیس میں بیوہ ہوئی ہمشیر
غدّار ہیں بدعہد ہیں مرتد ہیں وہ بے پیر
اب کونے میں چمکے گی یداللہ کی شمشیر
یہ معرکہ دیکھے گا وہ زندہ جو رہے گا
خوں تا بہ کمر دارِ امارہ میں بہے گا

پردیس میں ہونا تھا اُنھیں خاک کا پیوند
جو مرضیٔ حق! ہم ہیں بہر حال رضامند
ہر طرح گزر جائیں گے یہ بھی نفسِ چند
ہم ہوئیں کہ مسلمؑ ہوں برادر ہوں کہ فرزند
یاور ہیں تو کیا ہیں جو یگانے ہیں تو کیا ہیں
سب ناخنِ پائے شہِ والا پہ فدا ہیں

مسلمؑ کا خوشا اوج زہے بخت خہے رائے
زندہ ہو وہی راہِ محبت میں جو مر جائے
ایذا ابھی زیادہ ہوئی رُتبے بھی بڑے پائے
وہ کام کا ہے کام پہ مولا کے جو کام آئے
لاکھوں سے لڑے نام کیا تیغ زنی میں
داخل ہوئے دربارِ رسولِ عربیؐ میں

بھر کر نفسِ سرد بڑھے شاہ فلک جاہ
جلتا تھا جگر۔ قلب پہ تھا صدمۂ جانکاہ
مشہور یہ ہے عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ
پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے وہ راہ
منزل پہ بھی کچھ نوش نہ فرماتے تھے شبیرؑ
تشویش تھی ایسی کہ گھلے جاتے تھے شبیرؑ

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی
راہی ہوئے پھر دھوپ جو بالائے سر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی
جب آئی خبر راہ میں وحشت اثر آئی
مشتاق تھے جس کے۔ خبر آئی کہ موا وہ
جس دوست سے پوچھا یہ سُنا قتل ہوا وہ

ہانی کے لیے روئے عزیزوں سے فزوں تر
آنسو نہ تھما قتل کی اُفتاد کو سُن کر
اس طرح کیا ماتم عبداللہ یقطر
جس طرح سے روتا ہو برادر کو برادر
ہوتا ہے غریبوں کا تاسف غربا کو
روتے ہیں یوہیں اہلِ وفا اہلِ وفا کو

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں
آ پہونچی تھیں ہونٹوں پہ نبیؐ زادوں کی جانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں منہ خشک زبانیں
اللہ کے جو نور ہوں یوں خاک وہ چھانیں
یاں کونسی ایذا ہے جو درپے نہیں ہوتی
بے خارِ الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی

اس راہ میں سالک کوئی دم تھم نہیں سکتے
کہتے ہیں ملائک بھی کہ ہم تھم نہیں سکتے
گر ہاتھ بھی تھامے تو قدم تھم نہیں سکتے
سختی ہو کہ ارباب ہمم تھم نہیں سکتے
پھر راہ میں کس طرح ڈگے پاؤں کسی کا
جب قافلہ سالار نواسا ہو نبیؐ کا

جب منزلِ عاجز سے بڑھے سبطِ پیمبرؐ
دُنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر
ماتم ہو کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
رنگ اُڑ گیا رخساروں سے تھرّانے لگے شاہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ
لشکر پہ اُداسی تھی غریب الغربا کے
فرماتے تھے شبیرؑ مسافر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلا شک نہیں پایا
اللہ رے مسلمؑ کے جگر بندوں کی زاری
چلّاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری
بھڑکی ہے وہ آتش کہ جلاتی ہے جگر کو
اُس قافلے میں رونے کا اک شور ہوا جب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یارب
چلّاتی تھی کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
اصغرؑ کو لیے کہتی تھی بانوئے دل افگار
اے بی بیو صغراؑ کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو
زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلم تھی کھلے سر
چلتی ہے چھری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر
دُو بچوں کے دنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ غل تھا کہ حضرت نے کہا خیمے میں آکر
مسلمؑ سوئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے

آئی یہ مفصل خبرِ مسلمؑ بے پر
فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے سر
خندق میں تو لاش اُس کی ہے سر قلعے کے در میں
اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یرحمہٗ اللّٰہ
برپا ہوئے خیمے وہیں اُترے شہِ ذی جاہ
سب روتے تھے رونے پہ امامؑ دوسرا کے
مقتولِ جفا صابر و شاکر مرا بھائی
الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا
ہوش آیا کئی بار غش آیا کئی باری
کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
دُو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو
گھبرا گئے ناموسِ رسولِؐ عربی سب
دوڑی گئی سر کھولے درِ خیمہ پہ زینبؑ
کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو
میرا تو جگر منھ کو چلا آتا ہے ہر بار
یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپ کر شہِ ابرار
کیا کچھ مری بچّی کی خبر آئی ہے لوگو
کہتی تھی غضب ہو گیا اے شاہ کی خواہر
میں رانڈ ہوئی لٹ گیا کوفے میں مرا گھر
یہ ایلچیٔ شاہ کے مرنے کی خبر ہے
اے بیبیو بچھاؤ صفِ ماتم کو بچھا کر
مارا ستم ایجادوں نے تنہا انھیں پا کر
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

جس وقت یہ خیمے میں غضب کی خبر آئی ناموس محمدؐ میں قیامت نظر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کی چادر اتر آئی واں کوئی گئی پیٹتی کوئی ادھر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر سب پیٹتے تھے دختر مسلمؑ کے بیاں پر

وہ بین نبیؐ زادیوں کے اور وہ ماتم مقتول کی بیوہ کو غش آجاتا تھا ہر دم
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم ماتم میں رہے تین دن اس جا شہ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے بھائی کا سوم کر کے روانہ ہوئے واں سے

منزل پہ ادھر کوفے سے تھے سید ابرار جو اک تتق گرد اٹھا دشت سے اک بار
کچھ نیزوں کی نوکیں نظر آئیں تو کچھ اسوار اکبرؑ نے کہا فوج کی آمد کے ہیں آثار
گھوڑوں سے زمیں ہلتی ہے اک شور بپا ہے آوازیں یہ زرہوں کی ہیں ٹاپوں کی صدا ہے

عباسؑ نے کی عرض کہ ہم دیکھنے جائیں ارشاد ہو مولا کا تو یہ آنے نہ پائیں
فرمایا یہ کیا ہیں جنھیں ہم دھیان میں لائیں جاتے ہیں تو جائیں ادھر آتے ہیں تو آئیں
کیا غم جو نہ تابع نہ ملازم ہو کسی کا فوجوں سے وہ ڈرتا ہے جو مجرم ہو کسی کا

شر اپنی طرف سے نہ ہو مطلب ہے یہ پیارا امت جو کرے جبر تو یہ بھی ہے گوارا
غربت میں ہمیں آپ ہے دنیا سے کنارا شاید کوئی اس فوج میں ہو دوست ہمارا
لازم ہے مدارات۔ گدا ہو کہ غنی ہو وہ یہ سمجھے کہ دشمن کی نہ خاطر شکنی ہو

جس کا تمھیں اندیشہ ہے یہ وہ نہیں صحرا پہچانتا ہوں خوب اسے اے مرے شیدا
یاں ہے وہ ترائی نہ وہ ریتی نہ وہ دریا رستہ ہے یہ فوجیں ہوں کہ لشکر ہو ہمیں کیا
رہ گیر ہیں آتے ہیں تو خیر آنے دو ان کو تم روک لو باگوں کو نکل جانے دو ان کو

انبوہ کا غل سن کے نہ سیدانیاں گھبرائیں جمالوں سے کہہ دو کہ الگ ناقوں کو لے جائیں
ٹھہریں وہیں گر کوہ کے دامن میں جگہ پائیں ناقے بھی تھکے ماندے ہیں دم لے لیں ہوا کھائیں
جا خوب ہے حیواں بھی نہ تکلیف سہیں گے رہ جائے گا دن کم تو یہیں آج رہیں گے

ناگاہ قریب آگیا جنگی وہ رسالا گھوڑوں سے ہوا سبزۂ صحرا تہ و بالا
بھالوں کو ادھر فوج خدا نے بھی سنبھالا سب رک گئے وہ آپ بڑھے جب شہ والا
مولا نے سوئے فوج نظر کی جو ٹھہر کر مجرا کیا سردار نے گھوڑے سے اتر کر

فرمانے لگے تب بہ محبت شہِ ذی جاہ
کی عرض کہ اے خلقِ دو عالم کے شہنشاہ
سب کچھ مرے لشکر میں ہے پر آب نہیں ہے
رستے میں کنواں کوئی نہ چشمہ نظر آیا
اس دھوپ میں ہے ابرِ کرم آپ کا سایا
کیا عرض کروں جو تپشِ دل سے تعب ہے

سب ایک ہزار اس مرے لشکر میں ہیں اسوار
کچھ رہ گئے کچھ سقط ہوئے راہ میں رہوار
ہر شے کی حیات اے مرے مولا ہے اسی پر
اس دھوپ میں مر جائے گا لشکر مرا سارا
اب ہے تو اسی بحرِ کرم کا ہے سہارا
اب بات کسی سے نہیں کی جاتی ہے مولا

فریاد جو کی حُر نے بصد اشک فشانی
حاضر ہے وہ جو کچھ مرے ہمراہ ہے پانی
ہم دوست کی تکلیف گوارا نہیں کرتے
عباسؑ سے فرمایا کہ سقوں کو بُلاؤ
قاسمؑ سے کہا چھاگلیں تم لینے کو جاؤ
یہ قافلہ سب دھوپ میں لب تشنہ کھڑا ہے

یہ سُنتے ہی دوڑے شہِ والا کے ہوا خواہ
اک جام بھرے دستِ مبارک میں بڑھے شاہ
کی جبکہ نظر لطفِ شہِ جن و بشر پر
حُر کو شہِ والا نے دیا پانی کا ساغر
صدقے ترے اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے

آنا ہوا کس سمت سے اے بندۂ اللہ
آتا ہے ادھر کوفے کی سرحد سے ہوا خواہ
پیاسا ہوں تکلم کی مجھے تاب نہیں ہے
سب چاہ پہ گرمی میں گئے خشک ہی پایا
اب چشمۂ کوثر پہ مقدر مجھے لایا
فیاض کی سرکار سے پانی کی طلب ہے

پر پیاس ہے اب تاب کسی میں نہیں زنہار
پیاسوں میں تلاطم ہے عجب یا شہِ ابرار
پانی کی نہ تکلیف ہو دُنیا میں کسی پر
چشمہ ہے نہ بڑ کہ ہے نہ دریا کا کنارا
اے ساقیِ کوثر کے پسر پیاس نے مارا
ہر بار زباں منھ سے نکل آتی ہے مولا

گھبرا کے یہ بولا اسد اللہ کا جانی
آ اے حرِ دیندار بجھا تشنہ دہانی
پانی کو تو کافر سے بھی پیارا نہیں کرتے
ناقوں پہ جو سیراب ہیں شربے انھیں لاؤ
اکبرؑ سے کہا جلد پکھالوں کو منگاؤ
دو پیاسوں کو پانی کہ ثواب اس کا بڑا ہے

مجمع ہوا سرکار کے سقوں کا سرِ راہ
جلد آئے پکھالیں لیے عباسؑ فلک جاہ
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر
سیراب ہوا جب تو پکارا وہ دلاور
ٹھنڈا جگر و قلب ہوا روح معطر
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے

مجمع ہوا پھر گردِ شہنشاہِ خوش انجام
بٹنے لگے پھر پیاسوں کو پانی کے بھرے جام
مصروف تھے اک سمت علی اکبرؑ گلفام
تقسیم اُدھر کرتے تھے عباسؑ نکو نام
فرزند بھی حیدرؑ کے نواسے بھی بہم تھے
اک جا کئی سرچشمۂ دریائے کرم تھے

چلّاتے تھے سقّے کہ جو پیاسا ہو وہ آئے
ٹھنڈا کرے گرمی میں جگر پیاس بجھائے
عمّان کرم سب ہیں ید اللہ کے جائے
دریا نے بھی یہ دست کشادہ نہیں پائے
دم میں مس و آہن کو زر و سیم کریں گے
اک دن یونہی کوثر کو بھی تقسیم کریں گے

اُس پیاس میں اُس دھوپ میں جو ہوتا تھا سیراب
کرتا تھا دُعا ہاتھ اُٹھا کر بصد آداب
دُنیا میں یہ زہراؑ کی زراعت رہے شاداب
پامال جو دشمن ہوں تو سیراب ہوں احباب
اللہ رے کرم پیاس کے ماروں کو جلایا
دم بھر میں مسیحا نے ہزاروں کو جلایا

جاں آ گئی جس وقت بجھی تشنہ دہانی
گویا کہ ملا سوکھے ہوئے دھانوں کو پانی
وہ ہاتھ تھے یا آیۂ رحمت کی نشانی
صحرا میں ہوئی فیض کے دریا کی روانی
تھا شور کہ افراط ہے یاں آبِ بقا کی
جنگل میں ملے خضر یہ قدرت ہے خدا کی

انساں جو بٹے جانوروں کی ہوئی باری
اک چشمۂ حیواں ہوا پھر دشت میں جاری
سرگرم تھا بخشش میں جو وہ خاصۂ باری
برساتا تھا بارانِ کرم ابرِ بہاری
غل تھا کہ عجب رحم ہے زہراؑ کے پسر میں
پیاسوں کے لئے بحر کو لے آئے ہیں بر میں

جب بادیۂ و طاس و لگن ہوتا تھا خالی
بھر دیتے تھے پھر سبطِ پیمبرؐ کے موالی
سیراب تھے گھوڑے بھی رہے ہمتِ عالی
خود پانی پلاتا تھا وہ کونین کا والی
ہر دم کرمِ حضرتِ باری تھا زمیں پر
اک فیض کا دریا تھا کہ جاری تھا زمیں پر

جلتے تھے الاغ و شتر و قاطر و رہوار
سیراب ہوئے سب تو پھرے سیّدِ ابرار
کپڑوں کو ہوا دینے لگے شاہ کے انصار
ساتھ آئے یہ کہتے ہوئے عباسؑ خوش اطوار
پیاسے نہ اب اشتر ہیں نہ شبدیز ہیں مولا
دو چار پکھالیں ابھی لبریز ہیں مولا

ہمشکل پیمبرؐ نے یہ کی عرض کہ حضرت
لاریب کہ ذات آپ کی ہے آیۂ رحمت
کثرت تو یہ کچھ پیاسوں کی پانی کی یہ قلت
سیراب ہوئے سب یہ ہوا اعجاز و کرامت
ممنون ہر اک تا بہ لبِ گور رہے گا
اس پانی پلانے کا بھی اک شور رہے گا

فرمانے لگے سر کو جھکا کر شہِ عالم
میں کیا ہوں یہ سب ہے کرمِ خالقِ اکرم
اُس بحرِ کرم کا ہے مگر شکر مقدم
پیاسے تھے فزوں اور یہ پانی تھا بہت کم
بات آج دو عالم کے شہنشاہ نے رکھ لی
غربت میں مری آبرو اللہ نے رکھ لی

وہ چاہے تو اک قطرے کو دریا ابھی کر دے
چشمہ جو ہو پنہاں اسے پیدا ابھی کر دے
ذرّوں کو صدف کے دُرِ یکتا ابھی کر دے
جس ہاتھ کو چاہے یدِ بیضا ابھی کر دے
گر اوج وہ بخشے تو زمیں عرشِ بریں ہو
ذرّے پہ کرے مہر تو خورشیدِ مبیں ہو

فرما کے یہ گریاں جو ہوئے سیّدِ والا
حُر نے کہا مولا کہے یہ رونے کا سبب کیا
فرمایا کہ دل نرم ہے اولادِ نبیؐ کا
روتا ہوں کہ تم سب کو ہوئی پیاس کی ایذا
ذکر اُس کا مناسب نہیں صدمہ ہے جو مجھ پہ
حال اس مرے رونے کا بھی کھل جائے گا تجھ پر

واقف نہیں تو اس سے یہ ہے رازِ نہانی
سہنی ہے ہمیں بھی کئی دن تشنہ دہانی
ہم نے جنھیں اُلفت سے پلایا ہے یہ پانی
ہو جائیں گے اک روز یہی دشمنِ جانی
ہم نالہ و فریاد بھی ہر چند کریں گے
پانی مرے بچوں پہ یہی بند کریں گے

کھل جائے گا جب آئے گا جس دم وہ زمانا
اب کہہ تجھے یاں آج ٹھہرنا ہے کہ جانا
رہنا ہو تو شب کو بھی ملاقات کو آنا
ہمراہ نمک نانِ جویں بھی ہیں کھانا
حاضر ہے جو موجود ہے محتاج کے گھر میں
تجھ سے بھی وطن دور ہے ہم بھی ہیں سفر میں

سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولا حُرِ ذی جاہ
میں حاکمِ کوفہ کا فرستادہ ہوں یا شاہ
بہتر ہے کہ اب کوفے میں چلیے مرے ہمراہ
میں اور طرف جانے نہیں دینے کا واللہ
ہر چند غلامِ پسرِ شیرِ خدا ہوں
مامور ہوں اس پر کہ نہ حضرت سے جدا ہوں

حُر سے یہ سخن سُنتے ہی برہم ہوئے سرور
فرمایا کہ اس جانے سے مرجانا ہے بہتر
گھر کو نہیں جانے کا جگر بندِ پیمبر
لے کہہ دے کہ روکے مجھے سارا ترا لشکر
ڈرتے ہیں نہ تیروں سے نہ شمشیر و سناں سے
بس ہم وہی کرتے ہیں جو کہتے ہیں زباں سے

اس نے کہا لے جاؤں گا میں یا شہِ ابرار
فرمایا نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا میں زنہار
یہ ردّ و بدل جب ہوئی آپس میں کئی بار
پاس آئے یہ کہتے ہوئے عباسِ علمدار
بے دیں ہے جو حکمِ شہِ خوش خو میں نہیں ہے
بس چپ ہو زباں کیا ترے قابو میں نہیں ہے

کرتا ہے یہ کس سے سخنِ بے ادبانہ
ہوگا ترے پلّے پہ اگر سارا زمانہ
ڈالے گا اگر ہاتھ لجامِ شہِ دیں پر
سرداروں سے کرتے ہیں اسی طور کی تقریر؟
کیا کوفے کے اور شام کے حکام کی توقیر
ہم شیر ہیں صحرا کے وہ نامرد ہے ظالم

یہ چند جو وحشی ہیں عرب کے ترے دنبال
کرّار کے دلبند ہیں سب صاحبِ اقبال
تلوار میں لاکھوں کو رفاہ ان سے نہیں ہے
کچھ کہنے پہ تھا حُر کہ پکارے شہِ ذیشاں
تھرّا کے کہا حُر نے کہ اے قبلۂ ایماں
ذلّت ہوئی اب مُنھ کسے دکھلاؤں گا مولا

کہتا یہ سخن منھ سے جو میرا کوئی ہمسر
ہیں روشنیِ عرشِ خدا آپ کی مادر
فضّہ کے غلاموں کا بھی رُتبا نہیں رکھتا
عباسؑ نے فرمایا کہ اے مردِ خوش انجام
عزت ہوئی آقا نے جو لونڈی کا لیا نام
ایماں سمجھ اس فاطمہؑ کے راحتِ جاں کو

حُر نے کہا میں بھی یہی رکھتا ہوں عقیدت
سُن لے گا تو کیا جانیے کیا دے گا اذیّت
کنبہ مرا آفت میں گرفتار رہے گا
یہ عرض ہے مولا اُسے مقبول جو فرمائیں
راہی ہوں کسی اور طرف امن جہاں پائیں
بہتر ہے جو اس طور سے یہ مرحلہ سر ہو

حیدرؑ کا پسر احمدؐ مرسل کا یگانہ
کر دوں گا ابھی موت کے ناوک کا نشانہ
سر ہوگا کہیں جسم کہیں ہوگا زمیں پر
لے جائے گا کس طرح نہیں جائیں گے شبیرؑ
یہ دشمنِ ایماں ہے تو مرتد ہے وہ بے پیر
ہے ایک شغال ایک سگِ زرد ہے ظالم

جھپٹے گا جو ایک شیر تو ہو جائیں گے پامال
کر دیتے ہیں دم بھر میں زمیں خوں سے یہ لال
گردوں بھی سپر ہو تو پناہ ان سے نہیں ہے
کیا کہتا ہے بیٹھے ترے ماتم میں تری ماں
سرکارِ شہنشاہ سے عزت کا ہوں خواہاں
میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا مولا

لاتا وہیں نام اُس کی بھی ماں کا میں زباں پر
صدّیقہ و راضیہ و مرضیہ و اطہر
زہراؑ کہوں زہرا کو یہ زہرا نہیں رکھتا
بگڑے ہوئے اب حق نے بنائے ترے سب کام
غلماں ہیں غلامانِ شہنشاہِ ذوالاکرام
بھائی ہوں یہ ہے فخر کنیزی مری ماں کو

پر جس کا ملازم ہوں وہ ہے بانیِ بدعت
چھوڑے گا وہ سفّاک نہ جان اور نہ عزّت
نے مال نہ فرزند نہ گھربار رہے گا
نے جائیں وطن پھر کے ادھر سے نہ اُدھر جائیں
پھر جانے کا جھنجلا کے زباں پر نہ سخن لائیں
پھر میں ہوں نہ بدنام نہ مولا کا ضرر ہو

یہ سنتے ہی انصار سے فرمانے لگے شاہ — کیوں؟ جانتا ہے تم میں سوا اس کے کوئی راہ
کی عرض طرماح نے اے فاطمہؑ کے ماہ — ہاں راہ ہے پر قلب میں اس سے ہول گاہ
رد ہوگا اگر شہ کوئی نااہل کرے گا — فرمایا بڑھ آگے کہ خدا سہل کرے گا

پڑھتا رجز آگے ہوا وہ مرد دلاور — سب پیچھے چلا قبلۂ کونین کا لشکر
افسردہ و مغموم تھے رہوار پہ سرور — ہمراہ تھے ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ
مجمع تھا یگانوں کا شہنشاہ امم کے — اور بیچ میں سب فوج کے ناقے تھے حرم کے

واں سے گئے جس دم کئی فرسخ وہ مسافر — خورشید چھپا شب کی سیاہی ہوئی ظاہر
جنگل سے نہ واقف نہ کوئی راہ سے ماہر — غل تھا کہ بس اب عمر کی مدت ہوئی آخر
غربت میں یہ گردش یہ تباہی نہیں دیکھی — ایسی کبھی آنکھوں سے سیاہی نہیں دیکھی

تھی طرفہ شب تار کہ تارے بھی تھے مستور — اک پارہ ہے جس کا شب یلدا شب دیجور
دوڑے کہیں شبدیز نظر کا تھا نہ مقدور — ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہے یا دور
حضرت پہ وہ اس تین پہر رات میں گزری — تکلیف سکندر پہ جو ظلمات میں گزری

مطلع ثانی

جب سورۂ واللیل میں گردوں نے سحر کی — صورت نظر آنے لگی زہراؑ کے قمر کی
حضرت نے یہ فرما کے سوئے شرق نظر کی — یہ رات بھی لو اس کی عنایت سے بسر کی
کیا فیض ہے کیا نور ہے کیا جلوہ گری ہے — ٹھہرو کہ یہی وقت نماز سحری ہے

معبود یگانہ کا ادا کر کے دوگانا — صحرا سے ہوئے آپ بہ تعجیل روانا
واں پہونچے کہ جس بن میں نہ پانی تھا نہ دانا — ہاتف نے صدا دی کہ بس اب آگے نہ جانا
بڑھنے کا کسی اور طرف حکم نہیں ہے — وعدہ تھا جہاں کا یہ وہی پاک زمیں ہے

بوسے دیے نعلین پہ اٹھ اٹھ کے زمیں نے — سجدہ کیا گھوڑے سے اتر کر شہ دیں نے
محمل سے جو دیکھا یہ ہر اک پردہ نشیں نے — سر پیٹ لیا زینبؑ ناشاد و حزیں نے
چلائی میں واقف ہوں جو انجام ہے یاں کا — پوچھو ارے لوگو کوئی کیا نام ہے یاں کا

یہ کہہ کے بلکتی تھی یداللہ کی جائی — جو گریۂ زہراؑ کی صدا دشت سے آئی
زینبؑ نے پکارا کہ بہن صدقے ہو بھائی — یہ کون سی بی بی ہے جو دیتی ہے دہائی
کیا غل ہے کہ بہن بھائی کا کیوں ساتھ چھٹے گا — کس کا وہ چمن ہے کہ جو اس بن میں لٹے گا

خواہر سے تسلّی کا سخن یاس میں کہہ کر
دریا پہ گئے واں سے ٹہلتے ہوئے سرور
اُترا ہوا تھا حُرؔ جری واں مع لشکر
قدموں پہ گرا وہ تو یہ بولے شہِ صفدر
پائی نہ کہیں شب کو جگہ امن و اماں کی
لائی وہیں تقدیر کہ تھی خاک جہاں کی

گرمی کی ہے یہ فصل تمازت کے ہیں یہ دن
جھیلوں میں پڑے رہتے ہیں سب دشت کے ساکن
بھائی مرے ہمراہ ہیں بچّے کئی کم سن
بے نہر پہ اُترے مجھے راحت نہیں ممکن
پانی کی تو غربت میں نہ تکلیف سہوں میں
گر مشورہ تیرا ہو تو دریا پہ رہوں میں

کی عرض یہ حُرؔ نے کہ تصدق مرا گھر بار
میں منع کروں یہ مری طاقت نہیں زنہار
فوجیں لیے آتا ہے مگر شمرِ ستمگار
ڈھونڈھیں گے سبھی نہر کا قرب اے شہِ ابرار
تکرار نہ کچھ ہو مجھے ڈر ہے تو یہ ڈر ہے
شب سے پسرِ سعد کے آنے کی خبر ہے

عباسؑ کا مُنھ دیکھ کے شہ بولے کہ اچھا
جلتی ہوئی ریتی ہی پہ خیمہ کرو برپا
اُس شیر نے کی عرض کہ چھوڑیں گے نہ دریا
فوجیں ہیں تو کیا خوف ہے لشکر ہے تو پھر کیا
بہہ جائے گا لاکھوں کا لہو تیغ دو دم سے
دریا کی ترائی کوئی لے سکتا ہے ہم سے

حضرت نے کہا لو تمھیں غیظ آگیا بھائی
دریا کے لیے اُمتِ احمدؐ سے لڑائی
قہر اُن پہ جہنم ہے جنھیں دو گے رہائی
یکساں ہے مسافر کو وہ ریتی یہ ترائی
دریا ہے تو قطرہ ہے یہ چشمہ ہے تو کیا ہے
کوثر کا خدا نے تمھیں مختار کیا ہے

سمجھا کے برادر کو پھرے سیّدِ بیکس
میدان میں استادہ ہوا خیمۂ اقدس
اوج اُس کا جو دیکھا تو دیا چرخ مقرنس
خورشید نے رخساروں کو شمسے سے کیا مس
یہ رنگ تھا اُس پر فلکِ مہرِ شرف کا
جس طرح کہ مہتاب پہ دھبّا ہے کلف کا

محمل سے اُترنے جو لگی بنتِ یداللہ
تھیں چادریں روکے ہوئے سب لونڈیاں ہمراہ
خود بازوئے ہمشیر کو تھامے ہوئے تھے شاہ
اس پردے پہ بھی سر کو جھکائے تھی وہ ذیجاہ
اُس دن تو یہ پردہ تھا یہ شوکت یہ حیا تھی
اک دن وہی زینبؑ تھی نہ محتاجِ ردا تھی

خالی ہوئے وہ محمل و ہودج جو نہی سارے
خیمہ میں چھپے عرشِ معلّےٰ کے ستارے
تارے بھی وہ تارے کہ جو اللہ کے پیارے
جن تاروں پہ انجم کو فلک صدقے اُتارے
جیسے قمر اُس برجِ جہاں تاب میں دیکھے
یوسفؑ نے وہ کوکب نہ کبھی خواب میں دیکھے

تھا عرش کے تاروں پہ اُسی خیمے کا سایا
فرش اس کا دبائے ہوئے تھا عرش کا پایا
تکیوں سے چلی آتی تھی بو جسمِ نبیؐ کی
اوج ایسا کہ گردوں سے کلس کرتا تھا باتیں
در پردہ صدا دیتی تھیں سائر کی قناتیں
اب خلق میں ایسا کوئی گھر آج نہیں ہے

اُترے اِدھر اس برجِ شرف میں شہِ عالم
لکھا ہے چھٹی تک ہوئی یہ فوج فراہم
لاکھوں میں بھی تعداد نگار اُس کا نہ ہو گا
کر لیجے شمار اس کا محاسب نے یہ چاہا
دی کلک نے آواز کہ ہاں عقل پناہا
تحریر خط و خال کا اب دھیان نہیں ہے

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
شب آئی کہ فوجِ غم و رنج و تعب آئی
راحت نے کنارا کیا زہراؑ کے پسر سے
ہشتم کو مصیبت تھی قیامت تھی ہم کو
بچّوں پہ عجب پیاس کی شدّت تھی ہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی

مر مر کے کٹی شب تو لڑائی کا دن آیا
غل تھا کہ تلاطم کا دو ہائی کا دن آیا
بیت الشّرف صاحبِ معراج لُٹے گا
ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی
فضّہ نے ادھر دوڑ کے خیمے میں خبر کی
تیار جماعت ہے نماز آپ پڑھیں گے

غل تھا یہ شرف برجِ شرف نے نہیں پایا
بن میں جسے فردوس کے پھولوں نے بسایا
کرسی تھی کہ مسند تھی رسولِؐ عربی کی
شمسے پہ تھا یہ نور کہ ہوتی تھیں نہ راتیں
یاں ملتی ہیں آزادیِ دوزخ کی براتیں
اس در کا گدا اور کا محتاج نہیں ہے

دریا پہ اُدھر آنے لگا لشکرِ اظلم
حیراں تھی خرد جس کے کم و کیف میں ہر دم
بے روزِ حساب آئے شمار اس کا نہ ہو گا
جو کچھ تھا مہندس کا طریقہ وہ نباہا
لشکر کی سیاہی سے لکھا جائے سیاہا
ذرّوں کا یہ گنّا ہے کچھ آسان نہیں ہے

غربت میں نبیؐ زادوں پہ آفت عجب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی
پانی بھی ہوا بند اُسی شب کی سحر سے
اک حشر تھا خیمے میں یہ دقت تھی ہم کو
اللہ نہ دکھلائے جو آفت تھی ہم کو
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

ہمشیر و برادر کی جدائی کا دن آیا
زہراؑ کے بھرے گھر کی صفائی کا دن آیا
محبوبِؐ الٰہی کا چمن آج لُٹے گا
خود شاہ نے مشرق کی طرف اُٹھ کے نظر کی
لو صاحبو رخصت ہے شہِ جنّ و بشر کی
اب فرض ادا کر کے لڑائی پہ چڑھیں گے

ناگاہ اذاں دینے لگے اکبرؑ ذی شاں
چپ ہو گئے سب دشت کے مرغانِ خوش الحاں
زینبؑ نے صدا دی کہ اس آواز کے قرباں
کیا صوتِ حسنؑ ہو کہ زمانہ ہو ثنا خواں
آوازِ حزیں سن کے دلوں کو نہ کل آئی
بلبل بھی گلستاں سے پھڑک کر نکل آئی

آنا وہ دمِ صبح کا وہ رات کا جانا
وہ وقتِ عبادت وہ تضرع کا زمانا
وہ جھومنا اشجار کا وہ وقت سہانا
پھولوں کی وہ بو سرد ہواؤں کا وہ آنا
بے ذکر نہ غنچے نہ گل و خار رہے تھے
مرغانِ چمن وجد میں چہکار رہے تھے

فارغ ہوئے حضرت جو صلوٰۃِ سحری سے
غائب ہوئے تارے فلکِ نیلوفری سے
طالع ہوا خورشید عجب جلوہ گری سے
ذرے بھی سرافراز ہوئے تاجِ زری سے
آمادہ جو تھی فوج لعیں بے ادبی پر
تیر آنے لگے لشکرِ اللہ و نبیؐ پر

شاہِ شہدا خیمہ میں جا کر نکل آئے
آنسو رخِ اقدس پہ بہا کر نکل آئے
مشتاقوں کو دیدار دکھا کر نکل آئے
ہمشیر کو چھاتی سے لگا کر نکل آئے
خون بہتا تھا فریادِ سکینہؑ پہ جگر سے
پوچھے کوئی بیٹی کے بچھڑنے کو پدر سے

پیچھے سے مسلح تھا یہاں لشکرِ جرار
نکلے علم فوجِ خدا لے کے علمدار
گھوڑے پہ چڑھے پڑھ کے دعا سیدِ ابرار
پیدل ہوئے ہمراہِ فرس یاور و انصار
بوسہ دیا نصرت نے قریب آ کے قدم پر
اقبال نے سر رکھ دیا مولا کے قدم پر

خورشید صفت جلوہ نما تھا علم آگے
عباسؑ تو پیچھے تھے سپاہِ حشم آگے
چاؤش یہ دیتے تھے صدا دم بدم آگے
سر بازو بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
گرد اڑنے نہ پائے فرسوں کی تگ و دو میں
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ زہرا ہے جلو میں

حوریں سرِ پرنور دریچوں سے نکالے
کہتی تھیں کہ کیا کیا ہیں جواں گیسوؤں والے
تلواریں تو ہیں زیبِ کمر ہاتھوں میں بھالے
یہ شیر ہیں سیدانیوں کی گود کے پالے
مجمع کبھی دیکھا نہیں اس جاہ و حشم کا
دنیا بھی مرقع ہے گلستانِ ارم کا

حیدرؑ کا وہ گلشن ہے وہ جعفر کا چمن ہے
جو چاند سا دولھا ہے وہ فرزندِ حسنؑ ہے
وہ زیرِ علم ابنِ شہِ قلعہ شکن ہے
ہمشکل پیمبرؐ ہے وہ جو غنچہ دہن ہے
انساں یہ نہیں چاند اتر آیا ہے زمیں پر
محبوبِ خدا عرش پہ سایہ ہے زمیں پر

یہ حسن لطافت میں فزوں ہے کہیں جاں سے
افضل ہے یہ محبوب حسینانِ جہاں سے
کیا کہیے بجز صلِّ علیٰ اور زباں سے
یوسفؑ یہ تجمّل یہ نمک لائے کہاں سے
یہ جان ہے ہر ہاشمی و مطلبی کی
اس میں تو ملاحت ہے رسولؐ عربی کی

اس شان سے پہونچے سرِ میداں جو وہ جانباز
جنگل کو لگے چاند زمیں ہو گئی ممتاز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
پہلے حُرِ غازی سے لڑائی ہوئی آغاز
انجام ہوا یہ کہ سفر کر گئے اکبرؑ
سینے پہ سناں کھا کے جواں مر گئے اکبرؑ

پیری میں ہوا داغ جو فرزندِ جواں کا
کم ہو گیا خوں جسمِ شہِ تشنہ دہاں کا
ہر بات میں لکنت تھی یہ عالم تھا زباں کا
ماتم تھا برادر کا الم راحتِ جاں کا
غل اُٹھتے تھے فوجوں سے مبارز طلبی کے
دو لاکھ کا نرغہ تھا نواسے پہ نبیؐ کے

یاں کانپتا تھا ضعف سے ٹوٹا ہوا بازو
نے تیغ پہ قبضہ تھا نہ تھا ہاتھ پہ قابو
اک شیر کا لاشہ نظر آتا تھا لبِ جو
اور سامنے تھی لاشِ علی اکبرؑ مہرو
سوتے تھے وہ تنہا جو ہزاروں سے لڑے تھے
ریتی پہ ورق مصحفِ ناطق کے پڑے تھے

چلّاتا تھا بڑھ بڑھ کے جو شمرِ ستم آرا
کر لیجئے بیعت جو دغا کا نہیں یارا
وہ چاند نہاں خوں میں ہے یا آپ کا پیارا
یہ لاشۂ اصغرؑ ہے کہ ریتی پہ ستارا
جلدی ہمیں اب ہے کہ مہم جنگ کی سر ہو
بھیجو اگر اکبرؑ سا کوئی اور پسر ہو

شہ کہتے تھے اب تشنہ دہاں کوئی نہیں ہے
قاسمؑ سا مرا راحتِ جاں کوئی نہیں ہے
بھیجوں کسے اب شیرِ ژیاں کوئی نہیں ہے
یاں اکبرؑ مہرو سا جواں کوئی نہیں ہے
تکیہ نہ برادر پہ مجھے تھا نہ پسر پر
کچھ غم نہیں اللہ تو موجود ہے سر پر

یہ کہتے تھے حضرت کہ جلال آگیا ناگاہ
خورشید ہوا غیظ سے روئے شہِ ذیجاہ
گھوڑے پہ سنبھل کے جو کہا یا اسد اللہ
تھرّا گیا سب دشتِ ستم، ڈر گئے گمراہ
سیدھے جو ہوئے تنگ زرہ ہو گئی بر میں
ہاتھوں میں وہ رعشہ تھا نہ وہ خم تھا کمر میں

روئی ہوئی آنکھوں میں جو سُرخی تھی نمودار
ثابت تھا کہ آیا غضبِ حضرتِ قہّار
ابرو جو ہلے چلنے لگی فوج پہ تلوار
پلکیں جو اُٹھیں تیر کلیجے کے ہوئے پار
رہوار ہرن شیرِ ژیاں ہو گئے شبیرؑ
غل تھا کہ نئے سر سے جواں ہو گئے شبیرؑ

حیدرؑ کی طرح ہاتھ کو قبضے پہ جو ڈالا
چمکا کے فرس کو یہ پکارے شہِ والا
لو تیغ کوئی دم میں چمکتی ہے علیؑ کی
تم نے تو کوئی بات ہدایت کی نہ مانی
صدمے سے کلیجے کا لہو ہو گیا پانی
ہر چند کہ طاقت نہیں ماتم میں پسر کے
سمجھایا بہت پر نہ عدو راہ پر آئے
یوں تیغ بکف لشکرِ بدخواہ پر آئے
دِل ہل گئے جی خوف سے چھوٹا نظر آیا
چھوڑا یہ غضب تیغِ دو پیکر نے جو مسکن
تولا جو اُسے سیر ہوئے زیست سے دشمن
تھی صاحبِ ضو کیوں نہ اُجالا نظر آئے
کھنچ آئیں صفیں کھنچ کے جو دم تیغ نے کھینچا
سر کے جو قدم سوئے عدم تیغ نے کھینچا
غل تھا کہ برستی ہوئی آتش نہیں دیکھی
حملہ کیا جب غول پہ ضرغامِ علیؑ نے
پانی کیے شیروں کے جگر نامِ علیؑ نے
مجروح جو بھاگے تھے اُدھر فوجِ عدو کے
سر تن پہ کسی ظالم خودسر کے نہ چھوڑا
زندہ کسی جرّار کو لشکر کے نہ چھوڑا
مارا جسے دوزخ کو وہ راہی نظر آیا
ہر ضرب میں گیتی کو ہلا دیتی تھی شمشیر
منھ ناریوں کے منھ سے بلا دیتی تھی شمشیر
زہر اُس کا چڑھا جس پہ وہ بسمل نظر آیا

چلائے ملک اب ہوئی دنیا تہ و بالا
ہاں کون ہو لاکھوں میں مرا روکنے والا
آگاہ میں کرتا ہوں کہ اُمت ہو نبیؐ کی
مارا علی اکبرؑ سا مرا یوسفؑ ثانی
مشتاقِ اجل اب ہے یداللہ کا جانی
جوہر تو دکھا دوں تمھیں شمشیرِ دوسر کے
میداں سے کئی تیرِ ستم شاہ پر آئے
جس طرح اسد مجمعِ روباہ پر آئے
دیکھا تو ہر اک مورچہ ٹوٹا نظر آیا
شیروں سے نیستاں تو غزالوں سے چھٹا بن
اونچا جو کیا ہاتھ تو صحرا ہوا روشن
اک دومۂ نو واں تہ و بالا نظر آئے
سب فوج کو ما بینِ شکم تیغ نے کھینچا
ہر فرد کے چہرے پہ قلم تیغ نے کھینچا
یہ کاٹ یہ کس بل یہ کشاکش نہیں دیکھی
بے ذبح لیا دم نہ گل اندامِ علیؑ نے
سر خاک پہ برسا دیے صمصامِ علیؑ نے
جنگل کی طرف دونگڑے پڑتے تھے لہو کے
مغفر کو سلامت کسی افسر کے نہ چھوڑا
تھا کون سا یکتا جسے دو کر کے نہ چھوڑا
جو رنگ سپاہی پہ سیاہی نظر آیا
خود آئینۂ تن کو جلا دیتی تھی شمشیر
پانی میں کفِ مار پلا دیتی تھی شمشیر
فولاد کا جوہر سمِ قاتل نظر آیا

کرتی تھی اشارے یہ وہ شمشیرِ دو پیکر
ٹو کر دیا جس نے تنِ مرحب کو برابر
جن بیرِ آلم میں اُنھیں شعلوں سے جلے تھے
دِل فوج کا سلطانِ فلک جاہ نے توڑا
ہر صف کو ہزبرِ صفِ جنگاہ نے توڑا
یوں تیغ سے ٹکڑے کیا ثابت قدموں کو
لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہونچی
عرض سر و گردن سے چلی شانے میں پہونچی
سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اس نے
لکھا ہے یہ اربابِ تواریخ نے اکثر
بڑھ جاتی تھی ہفتادگز اُس دم وہ سراسر
پھر کس سے رُکے وار امامِ ازلی کا
کاٹا اُسے جس تیغ سے میداں میں لڑی تیغ
بکتر میں نہ اُلجھی نہ چلتے میں اُڑی تیغ
ٹو کرتی تھی وہ ہر کس و ناکس کو یہ کُس تھا
مشہور تھی وہ رشکِ پری قاف سے تا قاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف
ٹپکا جو لہو مُنھ سے شرارے نکل آئے
وہ روپ وہ چم خم وہ دل اُس کا وہ بڑا اُس کا
ہر ہاتھ میں منھ چوم رہی تھی ظفر اُس کا
کس کا یہ جگر تھا اُسے روکے جو سپر سے
کشتہ تھا ہر اک تیغ کے بے ساختہ پن کا
گرتا تھا لہو چھٹ کے نہ جوہر کے چمن کا
سب جسم بھبھوکا تھا حرارت تھی غضب کی

میں تیغ ہوں اُس کی کوئی جس کا نہیں ہمسر
دو انگلیوں سے جس نے اکھاڑا درِ خیبر
فقرے یہ وہی ہیں جو شریروں پہ چلے تھے
سر ہر متمرّد کا شہنشاہ نے توڑا
درِ کفر کا ضرب اسد اللہ نے توڑا
توڑا تھا یداللہ نے جیسے صنموں کو
ٹو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہونچی
شانے سے بڑھی روح کے کاشانے میں پہونچی
تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اُس نے
اُٹھتی تھی پئے ضرب جو شمشیرِ دو پیکر
ہر ہاتھ میں کتنے ہی لعیں ہوتے تھے بے سر
تلوار وہ اور ہاتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کا
ٹکڑے ہوا چار آئینہ برچھیں کے پڑی تیغ
زرہوں کو کیا چاک یہ تھی منھ کی کڑی تیغ
اک ہاتھ میں فارس تھا نہ زیں تھا نہ فرس تھا
جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیورِ شفّاف
پھر دیکھو تو لب خشک زباں پاک دہن صاف
دریا سے گُہر ابر سے تارے نکل آئے
وہ قد وہ بدن صاف وہ رُخ جلوہ گر اُس کا
محبوب تھی ہر خانۂ تن میں تھا گھر اُس کا
سینے میں در آمد تھی برآمد تھی جگر سے
عریاں تھی مگر ہوش نہ تھا کچھ سر و تن کا
اوہلی ہوئی تھی رنگ ٹپکتا تھا بدن کا
کفّار کو پھونکا تھا شرارت تھی غضب کی

تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی بھی جہاں گرد　　بجلی کی بھی تھی گرمیِ بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو دمِ ناورد　　ہوتا تھا پسینے سے خجل عطرِ گُلِ وَرد
بوئے تنِ رنگینِ نگار آگئی گویا　　آیا وہ جدھر بادِ بہار آگئی گویا
کیا وصف لکھوں اشہبِ سرور کے قدم کا　　سرپٹ ہو رواں حال یہ ہو رخشِ قلم کا
پوئی تھی قیامت کی طرارہ تھا ستم کا　　تھرّا گیا اُس صف کو یہ اُترا تو وہ چمکا
حیرت زدۂ ششدر و دلگیر تھے آہو　　اُڑتا تھا یہ اور آہوئے تصویر تھے آہو
کھینچی جو کبھی نظم میں اُس رخش کی تصویر　　ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
مضموں کا بندھا رنگ نہ اُس میں کسی تدبیر　　اُڑ اُڑ گئی کاغذ سے سیاہیِ دمِ تحریر
رنگِ رُخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا　　جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا
زیبا ہو جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا　　تھا وسعتِ عالم کا بھی میداں اُسے تھوڑا
مشرق میں لیا دم اُسے مغرب سے جو چھوڑا　　جب ہل گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ فوجیں اُسے ٹوکیں تو رُکے وہ　　چمکار کے حضرت ہی جو روکیں تو رُکے وہ
وہ رشکِ صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام　　ہوئے جو فلک سیر زمیں سے اُسے کیا کام
خوش قامت و خوش رُو و خوش انداز و خوش انجام　　تھا نعل در آتش کہیں دم بھر تھا نہ آرام
دھرتا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا　　دامانِ جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا
نعل آئینہ رنگ ایسے کہ آئینہ بھی شرمائے　　برہم ہو اگر شکل و رنگ اُس میں نظر آئے
ہر دم جو گندھی چوٹیوں کا دام نہ اُلجھائے　　فتراک کے پر کھولے ہوئے چرخ پہ اُڑ جائے
ششدر ہوں فلک زینِ جواہر کی چمک پر　　سُم رکھ دے ابھی جا کے سرِ سبز فلک پر
تھم تھم کے وہ ہر غول پہ حضرت کا جھپٹنا　　جم جم کے فرس کا وہ چمکنا وہ سمٹنا
وہ برہمیٔ فوج وہ ہر صف کا اُلٹنا　　وہ تیغِ دوسر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا
دم اپنا بڑھانے کو لہو چاٹ رہی تھی　　کس گھاٹ سے اعدا کے گلے کاٹ رہی تھی
تھا شور کہ یہ قہر ہے تلوار نہیں ہے　　بحرِ غضبِ اللہ کا ہر دھار نہیں ہے
کس فوج پہ یہ برق شرربار نہیں ہے　　لاشوں کا کدھر دشت میں انبار نہیں ہے
یوں لاکھوں سے اک پیاسے کو لڑتے نہیں دیکھا　　کھیت ایسا جہاں میں کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہر سو تھا تلاطم شہِ والا کی وغا سے
سب دشتِ ستم ہلتا تھا نعروں کی صدا سے
اوتادِ زمیں عرض یہ کرتے تھے سما سے
تھرّاتے ہیں تیغِ پسرِ شیرِ خدا سے
کٹ جاتا ہے آہن یہ ہے تیغ دوسر ایسی
سر جس پہ بچے دے ہیں کوئی سپر ایسی

کہتا تھا یہ گردوں تمھیں اللہ بچائے
میں بھی ہوں ادھر چرخ میں سینے کو چھپائے
اس تیغ کی ضربت کوئی کس طرح اٹھائے
ڈر ہے کہ کہیں گاؤ زمیں بیٹھ نہ جائے
سکّانِ فلک جتنے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
پر خوف سے جبریلؑ بھی سرکائے ہوئے ہیں

برساتی تھی وہ تیغ لہو منھ سے جو ہر بار
پیکر تھا ہر اک ناریِ خونخوار کا گلنار
جن کہتے تھے اب جان نہ یہ چھوڑے گی زنہار
ڈوبے گا زمانہ کہ رگِ ابر ہے خونبار
بہتر ہے کنارہ کرو گر فوجِ عدو سے
بھر جائے کہیں کشتیِ گردوں نہ لہو سے

دیکھا شہِ والا نے ہزاروں کو جو بے دم
جوش آگیا رحمت کا ہوا غیظ و غضب کم
دل دکھنے لگا دیدۂ حق بیں ہوئے پُرنم
بس میان میں صابر نے رکھی تیغِ شرردم
صدمہ ہوا امت کے لیے جانِ حزیں پر
روتے ہوئے گھوڑے سے اتر آئے زمیں پر

ہرنے پہ رکھے آپ نے سب کھول کے ہتھیار
فرمایا کہ رخصت ہو بس اے اسپِ وفادار
پوچھے جو خبر بھائی کی زینبؑ جگر افگار
کہہ دیجو کہ اب خلق ہے اور خنجرِ خونخوار
تم قصد نکلنے کا نہ کیجو ابھی گھر سے
واں فاطمہؑ لپٹی ہوئی روتی ہیں پسر سے

در پر نکل آئے جو عصا تھام کے سجّاد
کہنا مری جانب سے کہ اے بیکس و ناشاد
اب آ نہیں سکتے کہ ہمیں گھیرے ہیں جلّاد
بابا کی وصیت نہ بھلانا یہ رہے یاد
مشکل ہے جو کچھ سہل ہوئی جاتی ہے بیٹا
بچّوں سے خبردار کہ فوج آتی ہے بیٹا

ماں بہنوں کی تم رکھیو خبر اے مرے پیارے
یہ قافلہ رانڈوں کا حوالے ہے تمھارے
چادر کوئی زینبؑ کے نہ سر پر سے اتارے
سیلی کوئی نادان سکینہؑ کو نہ مارے
گھُٹ جائے گا دم جان نکل جائے گی تن سے
ننھا سا گلا اس کا بچا لیجو رسن سے

یہ کہتے تھے شبیرؑ کہ قاتل نظر آئے
تلواریں لیے قتل کو بیدادگر آئے
جلّادوں کے قابو میں شہِ بحر و بر آئے
نیزے بھی لگے تیر بھی سینے میں در آئے
ٹکڑے ہوا تیغوں سے جگر حق کے ولی کا
خوں بہنے لگا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کا

کھائے تھے جو کچھ زخم بدن پر دمِ پیکار | ہر جا انھیں زخموں پہ لگے زخم پھر اک بار
فرماتے تھے جب پڑتی تھی تلوار پہ تلوار | بولا ہے یہی رحم کا اے قومِ ستمگار
تلواروں سے دم لینے کی فرصت نہیں دیتے | سجدہ بھی مجھے کرنے کی مہلت نہیں دیتے

جلدی ہے یہ کیوں قتل کی اے فرقۂ بے پیر | کیا چھوڑ کے مقتل کو چلا جائے گا شبیرؑ
اُترا ہوں فرس سے کہ چلے حلق پہ شمشیر | پڑھ لوں میں نماز اتنی کرو قتل میں تاخیر
سجدے میں شہادت ہو امامِ دوسرا کی | یہ ذکر رہے فرض ادا کر کے قضا کی

غل میں کوئی سنتا تھا نمازی کی نہ تقریر | منھ تکتے تھے حضرت کہ لگا حلق پہ اک تیر
کھینچا نہ تھا پیکاں کہ پڑی فرق پہ شمشیر | غش کھا کے گرے سینے کے بل خاک پہ شبیرؑ
خولی نے تبر پہلوئے صد چاک پہ مارا | اک شامی نے تیغا کمرِ پاک پہ مارا

شمر آیا جو حضرت کے قریں کھینچ کے خنجر | دیکھا سرِ مجروح ہے سجدے میں زمیں پر
بڑھ کر یہ سواروں کو پکارا وہ ستمگر | نیزوں سے اُلٹ دو تنِ فرزندِ پیمبرؐ
یہ سُن کے قدم سب نے زدوکشت پہ مارا | نیزہ بنِ اشعث نے اِدھر پشت پہ مارا

سیدھے ہوئے ریتی پہ تڑپ کر شہِ ابرار | تھے خاک سے اور خوں سے بھرے چاند سے رخسار
اینٹھی تھی زباں پیاس سے پھٹتا تھا دلِ زار | پر ذکرِ خدا تھا لبِ خشکیدہ پہ ہر بار
حق بندگیِ حق کا ادا کرتے تھے مولا | تم لوگوں کی بخشش کی دُعا کرتے تھے مولا

جلاد نے صدرِ شہِ ذی شاں کو دبایا | محبوبِ خدا کے دلِ نالاں کو دبایا
فریاد ہے آئینۂ ایماں کو دبایا | زانو کے تلے زور سے قرآں کو دبایا
صدمہ ہوا اشکِ شہِ ذی شاں نکل آئے | سینے میں جو ڈوبے تھے وہ پیکاں نکل آئے

ماتم کی صدا دشتِ پُرآشوب سے آئی | چلاتی تھیں پریاں کہ دہائی ہے دہائی
آندھی نے سیہ خاک بیاباں میں اُڑائی | درد و غم و حسرت کی گھٹا خلق پہ چھائی
ریتی پہ تپاں دیکھ کے خورشیدِ زمیں کو | گردش تھی ہنڈولے کی طرح چرخِ بریں کو

یہ واقعہ اب لکھتے ہیں یاں راقمِ اخبار | جب زانوئے قاتل کے تلے تھے شہِ ابرار
منھ پیٹ رہے تھے حرمِ احمدِ مختار | آثارِ قیامت ہوئے ناگاہ نمودار
دیکھا کہ سوئے ابنِ علیؑ آتی ہے زینبؑ | کالی کفنی پہنے چلی آتی ہے زینبؑ

سر پر نہ عصابہ ہے نہ مقنعہ ہے نہ چادر — گردن ہے جھکی بال ہیں لٹکے ہوئے منھ پر
ایک ایک قدم پیٹتی آتی ہے وہ مضطر — گہ سینہ کبھی منھ کبھی زانو تو کبھی سر
کہتی ہے یہ ہے صابر و معصوم کا ماتم — یوں چاہیئے شبیرؑ سے مظلوم کا ماتم

دوڑی ہوئی مقتل کے جو نزدیک وہ آئی — ثابت ہوا اُس دم کہ یہ زہراؑ کی ہے جائی
چلائی کہ اے دشت کدھر ہے مرا بھائی — اے خاک پڑی ہے کدھر اماں کی کمائی
اے چرخ محمدؐ کے نواسے کو بتا دے — اے نہر کئی روز کے پیاسے کو بتا دے

سر پیٹ کے کہتی تھی کبھی ہائے برادر — کیا تجھ پہ بنی اے مرے ماں جائے برادر
مظلوم برادر مرے دُکھ پائے برادر — کیونکر ترے لاشے پہ بہن آئے برادر
تلواروں میں رستہ بھی نہیں پاتی ہے زینبؑ — محروم زیارت سے رہی جاتی ہے زینبؑ

لکھا ہے کہ جب کٹ گیا تن سے سر سرورؑ — پکڑے ہوئے زلفوں کو چلا شمر ستمگر
زینبؑ کو جو دیکھا تو کہا ہاتھ اُٹھا کر — کس کا ہے یہ سر دیکھ تو اے دخترِ حیدرؑ
مقتل میں ابھی تیغ ستم جس پہ چلی ہے — یہ اور کوئی ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

منھ پیٹ کے چلانے لگی زینبِؑ دلگیر — یہ ہاتھ ترا قطع ہو اے ظالمِ بے پیر
حلق پسر فاطمہؑ پر پھیر دی شمشیر — ہے ہے لیے جاتا ہے سر حضرتِ شبیرؑ
آواز مجھے کیوں مرا بھائی نہیں دیتا — اندھیر ہے کچھ مجھ کو سجھائی نہیں دیتا

اعجاز سے گویا ہوا اس دم یہ سر شاہ — بس صبر کرو بھائی کو اے زینبِؑ ذیجاہ
چلتے ہیں جہاں سر سے مجاہد یہ وہ ہے راہ — ہم شاہ شہیداں ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ
معراج ملی مرتبہ بڑھتا ہے ہمارا — تم جاؤ سر اب نیزے پہ چڑھتا ہے ہمارا

خیمے کو چلی خاک اُڑاتی ہوئی زینبؑ — نکلے ہوئے پردے سے حرم پیٹتے تھے سب
زینبؑ نے قریب آکے پکارا یہ اُنھیں تب — اے پیٹنے والو صف ماتم پہ چلو اب
تڑپوں گی زمیں پر کہ جگر پھٹ گیا لوگو! — بیکس مرے بھائی کا گلا کٹ گیا لوگو!

خاموش انیس اب کہ جگر غم سے ہوا خوں — مصرعے ہیں کہ چھریاں ہیں یہ نشتر ہیں کہ مضموں
ہر چشم ہے گریاں تو ہر اک قلب ہے محزوں — فرماتے ہیں حیدرؑ کہ میں کیا اس کا صلہ دوں
ارشادِ پیمبرؐ ہے کہ پاس اپنے مکاں دو — حُلّے اسے فردوس کے دو باغِ جناں دو

۴ مرثیہ بند ۱۷۳

جب دشت مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا
منزل کی طرف لے کے ستارے قمر آیا
گردوں سے فزوں اوجِ زمیں کا نظر آیا
تھا شور کہ دریائے شرف کا گہر آیا
خنداں ہوئے جوں گل سفری راہ خدا کے
فردوس کی بو آگئی جھونکوں سے ہوا کے

گھوڑے کی عناں روک کے بولے شہ ذیجاہ
لو سفر ختم ہو گیا المنۃ للہ
سیدھی طرف خلد اسی دشت سے ہے راہ
پایا ہے عجب نور صفائی ہے عجب واہ
بھایا یہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
جس طرح سے جھاڑے کوئی بالوں سے زمیں کو

یہ گوہر مطلوب کے پانے کی جگہ ہے
فردوس سے زہراؑ کے یہ آنے کی جگہ ہے
جنگل میں یہی چھاؤنی چھانے کی جگہ ہے
واللہ یہ پھولوں سے بسانے کی جگہ ہے
غربت کے نہ دکھ اب دل نالاں سے اٹھیں گے
سن لیجو کہ مر کر بھی نہ ہم یاں سے اٹھیں گے

ہر چند کہ بستی نہیں ویراں ہے یہ صحرا
خوشبو میں مگر رشک گلستاں ہے یہ صحرا
راحت کدۂ نوح غریباں ہے یہ صحرا
غربت میں بہ از ملک سلیماںؑ ہے یہ صحرا
فرحت ہوئی یوں آکے اس اجڑے ہوئے بن میں
جس طرح سفر سے کوئی آتا ہے وطن میں

مطلوب شہ عرش نشیں ہے تو یہی ہے
دنیا میں جو فردوس بریں ہے تو یہی ہے
انگشتر عالم کا نگیں ہے تو یہی ہے
مر جائیے جس پر وہ زمیں ہے تو یہی ہے
راحت بھی اسی جا عوض صبر ملے گی
جنت ہے گھر اُس کا جسے یاں قبر ملے گی

آب رخ مومن کی طرح پاک ہے یہ خاک
غربت میں ردائے تن صد چاک ہے یہ خاک
ہر درد کا درماں تہ افلاک ہے یہ خاک
اکسیر جہاں گرد ہے وہ خاک ہے یہ خاک
سجدہ بھی اسی خاک سے ممتاز رہے گا
جو اس پہ جھکے گا وہ سرافراز رہے گا

اس خاک کے رتبے کو کسی نے نہیں جانا
ہے عین عبادت اسے آنکھوں سے لگانا
چھوڑیں گے نہ اس خاک کی تسبیح کو دانا
دور اس کا نہ کم ہوئے گا جب تک ہے زمانا
کم ہوں گے گنہ غنچۂ اُمید کھلے گا
سو رنگ کا اجر اس سے نمازی کو ملے گا

بیشک ہے مزیلِ مرض و دافع آزار
اس خاک سے دنیا میں شفا پائیں گے بیمار
جس مردے کے سینے پہ رکھیں گے اسے دیندار
ایذائے فشار اس پہ نہیں ہوئے گی زنہار
شمشیر غضب سامنے گر ہو گی لحد میں
یا اس کے لیے سینہ سپر ہو گی لحد میں

اترے فرش خاک سے ہنستے ہوئے سرور
استادہ ہوئے خیمۂ ناموس پیمبر
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ مرغوب جگہ ہے
کیونکر نہ محبت ہو کہ محبوب جگہ ہے
آپ آئیں تو کتنی یہ خوش اسلوب جگہ ہے
شہ بولے کہ ہاں سچ ہے بہت خوب جگہ ہے
گرمی میں کہاں سرد ہوا چلتی ہے بھائی
تم سا ہو بہشتی تو یہ جا ملتی ہے بھائی

روئے یہ سخن کہہ کے شہنشاہ حجازی
اونٹوں کے کھلے بار بندھے فوج کے تازی
تجدیدِ وضو کر کے پھرے نہر سے غازی
مصروف ہوئے طاعتِ خالق میں نمازی
اک نور کا جلوہ تھا سپاہ شہ دیں پر
گویا کہ ملک عرش سے اترے تھے زمیں پر

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام
تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہ شام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام
اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سرانجام
پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرت پہ ہوا بند اسی رات سے پانی

گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا
وہ تابشِ خورشید وہ ذرّوں کا چمکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا
باقرؑ کی وہ فریاد وہ اصغرؑ کا سسکنا
خیمے میں سکینہؑ کو جو غش پاتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل
ہر سمت سے فوجوں کے امنڈ آتے تھے بادل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل
دریا بھی غریبوں کے ہوا آنکھوں سے اوجھل
واں شام سے افواج ستم صبح تک آئی
لوگ اٹھ گئے لشکر سے ادھر یہ کمک آئی

تھے مستعدِ جنگ اسی روز ستمگر
روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ
آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جاؤ گے بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربی ہے

جو شاہ سے کہنا ہو کہو عرض کریں ہم
سبقت کو منع گر نہ کریں قبلۂ عالم
رکنے کا نہیں زور تہمتن سے ہمارا
لشکر ہے جری کون ہے لشکر سے ہمارے
شیر آنکھ چراتا رہا تیور سے ہمارے
پسپا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہے ہمارا
موجود کسی کو نہیں واللہ سمجھتے
غیظ آئے تو شیروں کو ہیں روباہ سمجھتے
جانباز ہیں کونین میں شُہرا ہے ہمارا
خیمے میں گئے حضرت عباسؑ دلاور
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دوجہاں سے
آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے
نامرد شقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
اک کھیل ہے اب تو انھیں پیاسوں کا ستانا
آساں نہیں کچھ مُنھ پہ جوانمردوں کے آنا
بچہ بھی ہر اک شیر ہو سادات کے گھر کا
دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے
ہر صف ابھی اُلٹیں جو چلیں چھوٹے سے بھالے
رُکتے نہیں آجاتے ہیں جب غیظ و غضب میں
اعدا سے اور اکبرؑ سے جو اسدم ہوئی تکرار
یاد آگیا مجھ کو غضبِ حیدرِ کرار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے

کثرت پہ جو پھولے ہو تو کچھ ہم بھی نہیں کم
کر دیں ابھی لشکر کی صفیں درہم و برہم
شمشیر زنی کام ہے بچپن سے ہمارا
تھرّاتا تھا رستم کا جگر ڈر سے ہمارے
نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
تھے شیرِ خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا
ہیں عالمِ فانی کو گزرگاہ سمجھتے
ہم وقتِ وغا کوہ کو ہیں کاہ سمجھتے
شمشیر یداللہ پہ قبضا ہے ہمارا
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
قبضے پہ اُدھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبرؑ
ارشاد ابھی ہو تو ہٹادوں اُنھیں یاں سے
مُنھ پر کئی بار آگئے تلوادوں کو تولے
آقا کے مگر خوف سے ہم کچھ نہیں بولے
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں
کیا جانیے کیا ہم ہیں یہاں لوگوں نے جانا
تلواریں جو کھینچیں تو اُلٹ جائے زمانا
اعدا کی یہ سب فوج اور اک طفل ادھر کا
دم بند کریں فوج کا یہ ہنسلیوں والے
خندق کی طرح بہنے لگیں خون کے نالے
بچے ہیں مگر غیظ یداللہ ہے سب میں
بگڑے تھے غضب آپ کی ہمشیر کے دلدار
اکبرؑ سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
میں نے انھیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

سمجھاتا تھا میں اور یہی کہتے تھے پیارے
کیوں نام لیا شمر نے ماموں کا ہمارے
یہ اہل ستم قابل تعزیر ہیں سارے
کر دیتے ہیں پسپا انھیں تلواروں کے مارے
آقا یہ ہمارے ہیں کہ آقا کے پسر ہیں
کیونکر نہ بڑھیں ہم علی اکبرؑ کے سپر ہیں

شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا
طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضے پہ دھرتا
اک دم میں یہ میدان ستم لاشوں سے بھرتا
ہاتھ اُن کے نہ بڑھتے نہ قدم اُن کا ٹھہرتا
تنگ آنکے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
اُن لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑے گا

موقع ہے ابھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
آنے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں ظالم
اللہ تو ہے میری طرف فوج ہو گو کم
بے زخم لگے ہاتھ اُٹھانے کے نہیں ہم
اُمت سے کبھی جنگ میں سبقت نہ کریں گے
واللہ مریں گے بھی تو ہم حق پہ مریں گے

لڑکوں کو جو روکا میں بہت خوش ہوا بھائی
کیا قہر تھا لٹ جاتی جو زینبؑ کی کمائی
بچوں نے کبھی کاہیکو دیکھی ہے لڑائی
اعدا کی درشتی کی انھیں تاب نہ آئی
بڑھتے تو کبھی صورتِ شمشیر نہ رُکتے
غصّے میں کسی اور سے وہ شیر نہ رُکتے

تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھاؤ برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر
وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے مُنھ دھوتے ہیں شبیرؑ
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

فوج ستم آرا کو یہ دیجو مرا پیغام
لوگوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے ہے تمھیں کام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام
اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
ہیہات حمیّت ہوئی کیا قوم عرب کی
مہماں ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

اب ظہر کا ہنگام ہے اور دن بھی ہے آخر
میں صبح کو خود ہوں گا کمر باندھ کے حاضر
ہے بے سروساماں ابھی یثرب کا مسافر
جائے گا کہیں یاں سے نہ یہ صابر و شاکر
حسرت نہ رہے طاعتِ ربِ دوسرا کی
تم سوؤ عبادت میں کروں اپنے خدا کی

کھلواتا ہوں صندوق نکلواتا ہوں ہتھیار
آراستہ ہوتا ہے نشانِ شہِ ابرار
تابوت سکینہ میں ہے اے قومِ ستمگار
نانا کی زرہ حیدرِ کرّار کی تلوار
یہ شب تو لڑائی کے سرانجام کی شب ہے
تم جاگیو کل سے مرے آرام کی شب ہے

اک شب بھی گوارا نہیں تم کو مرا جینا
مظلوم سے یہ بغض مسافر سے یہ کینا
کُل چار پہر ہیں نہ برس ہے نہ مہینا
کل خوں میں ڈبو دیجو محمدؐ کا سفینا
کل قبر سے زہراؑ کے نکل آنے کا دن ہے
کل خانۂ سادات کے لٹ جانے کا دن ہے

یہ سُن کے گیا شیر قریبِ صفِ کفار
فرمایا کہ اے قوم جفاکار و ستمگار
واجب ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار
شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمہیں کیا ہے
بس خیر وہ کل ہو گا جو منظور خدا ہے

لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار
کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمہیں زنہار
جھنجلا کے یہ بولے کئی اُس فوج کے سردار
دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
کچھ شرم نہیں تجھ کو یہ کیا بے ادبی ہے
شبیرؑ تو فرزند رسولؐ عربی ہے

اک شب کی اماں دینے میں نقصان ترا کیا ہے
اس پر یہ تعدی جو گرفتار بلا ہے
مظلوم پہ آفت ہے مسافر پہ جفا ہے
یہ جبر محمدؐ کی شریعت میں روا ہے
فاقوں پہ نہ غربت پہ نظر کرتا ہے ظالم
تو خیر کے بھی کام میں شر کرتا ہے ظالم

عابد پہ یہ نرغہ یہ نمازی پہ چڑھائی
مہمانوں نے دو دن سے غذا بھی نہیں پائی
پانی نہ دیا خیر کہ بگڑی تھی لڑائی
روکے ہیں ترے حکم سے دریا کی ترائی
سیّد کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا
یہ ظلم کہ ایک رات کی مہلت نہیں دیتا

تو ہنستا ہے اور روتے ہیں واں پیاس سے معصوم
یاں جشن ہوا اور ہائے حسیناؑ کی اُدھر دھوم
پانی سے تو کافر کو بھی رکھتے نہیں محروم
اے شمر! محمدؐ کا نواسا ہے یہ مظلوم
خورشید ہدایت ہے امام دو جہاں ہے
قرآن سے روشن ہے حدیثوں سے عیاں ہے

دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار
عباسؑ دلاور سے لگا کہنے جفاکار
دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار
خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

عباسؑ دلاور نے کہا ہو کے غضبناک
تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگ ناپاک!
آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک
بیکس ہوا ایسا پسر سید لولاکؐ
کیوں رکھ دوں لب نحس پہ انگشت سناں کو
دکھلا دوں مزہ چھید کے نیزے سے زباں کو

بھاگا وہ بڑھے ہونٹ چباتے ہوئے عباسؑ
خیمے میں گئے ساتھ لیے سب کو بصد یاس
کی عرض یہ جا کر پسر فاطمہؑ کے پاس
طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رُخ بھی پھرا اہل جفا کا
رو کر شہ والا نے کہا شکر خدا کا

گزرا جو وہ دن شام مصیبت نظر آئی
پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
کھولے ہوئے گیسو شب آفت نظر آئی
راحت دل عالم سے فراموش ہوئی تھی
دنیا غم سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

جنگل میں اداسی تو وہ اور شام کا ہونا
بچوں کا وہ کھانے کے لیے بھوک میں رونا
پانی کی تمنا میں وہ مُنھ اشکوں سے دھونا
فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
لُوں چلتی تھی جب خاک میں اَٹ جاتے تھے بچے
ماؤں سے اندھیرے میں لپٹ جاتے تھے بچے

آتی تھی درندوں کی صدا گونجتے تھے شیر
سب فرش پہ آندھی سے خس و خاک کا تھا ڈھیر
گل ہونے میں شمعوں کے نہ لگتی تھی ذرا دیر
کرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
جب اُٹھتی تھیں چوبیں تو جھکا جاتا تھا خیمہ
بھرتی تھی ہوا جب تو اُڑا جاتا تھا خیمہ

اُجڑے ہوئے جنگل کی ڈراونی وہ صدائیں
تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعائیں
دھڑکا تھا کہ جائیں نہ کہیں بچوں کی جانیں
کس طرح اس آفت میں جگہ امن کی پائیں
یاں آن کے پانی سے چھٹے کھانے سے چھوٹے
ہو صبح تو جائیں کہ سیہ خانے سے چھوٹے

خیمے کو خدا گردشِ گردوں سے بچائے
خالق ستم لشکرِ ملعوں سے بچائے
حافظ الم ہیبت ہاموں سے بچائے
اللہ ہمیں آفتِ شبخوں سے بچائے
منزل پہ یہ آفت یہ تباہی نہیں دیکھی
ہے ہے کسی شب میں یہ سیاہی نہیں دیکھی

آتی تھی صدا خیمے کے پیچھے سے یہ ہر آں
ہے ہے مرا بچہ ہے اسی رات کا مہماں
جنگل میں یہ کیا بن گئی ہے تجھ پہ مری جاں
دو روز کے پیاسے تری غربت کے میں قرباں
بابا بھی نہیں عالم تنہائی ہے بیٹا
گھر سے تمہیں جنگل میں اجل لائی ہے بیٹا

مادر نے جو چھاتی پہ سلا کر تمہیں پالا
سایے سے کبھی دھوپ میں باہر نہ نکالا
مرتے ہی مرے تجھ پہ یہ دُکھ چرخ نے ڈالا
آفت میں نہیں آج کوئی پوچھنے والا
خاک اُڑتی ہے لوں چلتی ہے میدان بلا میں
نیند آئے گی کیونکر تمہیں اس گرم ہوا میں

اُمت کے لیے اپنا وطن چھوڑ کے آئے — صغراؑ کو گرفتار محن چھوڑ کے آئے
نانا سے چھٹے قبر حسنؑ چھوڑ کے آئے — اس دشت کے کانٹوں میں وطن چھوڑ کے آئے
پائی نہ کہیں اور جگہ امن و اماں کی — جنگل وہی بھایا تمھیں تھی خاک جہاں کی

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زینبؑ ناشاد — پہچانتی ہوں خوب یہ اماں کی ہے فریاد
کیونکر اُنھیں چین آئے کہ گھر ہوتا ہے برباد — مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتا غم اولاد
کل کچھ نہ کچھ آفت ہے جو گھبرائی ہیں اماں — لو صاحبو تربت سے نکل آئی ہیں اماں

جس روز حسنؑ بھائی سے ہوتی تھی جدائی — اُس شب کو بھی اماں کی صدا تھی یونہی آئی
لاؤ صف ماتم کہ ہوئی گھر کی صفائی — بس خاتمہ ہے اب نہ بچے گا مرا بھائی
پیٹو کہ شب قتل شہ جن و بشر ہے — اماں کا یہ رونا نہیں ماتم کی خبر ہے

غش میں جو ابھی آنکھ مری لگ گئی ناگاہ — عریاں سر زہراؑ نظر آیا مجھے واللہ
فرماتی تھیں رو رو کے بصد نالۂ جانکاہ — آرام کی یہ شب نہیں اے زینب ذیجاہ
بسمل ہوں چھری میرے کلیجے پہ چلی ہے — بیٹی یہ شب قتل حسینؑ ابن علیؑ ہے

میں نے کہا کیوں بالوں پہ خاک آپ نے ڈالی — فرمایا کہ گھر صبح کو ہو جائے گا خالی
حیدرؑ کی بہو ہووے گی بے وارث و والی — کل شام سے اوڑھوں گی ردا فرق پہ کالی
کیونکر کہوں تجھ سے کہ جگر چاک ہے زینبؑ — شبیرؑ کے مقتل کی یہ سب خاک ہے زینبؑ

رونے سے اسی حال میں گزری جو پہر رات — سجادۂ طاعت سے اُٹھے قبلۂ حاجات
عباسؑ دلاور کو بُلا کر یہ کہی بات — ہم بیچ میں ہیں گرد ہے سب لشکر بدذات
کچھ دور نہیں بے ادبی فوج شقی سے — ہشیار رہو خیمۂ ناموس نبیؐ سے

سب کھینچ کے خیمے کی طنابیں کرو یکجا — تا ایک ہی جانب سے رہے آنے کا رستہ
گرمی کی اگر ہووے تو ہو پیاسوں کو ایذا — خندق میں رہے چار طرف آگ مہیا
ہے دکھ میں مدد ایزد غفار کرے گا — پیاسوں پہ خدا نار کو گلزار کرے گا

سرگرم اطاعت تھے جو عباسؑ علمدار — بھڑکا دیا خندق میں وہیں آگ کو یکبار
بٹھلائے جواں ڈیوڑھی پہ دیرینہ و ہشیار — پہونچے عقب خیمہ حفاظت کو کچھ اسوار
رتبے سے جو واقف تھے ہر اک پردہ نشیں کے — خود پھرنے لگے گرد خیام شہ دیں کے

نعرہ کوئی کرتا تھا کہ یا حیدرؑ کرار
للکارتا تھا کوئی کہ ہاں بھائیو ہُشیار
خاموش کھڑا تھا کوئی کھینچے ہوئے تلوار
کون آتا ہے کوئی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
کہتا تھا علمدار کوئی اور نہیں ہے
گھبراؤ نہ عباسؑ غلامِ شہِ دیں ہے

کرتے ہو مصیبت میں جو تم سب کی مددِ شاہؑ
بس حقِ رفاقت ہے یہی اجرکم اللہ
راضی ہے خدا تم سے خوشی ہیں شہِ ذی جاہ
ہاتھ آئی ہے کیا دولتِ بیدار تمہیں واہ
جو خواب میں دیکھا نہ ہو وہ باغ کھُلے گا
قبروں میں بھی اس جاگنے کا لُطف ملے گا

جب تین پہر رات عبادت میں گزاری
یاں جاگ تھی سوتا تھا اُدھر لشکرِ ناری
پچھلے سے دعائیں تھیں بس اور طاعتِ باری
شہ محوِ وظیفہ تھے حرم کرتے تھے زاری
ہر حال میں حضرت کی نظر سوئے خدا تھی
سجدے تھے کبھی اور کبھی اُمّت کی دُعا تھی

مطلع دیگر

ناگاہ بیاضِ سحرِ غم نظر آئی
مہتاب چلا رات بہت کم نظر آئی
صبحِ شبِ عاشورِ محرّم نظر آئی
انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
جھونکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا
مرغانِ چمن کرنے لگے ذِکر خدا کا

وہ نور کا تڑکا وہ دمِ صبح کی سردی
جنگل میں گلوں کی کہیں سُرخی کہیں زردی
بھولی ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی
تکبیریں تھیں یاں بجتی تھی واں صبح کی وردی
سامان تھا واں قتلِ امامِ دو جہاں کا
یاں شور تھا گلدستۂ زہراؑ میں اذاں کا

استادہ ہوئے بہرِ نمازِ سحری شاہ
صف باندھ لی سب نے عقبِ سیّدِ ذی جاہ
حقّا کہ عجب اخترِ تاباں تھے عجب ماہ
ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
مقبول تھی وہ پڑھ کے دوگانہ جو دُعا کی
خالق نے انھیں دولتِ کونین عطا کی

فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے سے وہ ابرار
تسبیحیں پڑھیں سب نے سجے جنگ کے ہتھیار
ناموس کے خیمہ میں گئے شاہؑ خوش اطوار
حیرت سے نظر کی طرفِ خواہرِ غم خوار
فرمایا کہو غش ہے کہ سوتی ہے سکینہؑ
زینبؑ نے کہا شام سے روتی ہے سکینہؑ

بے آپ کے اُس کو کبھی نیند آئی ہے بھائی
بچّوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جدائی
اس چاند سی چھاتی کی جو بو اُس نے نہ پائی
ماں پاس نہ لیٹی نہ مری گود میں آئی
فرقت ہو تو اس کا خدا جانے کیا ہو
تھمتا ہے کوئی باپ سے بچّہ جو ہلا ہو

بیٹی کا سُنا حال تو رونے لگے حضرت
فرمایا کہ لکھی تھی اسی عمر میں فرقت
افسوس یہ سِن اور یہ یتیمی کی مصیبت
اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں رخصت
مشکل ہے پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے
لے آؤ کہ رولیں اُسے لپٹا کے گلے سے

روئے سخن یاس یہ سُن کر حرم پاک
پہنی شہ والا نے تن پاک میں پوشاک
دستار ید اللہ قبائے شہ لولاک
گردوں پہ ہوئے غم سے ملائک کے جگر چاک
ان زلفوں میں دیکھا جو رخ اس خاصۂ رب کا
آنکھوں میں سماں پھر گیا معراج کی شب کا

حاصل جو زرہ کو ہوا وصل تن شبیرؑ
داؤدؑ پکارے کہ زہے عزّت و توقیر
دستانوں کو ہاتھ آئی عجب صحبت دلگیر
بوسہ جو لیا چرخ پہ پہونچا سر شمشیر
باندھا جو کمر میں تو یہ پرتو نظر آیا
خورشید کے پہلو میں مہ نو نظر آیا

پایا جو تھا قرب کمر سبط پیمبرؐ
جامے میں سماتی تھی نہ شمشیر دو پیکر
چار آئینہ دکھلانے لگا اوج سکندر
گردوں پہ کلہ پھینکتا تھا فخر سے مغفر
کہتی تھی سپر دولت دیں آج ملی ہے
دیکھو مجھے اس دوش پہ معراج ملی ہے

جب سج چکے ہتھیاروں کو تن پر شہ ابرار
دکھلانے لگی آئینہ فضّہؑ جگر افگار
خود بینی سے نیکوں کو سدا رہتا ہے انکار
حضرتؑ نے کہا آئینہ ہے حال تن زار
پرتو ہے جہاں نور کا وہ سینہ ہے میرا
میں ہوں وہ سکندر کہ دل آئینہ ہے میرا

فضّہؑ سے یہ فرماتا تھا وہ صاحب توقیر
جو آئی سکینہؑ کو لئے شاہؑ کی ہمشیر
خود ہاتھوں کو پھیلا کے یہ بولے شہ دلگیر
آ آ میری پیاری ترا مشتاق تھا شبیرؑ
بابا تری اس چاند سی صورت پہ فدا ہو
کیوں آکے لپٹتی نہیں کیا ہم سے خفا ہو

لو جانے دو غصّہ کو مری گود میں آؤ
ہم آنکھیں ملیں چہرے سے منھ آگے تو لاؤ
مہماں ہیں تمہارے ہمیں بی بی نہ رلاؤ
عاشق جو ہماری ہو تو آنسو نہ بہاؤ
ہم ہوں گے کہیں تم کہیں جاؤ گی سکینہؑ
ڈھونڈھو گی تو پھر ہم کو نہ پاؤ گی سکینہؑ

ہے صبح فراق پدر بیکس و ناکام
دن ہجر کے آ پہونچے گئے وصل کے ایّام
لکھا تھا بہت کم تری تقدیر میں آرام
دکھلائے گی یہ صبح یتیمی کی تمہیں شام
ہے زیست کی لذّت یہی جو دم تمہیں دیکھیں
تم دیکھ لو جی بھر کے ہمیں ہم تمہیں دیکھیں

فرصت جو عبادت کے سبب ہم نے نہ پائی
کچھ دور نہ تھی ہم پہ تمہیں نیند نہ آئی
غم باپ کا اور قید کا دُکھ جانِ حزیں پر
چھوڑا نہ کبھی چار برس تک مرا پہلو
واں ہوگا کہاں سر کے تلے باپ کا بازو
کیوں دم مرا صدمے سے نہ گھبرائے سکینہؓ

یہ آخری شب عمر کی ہے اے مری جائی
کیا ہوئے گا جب ہوگی مہینوں کی جدائی
کیوں کر تمہیں نیند آئے گی زنداں کی زمیں پر
مُنھ چھاتی پہ رکھ کر تمہیں سو جانے کی تھی خُو
اُٹ جائیں گے اب گردِ یتیمی سے یہ گیسو
یہ تیرا گلا اور رسن ہائے سکینہؓ

حضرتؑ نے جو بیٹی سے کہے یہ سخنِ یاس
گودی میں گئی باپ کی گھبرا کے وہ بے آس
دشوار تھا یہ ہجرِ پدر رشکِ چمن پر
مُنھ پر کبھی منھ ملتی تھی دے دے کے دعائیں
کہتی تھی کبھی گھر سے نہ حضرت کہیں جائیں
آنے دو اگر پیاس سے غش آئے گا بابا

دل ٹکڑے ہوا رونے لگے حضرت عباسؑ
رُخ زرد تھا نیلے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
باہیں تو گلے میں تھیں دہن شہ کے دہن پر
لیتی تھی کبھی ننھے سے ہاتھوں سے بلائیں
روتی نہیں میں آپ نہ اب اشک بہائیں
تم جیتے رہو پانی بھی مل جائے گا بابا

کیوں کڑھتے ہو بابا مجھے ایسی تو نہیں پیاس
اس وقت کی باتوں سے بہت ہے مجھے وسواس
پھر کل کی طرح نیند مری کھوؤ گے بابا
ننھے سے کلیجے پہ مرے چلتی ہے تلوار
کیا قصد ہے جانا ہے کہاں یا شہِ ابرار؟
صدقے گئی ناقوں پہ حرم ساتھ نہ ہوں گے

کمتی نہیں پانی کی سلامت رہیں عباسؑ
کیا آج کی شب کو بھی نہ رہیے گا مرے پاس
میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوؤ گے بابا
کھلتا نہیں کچھ آپ نے کیوں باندھے ہیں ہتھیار
تشویش کچھ ایسی ہے کہ بھولا ہے مرا پیار
کیا یہ سفر ایسا ہے کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے

شہ بولے کہ درپیش ہے مجھ کو وہ سفر آہ
بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ
وہ راہ ہے دھڑکا سحر و شام ہے جس کا
کرتا نہیں غربت میں کوئی آکے مدد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہونچا کے لحد تک
نے دوست نے احباب نہ ہم بزم گئے ہیں

اک ایک قدم جس میں ہیں سو صدمۂ جانکاہ
جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ
پہلی ہے وہ منزل کہ لحد نام ہے جس کا
گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
وہ خانۂ تاریک وہ تنہائی ابد تک
تنہا یونہی شاہانِ اولوالعزم گئے ہیں

جو خلق میں تھے صاحب تخت وعلم وتاج
نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج ونگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیر زمیں ہیں

اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ
یاور نہ مصاحب نہ مُحبانِ وطن ساتھ
نے مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ
دنیا کے کل اسباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ
آجاتی وہاں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا

آرام کے خوگر کو سختی کی کہاں تاب
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بے خواب
تربت میں کہاں راحت وآرام کا اسباب
جز داغ جگر روشنیٔ شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

پہلو کے نہ وہ تکیے نہ راحت کا بچھونا
دشوار ہے واں سر کے تلے ہاتھ کا ہونا
بستر وہی مٹی کا وہی قبر کا کونا
وہ یاس سے رخسار دھرے خاک پہ سونا
رہتا ہے لباس ایک بہر حال گلے میں
بر میں کفن اور نامۂ اعمال گلے میں

صحبت تھی شب و روز کی جن سے وہ کہاں پاس
ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
وہ قبر کا ڈر پرسش اعمال کا وسواس
اس ملک سے دنیا میں پھر آئے گی نہیں آس
دکھلائیں تو زک چار دن افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

کیا اُن کو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
تاریکیٔ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
پوچھے کوئی اُن لوگوں سے جو زیر زمیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیوں کر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیوں کر

بتلاؤ مسافر کو نہ تشویش ہو کیوں کر
نے راحلہ نے زاد سفر پاس نہ رہبر
غربت میں نئی راہ نئے لوگ نئے گھر
وہ خانۂ پُر ہول یہ آرام کا خوگر
تربت بھی نہ جلد اے مرے دل سوز ملے گی
منزل وہ نہیں بعد چہل روز ملے گی

یہ کہہ کے بہت روئے شہنشاہِ مدینہ
فرمایا کہ لو جاؤ پھوپی پاس سکینہؑ
ہے آج تلاطم میں محمدؐ کا سفینہ
مشتاق ہے اب ظلم کے نیزوں کا یہ سینہ
جائے گا سوئے شام یہ سر تیغ سے کٹ کر
پس چار برس سو چکیں چھاتی سے لپٹ کر

وہ کہتی تھی للہ نہ گودی سے اُتارو
آئی ہے بلا سر پہ تو پہلے مجھے وارو
ننھّے سے کلیجے پہ نہ اب برچھیاں مارو
مرجاؤں گی بابا نہ سدھارو نہ سدھارو
ہوتا ہے خفا یوں کوئی نازوں کے پلے سے
ہے ہے مرے ہاتھوں کو چھڑاؤ نہ گلے سے

سینے پہ مرے ہاتھ تو رکھیں شہ والا
ہے ننھّے سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
ٹپکوں گی سراپا جو قدم گھر سے نکالا
کیا داغ دکھانے کے لئے تھا مجھے پالا
مرجائیں گے گر آپ کے دشمن تو جیوں گی
رسّی سے بندھے گی مری گردن تو جیوں گی

بچنے کی نہیں جان اب اس تشنہ دہن کی
تدبیر کیے جائیے ننھّے سے کفن کی
منظور ہے گر سیر شہادت کے چمن کی
اچھا مجھے کیا راہ نہیں ملنے کی رن کی
اماں کے بھی رونے کا میں غم کھاؤں گی بابا
میں چھوڑ کے ان سب کو چلی آؤں گی بابا

بیٹی سے جدا ہوکے کہاں جاتے ہیں حضرت
کس کے لئے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
وہ کون ہے جس کی ہے یہ اُلفت یہ محبت
حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہے اُمّت
جو خاص ہیں ان میں وہ ہمارے ہیں سکینہؑ
وہ تم سے زیادہ ہمیں پیارے ہیں سکینہؑ

ہو جائیں جب اٹھارہ بنی فاطمہؑ بے سر
اور داغ یتیمی ہو تمہیں اے مری دلبر
اسباب لٹے قید ہو سجّاد جلے گھر
تب آتش دوزخ سے بچیں شیعۂ حیدرؑ
راضی ہوں میں واللہ ستم مجھ پہ یہ سب ہوں
پر حشر میں شیعوں کو نہ کچھ رنج و تعب ہوں

یوں کہنے لگی سینے پہ منھ رکھ کے وہ ناداں
کہتے ہیں یتیمی کسے میں آپ کے قرباں
حضرت نے کہا سخت مصیبت ہے مری جاں
یہ داغ ہے بچّوں کے لئے موت کا ساماں
تن آتش غم سے صفت شمع گھُلے گا
یہ حال تمہیں عصر کے بعد آج کھُلے گا

اب تک تو یہ ہے ظلم کہ ملتا نہیں پانی
پھر باندھیں گے رسّی سے گلا ظلم کے بانی
تم لاکھ کہو گی کہ ہیں بابا کی نشانی
لوٹیں گے یہ بندے بھی ترے دشمن جانی
جلاد مری روح کو غمناک کریں گے
موتی کے لئے کان ترے چاک کریں گے

یہ کہہ کے جو شہؑ نے اُسے گودی سے اتارا
غش ہو گئی بانو نہ رہا ضبط کا یارا
ہمشیر نے حضرت سے کیا رو کے اشارا
آؤ کہ لگا لیں تمہیں چھاتی سے دوبارا
حضرت یہ بھی دشوار تھی ماں جائی کی رخصت
کم تھی نہ قیامت سے بہن بھائی کی رخصت

پھٹتا تھا جگر شاہ کا زینبؑ کے بیاں سے
کہتی تھی بہن کوچ ہے بابا کا جہاں سے
کیا کیا مرے کام آئی ہیں اس رنج و محن میں
بچپن سے کسی دکھ میں برادر کو نہ چھوڑا
تنہا کبھی فرزندِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑا
فرقت نہ ہو اک دم یہ دعا شام و سحر تھی

یہ کہہ کے چلے شاہ بچھی یاں صفِ ماتم
سر کھولے ہوئے بیٹھی تھی بانوؑ پُر غم
در تک بھی نہ پہونچے تھے کہ غش کر گئی زینبؑ
نکلے درِ دولت سے شہنشاہِ فلک جاہ
اٹھارہ ۱۸ بنی فاطمہؑ تھے آپ کے ہمراہ
تھا فرش سے تا عرش سماں جلوہ گری کا

سکّانِ سماوات یہ کرتے تھے اشارے
آتی تھی صدا گرد ہیں یاں نور تمھارے
یہ سب وہ بشر ہیں جو بنے نورِ خدا سے
رتبے ہیں زیادہ ملک و حور سے اُن کے
کرتا ہے قمر کسب ضیا نور سے ان کے
آخر تو نکل آئیں گے سارے جو چھپیں گے

دیکھا رفقا نے جو رُخِ قبلۂ عالم
حضرت نے عجب پیار سے دیکھا اُنھیں اُس دم
نازاں ہیں عنایاتِ شہِ تشنہ گلو پر
گرد ان کے دامن جو بڑھے سیّدِ ابرارؐ
فرمانے لگے بڑھ کے یہ عباسؑ خوش اطوار
جبرئیلؑ پکارے نہیں حاجت ہے کسی کی

کیا درد کے الفاظ نکلتے تھے زباں سے
شہ کہتے تھے میں آج جدا ہوتا ہوں ماں سے
سب طور تھا امّاں کی محبّت کا بہن میں
فاقے کئے اکثر مگر اس گھر کو نہ چھوڑا
چھوڑا وطن اور نائب حیدرؑ کو نہ چھوڑا
غربت میں بچھڑ جانے کی لیکن نہ خبر تھی

گویا کہ ہوئی بزم عزا درہم و برہم
برپا تھا یہی شور کہ ہے ہے شہِ عالم
سر پیٹ کے فضہ نے کہا مر گئی زینبؑ
پردے سے ہوئی جلوہ نما قدرتِ اللہ
جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقبِ ماہ
ڈیوڑھی تھی دریچہ فلکِ نیلوفری کا

دیکھو کہ زمیں پر بھی نکلتے ہیں ستارے
تارے یہ وہ تارے ہیں کہ جو ہیں ہمیں پیارے
ہے عرش بھی روشن انھیں تاروں کی ضیا سے
جلوے ہیں فزوں روشنیِ طور سے ان کے
عابد ہیں یہ نظارے کرو دور سے ان کے
پھر ان کو نہ دیکھو گے یہ تارے جو چھپیں گے

مجرے کے لئے صلِّ علیٰ کہہ کے ہوئے خم
ہر اک کی زباں سے یہی نکلا کہ فدا ہم
سو سر ہوں تو قرباں کریں ہر سر مو پر
لینے کو رکاب آئے رفیقانِ وفادار
اس خدمتِ عالی کا ہے بندہ ہی سزاوار
بچپن سے بھی خادم کو تمنّا تھی اسی کی

اسوار ہوا جب وہ دو عالم کا خوزادہ
گھوڑا جو بڑھا کاہکشاں بن گیا جادہ
ہمراہ علم دھوپ میں تھا ظلِ خدا بھی
تھوڑا سا تو لشکر پہ خوشا رعب زہے شان
وہ حُسن کہ حوران جناں جن پہ ہیں قربان
خورشید بھی شرمندہ ہو رُخ جلوہ گر ایسے

وہ چاند سے ماتھے وہ قبائیں وہ عبائیں
تن پھولوں سے غنچوں کی طرح تنگ قبائیں
نورِ مہ کامل کبھی سینے کو نہ پہونچے
کس شان سے شملوں کے سرے دوش پہ چھوڑے
تیغیں بھی جو برسیں تو کبھی مُنھ کو نہ موڑے
برباد کریں کوہ کو ہاموں کو اُلٹ دیں

جاتے تھے سواری میں جلال و حشم آگے
جلدی تھی ہر اک کو کہ نکل جائیں ہم آگے
جنّت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی رن میں
کیا اوج تھا نخلِ علمِ فوجِ خدا کا
غل تھا کہ یہ ہے سروِ رواں باغِ وفا کا
ٹوکے وہ انھیں بڑھ کے لڑا ہو جو علیؑ سے

ان چاند سے چہروں نے دکھائی تھی عجب ضو
شبیرؑ کے عاشق اسد اللہ کے پیرو
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
بندھتی تھیں صفیں یاں کہ علم کھل گئے واں کے
تلواریں لئے غول بڑھے فوجِ گراں کے
آرام میں زہراؑ و علیؑ کے خلل آیا

لشکر کا ہوا جاہ و حشم اور زیادہ
جبرئیلؑ چلے ساتھ سواری کے پیادہ
جبرئیلؑ بھی تھے سایہ فگن سر پہ ہما بھی
دیں داروں کی جان اور مسلمانوں کا ایمان
سیرت میں ملک دیکھئے صورت کو تو انسان
چلّاتی تھیں پریاں نہیں دیکھے بشر ایسے

تسبیحیں تو ہاتھوں میں زبانوں پہ دعائیں
بس جائے وہ سب راہ یہ جس راہ سے جائیں
بو ایسی کہ عطر ان کے پسینے کو نہ پہونچے
وہ رعب وہ اقبال وہ ہتھیار وہ گھوڑے
اک اک جری شیر کے پنجے کو مروڑے
خیبر کی طرح قلعۂ گردوں کو اُلٹ دیں

غل تھا کہ بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
پیچھے تو محمدؐ کا نشاں تھا علم آگے
طوبیٰ نے جگہ پائی تھی زہراؑ کے چمن میں
فردوس بھی شایق تھا پھریرے کی ہوا کا
پنجہ پہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا
یہ شیر گرسنہ نہیں رُکنے کے کسی سے

میدان میں تھا چار طرف نور کا پرتو
اعدا تو کئی لاکھ یہ پورے بھی نہ تھے سو
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے
ڈنکا جو ہوا ہل گئے دل پیر و جواں کے
مظلوموں پہ در بند ہوئے امن و اماں کے
آمد ہوئی تیروں کی پیامِ اجل آیا

دو لاکھ لعینوں کے چلے تیر جو پیہم
بے جاں ہوئے اک دم میں پچاس آپ کے ہمدم
عباسؑ علمدار نے کی عرض یہ اُس دم
بائیس [۲۲] جواں رہ گئے اے قبلۂ عالم
بے حکم تو قبضوں پہ نہ یہ ہاتھ دھریں گے
حسرت نہ رہے گی جو دعا کر کے مریں گے

اک ان میں سے بڑھ جائے گا چمکا کے جو تلوار
ہو جائے گی موقوف ابھی تیروں کی بوچھار
حضرت نے کہا فتح سے کیا مجھ کو سروکار
ہوں میں تو فقط بخششِ اُمّت کا طلبگار
تیغ و تبر و تیر و سناں کھانے دو بھائی
سب لوگوں سے پہلے مجھے مرجانے دو بھائی

عباسؑ نے رو کر کہا اے سیدِ اکرم!
کیجے گا یہی خلق سے اُٹھ جائیں گے جب ہم
آقا کو بھلا دیکھ سکے گا کوئی بے دم
یہ سب ہیں غلام آپ کے اے قبلۂ عالم!
چلنا صفِ جنگ گاہ میں تلواروں کا دیکھیں
آج آپ مزا اپنے نمک خواروں کا دیکھیں

مولاؑ [۲] نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ
یہ سُنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گُل رنگ
شیروں نے عجب شان سے گھوڑوں کے کسے تنگ
نیزے جو سنبھالے تو علم دار ہوئے دنگ
دیکھا نظرِ غیظ سے افواجِ لعیں کو
لرزہ ہوا نعروں سے دلیروں کے زمیں کو

تنہا گئے یوں فوج پہ وہ صاحبِ شمشیر
جوں گلّۂ آہو پہ جھپٹتا ہے کوئی شیر
انبار تھے لاشوں کے اِدھر ڈھیر اُدھر ڈھیر
ہاتھ اُڑ گئے پہونچوں سے زبردست ہوئے زیر
پاس آ نہ سکے دور سے بے پیروں نے مارا
تلواریں نہ کھائیں پہ انھیں تیروں نے مارا

جب سوئے جناں شہؑ کے مددگار سدھارے
جاں بازیاں دکھلا کے وہ جرّار سدھارے
دُنیا سے جوانانِ خوش اطوار سدھارے
غم رہ گیا شبیرؑ کے غم خوار سدھارے
لشکر نہ رہا شاہِ فلک جاہ کے ہم راہ
اٹھارہ [۱۸] ستارے تھے فقط ماہ کے ہم راہ

چھپنے لگے جب دم وہ ستارے بھی نظر سے
کھینچی قمرِ فاطمہؑ نے آہ جگر سے
دو [۲] بھانجے ٹکڑے ہوئے شمشیر و تبر سے
یاں تک کہ جدائی ہوئی بھائی کے پسر سے
پامال ہوا یوں بدن اس رشکِ چمن کا
لاشہ نہ اُٹھایا گیا فرزندِ حسنؑ کا

جب قتل ہوا حضرت عباسؑ سا بھائی
تھا شور کہ اب سبطِ نبیؐ کی اجل آئی
روتے تھے کہ بیٹے نے سناں سینے پہ کھائی
پس تین پہر میں ہوئی سب گھر کی صفائی
پہونچے صفتِ نکہتِ گل باغ ارم میں
پیدا ہوئے برسوں میں فنا ہوگئے دم میں

مارے گئے زینبؑ کے پسر آنکھوں کے آگے
عباسؑ ہوئے خون میں تر آنکھوں کے آگے
دُنیا سے گئے نورِ نظر آنکھوں کے آگے
دیکھا کیے اور لُٹ گیا گھر آنکھوں کے آگے
سہرا بھی جواں بیٹے کا بابا نے نہ دیکھا
وہ کون سا تھا داغ کہ مولاؑ نے نہ دیکھا

کیا روئے تھے یعقوبؑ جو بچھڑا تھا پسر ایک
ہر نخل ہے خواہاں کہ جدا ہو نہ ثمر ایک
مرجاتی ہے بلبل جو خزاں ہو گلِ تر ایک
یاں داغ عزیزوں کے بہتّر ہیں جگر ایک
صدمے سے لہو تن میں نہیں زرد ہیں شبیرؑ
اک زخم جگر کیا ہمہ تن درد ہیں شبیرؑ

حضرت جو ہیں بیتاب تزلزل میں ہے گیتی
کاٹی ہوئی سب خاک پہ زہرا کی ہے کھیتی
وہ دھوپ وہ لوں اور وہ جلتی ہوئی ریتی
ان سب کے سوا پیاس سنبھلنے نہیں دیتی
نیلے ہیں لبِ لعل کمر ضعف سے خم ہے
تلواریں ادھر کھینچے ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہے

اسوار ادھر بڑھتے تھے تیروں کو سنبھالے
یاں تیر دعاؤں کے ہیں اور آہوں کے بھالے
واں فوجِ سیہ رونے عَلَم کھولے ہیں کالے
ہیں لعل کو زہراؑ کے اُدھر جان کے لالے
میداں سے نہ بڑھتے تھے نہ ہٹ سکتے ہیں شبیرؑ
عباسؑ کے لاشے کی طرف تکتے ہیں شبیرؑ

تنہائی کا احوال بھی مردم پہ عیاں ہے
جو نور نظر تھا وہی آنکھوں سے نہاں ہے
پیرانہ سری میں غمِ فرزندِ جواں ہے
بھائی نہیں اب بازوؤں میں زور کہاں ہے
لوٹا ہے فلک عالمِ غربت میں لٹے ہیں
ابنِ اسداللہ سے دو شیر چھٹے ہیں

اس فوج میں ڈھالوں کا ہے اک ابر سا چھایا
اور چاند پہ زہراؑ کے ہے خورشید کا سایا
واں گھوڑے بھی سیراب ہیں دانا بھی ہو کھایا
یاں تیسرا ہے روز کہ پانی نہیں پایا
خیمے ہیں اُدھر دھوپ بھی لشکر پہ نہیں ہے
چادر تک اِدھر لاشۂ اکبرؑ پہ نہیں ہے

پلّے پہ کماں داروں کے ہے سترِ سیہ رو
چلّوں سے ملائے ہوئے ہیں تیرِ جفا جو
جب تھاتے ہیں تیغ کا قبضہ شہِ خوش خو
تھرّاتا ہے وہ تیر سے ٹوٹا ہوا بازو
ایذائے جراحت ہے مگر اُٹھ نہیں سکتی
اس ہاتھ سے تیغ اس سے سپر اُٹھ نہیں سکتی

ہردم متقاضی ہیں یہ اس فوج کے سردار
طاقت نہیں لڑنے کی تو رکھ دیجیے ہتھیار
مولا سے یہ کہتی تھی یداللہ کی تلوار
جوہر مرے دکھلائیے یا سیّدِ ابرار!
ڈر سے نہ قدم ٹھہریں گے بیداد گروں کے
اک دم میں اُڑا دوں گی سر ان خیرہ سروں کے

بے رحم ہے یہ قوم بس اب رحم نہ کیجے
اے قبلۂ کونین مجھے میان سے لیجئے!
سب قتل ہوئے خویش پسر بھائی بھتیجے
صف بستہ ہیں کفار شکست اب انھیں دیجے
میں وہ ہوں کہ جس دم صف اعدا پہ جھکوں گی
جبریل بھی روکیں گے تو ہرگز نہ رُکوں گی

شہ کہتے تھے اے تیغ دغا کس کو دکھاؤں
جرأت جو دکھاؤں تو بھلا کس کو دکھاؤں
زور آوریٔ شیر خدا کس کو دکھاؤں
ضربِ اسدِ قلعہ کشا کس کو دکھاؤں
صبر ان کی جفاؤں کا کیا خیر بشر نے
بیٹوں کی تباہی کبھی چاہی ہے پدر نے

بالفرض کہ سب قتل ہوئی فوج ستمگر
پھر مجھ سے ملیں گے مرے بچھڑے ہوئے یاور
بتلا مجھے جی اُٹھیں گے عباسؑ دلاور؟
چھاتی سے لپٹ جائیں گے آکر علی اکبرؑ؟
اک دم کے لئے گلشن ہستی کو اُجاڑوں
نانا کی بسائی ہوئی بستی کو اُجاڑوں

یہ کہتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر
ماتھے سے لہو بہ کے گرا دامنِ زیں پر
غصے سے نظر آپ نے کی لشکرِ کیں پر
تھرانے لگے روح امیں عرشِ بریں پر
واں زینبؑ ناشاد کھلے سر نکل آئی
یاں تیغِ علیؑ میان سے باہر نکل آئی

ہاتف کی صدا آئی کہ اے تابعِ تقدیر
ہاں اب ہے اجازت کہ دکھا جوہرِ شمشیر
گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سُن کر شہِ دلگیر
نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکرِ بے پیر
ناطاقتیٔ جسم نہ مطلق نظر آئی
تصویرِ جلالِ اسدِ حق نظر آئی

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
ڈھالیں نہ اُٹھی تھیں کہ گری برقِ شرربار
گرمی سے ہوا میں شرر اُڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ سر اُڑتے نظر آئے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق
مُنھ زہر برش قہر بدن آگ زباں برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

اُٹھ کر کبھی ٹھہری کبھی لپکی کبھی چمکی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر بہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدادگروں کی
تھی منھ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

تیزی تھی کہ لشکر بھی ہر اک تھا مُقِر اُس کا
خم ہو گئی تھی قلب یہ تھا منکسر اُس کا
تھی سم کی حرارت جو بدن اس کا ہرا تھا
پایا تھا عجب زور عجب تیغ عجب ہاتھ
کچھ دست میں اعدا کے نہ تھا ملتے تھے سب ہاتھ
شمشیر اجل فوج کے بھالوں سے رُکی ہے

کس کے سر و گردن میں جدائی نہ دکھائی
کس کو اسد حق کی لڑائی نہ دکھائی
ریلا جو ہوا ناریوں کو رول کے نکلی
اک ضرب میں ہاتھ اُس کے اُڑائے تو سر اُس کا
دل اُس کا دو پارہ کیا کاٹا جگر اُس کا
جس جا پہ جھکے خون کی ندی وہیں بہ جائے

سرداروں کو تیغ دو زباں ڈھونڈھ رہی تھی
اعدا کے یہ چھپنے کا مکاں ڈھونڈھ رہی تھی
جو ہاتھ لگا خون میں اُسے بھر دیا اُس نے
تھا صورت آئینہ تمام اُس کا بدن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف
نا اہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا

تھا دور تلک خون سے اُس فوج کے رن سُرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن سُرخ
بے وجہ نہ مُنھ لال تھا اس عربدہ جو کا
مغفر سے جہلم کٹ گئی گردن میں در آئی
جوشن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے

تھا کاٹ میانِ دو جہاں مشتہر اُس کا
بے فتح عدو پر بھی نہ کھلتا تھا سِر اُس کا
افعی کی طرح پیٹ میں کیا زہر بھرا تھا
بجلی سی چمک جاتی تھی اُٹھ جاتا تھا جب ہاتھ
پھرتی تھی عجب جسم میں چلتا تھا عجب ہاتھ
گرتی ہوئی بجلی کبھی ڈھالوں سے رُکی ہے؟

صف کون سی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
مقتل میں کسے عُقدہ کشائی نہ دکھائی
شیرازۂ اجزائے بدن کھول کے نکلی
شاخیں کٹیں اس نخلِ ستم کی ثمر اُس کا
دم ہو گیا آخر ادھر اس کا اُدھر اُس کا
کیا دخل تھا اس کا کہ کسی باک پہ رہ جائے

کفار کے علموں کا نشاں ڈھونڈھ رہی تھی
سب فوجِ ستم جائے اماں ڈھونڈھ رہی تھی
پایا جسے یکتا اُسے دو کر دیا اُس نے
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منھ صاف دہن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
میں برق غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سُرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سرخ دہن سُرخ
بیڑہ وہ اُٹھائے ہوئے تھی خون عدو کا
گردن سے سرکنا تھا کہ جوشن میں در آئی
تن سے ابھی اُتری تھی کہ توسن میں در آئی
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پُر قہر قضا کا
باڑھ ایسی کہ رُخ پھر گیا دریا کی گھٹا کا
تمغے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا

خم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی
شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
اک آگ لگی وار جدھر چل گیا اُس کا

سیدھی جو چلے وہ تو صفِ فوج الٹ جائے
تھرّائے فلک گاؤ زمیں ڈر کے سمٹ جائے

اس برق کا ہمسر کوئی دنیا میں کہاں ہے
جب شعلۂ سرکش کی طرح فوج پہ لپکی
تھرّائے جگر آنکھ ستم گاروں کی جھپکی
سب ناریوں کو خاک کا پیوند کیا تھا

دم بھر کہیں شمشیرِ سرانداز نہ ٹھیری
رو کا کئے وہ تفرقہ پرداز نہ ٹھیری
جب ہاتھ اُٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اُس کا

پیری کبھی گہ خوں میں نہا کر نکل آئی
کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی

کیا ڈر اُسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا
غصّے میں گئی اور غضبناک پھر آئی
بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا
بد اصل تکبّر کے سخن کہتے ہیں اکثر

نا بیں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
یشتہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
جوہر میں انّا سیفِ ید اللہ لکھا تھا

مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
تھی تیغ کہ قبضے میں سلیماںؑ کے پری تھی
جو آگیا سائے میں بدن جل گیا اُس کا

دشمن پہ پڑے جب تو لہو جسم کا گھٹ جائے
دیکھو جو خم اُس کا مہ نو شرم سے کٹ جائے

یہ سب صفتیں جس میں ہوں وہ سیفِ زباں ہے
تصویر نظر آگئی بجلی کی تڑپ کی
سر اُڑ گئے اور خون کی اک بوند نہ ٹپکی
آبِ دمِ شمشیر نے دم بند کیا تھا

بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھیری
بے صید گئے صورتِ شہباز نہ ٹھیری
پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُس کا

ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی

جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہو ایسا
افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی
غل ہوتا تھا بھاگو کہ وہ سفّاک پھر آئی
یہ مرگ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو

نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
یہ فتح کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

سرکش تھے جو اس فوجِ ستم گر میں ستم گار
اک وار میں کرتی تھی دو لخت اُن کو وہ تلوار
جل جل کے وہ اخگر کی طرح ہوتے تھے فی النّار
ترکیب عناصر میں خلل پڑتا ہے ہر بار
دو چار ہوا سامنے جو خیرہ سر آیا
ہر مصرعۂ قد اُس کا رباعی نظر آیا

غل فوج میں تھا سیلِ فنا آئی ہے بھاگو
مُنھ کھولے ہوئے سر پہ بلا آئی ہے بھاگو
جانیں نہیں بچتیں کہ وبا آئی ہے بھاگو
سر اُڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی ہے بھاگو
ان ڈھالوں سے روکوگے کیسے ہوش کہاں ہیں
جھونکا کوئی آیا تو یہ سب نخلِ خزاں ہیں

جلتی تھیں صفیں شعلہ فشانی تھی غضب کی
کٹتے تھے عدو سیف زبانی تھی غضب کی
لوہے سے نہ رُکتی تھی روانی تھی غضب کی
آفت تھی قیامت کی نشانی تھی غضب کی
بجلی سی چمکتی تھی تو ہٹ جاتے تھے جبریلؑ
شہپر کو اُٹھائے ہوئے تھرّاتے تھے جبریلؑ

جب کوند کے اُٹھتی تھی وہ شمشیرِ فنا دم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظِ عالم
فوجیں تھیں بنی جان کی سب درہم و برہم
مضطر تھے فلک کانپتا تھا عرشِ معظّم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریلؑ
یا شیرِ خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبریلؑ

لشکر میں یہ تھا شور کہ یا شاہ اماں دو
اب پاؤں ٹھہرتے نہیں للّٰہ اماں دو
بس رحم کرو سیّدِ ذی جاہ اماں دو
اب بہرِ سرِ خونِ یداللہ اماں دو
بخشو ہمیں اس تشنہ دہانی کا تصدّق
پیارے علی اکبرؑ کی جوانی کا تصدّق

دل تھام کے ہاتھوں سے پکارے شہِ والا
کیا نام لیا یہ کہ لگا قلب پہ بھالا
پھر ہو گیا سینے میں کلیجہ تہہ و بالا
پہلو تو مرے قتل کا یہ خوب نکالا
اچھا نہیں اب لڑنے کی راضی برضا ہیں
سو سر ہوں تو اکبرؑ کی جوانی پہ فدا ہیں

پھر رو کے یہ فرزند کے لاشے کو پکارے
ہم روکتے ہیں تیغ کو کیا کہتے ہو پیارے
اے شیرِ جواں باپ کی پیری کے سہارے
یہ دشمنِ دیں بچ گئے صدقے میں تمہارے
رحم ان پہ کیا گو مجھے غم دیتے ہیں اعدا
اب تیری جوانی کی قسم دیتے ہیں اعدا

تم مر گئے بے جا ہے یہ کوشش یہ لڑائی
وہ کیا جیے جس پاس نہ بیٹا ہو نہ بھائی
اس جنگ نے مرنے میں بڑی دیر لگائی
ہو جائے کہیں جلد سر و تن میں جدائی
بس لڑ چکے اب تیغ و سناں کھائیں گے بیٹا
بے جان دیے ہم نہ تمھیں پائیں گے بیٹا

فرما کے یہ شمشیرِ شرر ریز کو روکا	روکا اُسے کیا شعلۂ سر تیز کو روکا
بے کل تھا مگر اسپِ سبک خیز کو روکا	کس پیار سے چمکار کے شبدیز کو روکا
فرمایا کہ اُمت کا بھلا ہوتا ہے گھوڑے	راکب ترا اب تجھ سے جدا ہوتا ہے گھوڑے
شمشیرِ ید اللہ ادھر میان میں آئی	اور جان لعینوں کی اُدھر جان میں آئی
پھر فوج عدو قتل کے میدان میں آئی	فریاد کی زہراؑ کی صدا کان میں آئی
رونے کا اُٹھا شور مدینے کی طرف سے	صاف آئی صدا ہائے حسیناؑ کی نجف سے
واں خیمے سے نکلے حرمِ احمدِ مختار	یاں قبلۂ عالم پہ ہوئی تیروں کی بوچھار
فریاد ہے اک تشنہ دہن لاکھ ستم گار	تلواریں تو سب فوج کی اور ایک تنِ زار
گھر لُٹتا تھا زہراؑ کا قیامت کی گھڑی تھی	بوچھار نہ تھی تیروں کی ساون کی جھڑی تھی
ٹکڑے ہوا تیغوں سے محمدؐ کا جگر بند	کٹ کٹ کے جدا ہونے لگے بند سے ہر بند
پرزے تھی قبا خون میں ڈوبا تھا کمر بند	ہر زخم کے کوچے تو کھُلے امن کے در بند
طاقت جو نہ تھی ضعف سے تھرّاتے تھے شبیرؑ	جب پڑتی تھی تلوار تو جھک جاتے تھے شبیرؑ
جب لگتی تھی برچھی تو یہ فرماتے تھے سرورؑ	زخمی تری چھاتی کے میں صدقے علی اکبرؑ
تلوار سے کٹ جاتا تھا جب بازوئے انور	چلّا کے یہ کہتے تھے کہ ہیہات برادر!
کچھ تیر کے صدمے کو نہ کہہ سکتے تھے شبیرؑ	لاشِ علی اصغرؑ کی طرف تکتے تھے شبیرؑ
تھا عصر کا ہنگام کہ آفت ہوئی برپا	گھوڑے سے گرے شاہؑ قیامت ہوئی برپا
جنّ و ملک و انس میں رقّت ہوئی برپا	دُنیا میں اُسی دن سے مصیبت ہوئی برپا
دب دب کے جو پیکاں تنِ شفّاف سے نکلے	سر کھول کے پریوں کے پرے قاف سے نکلے
تڑپے جو زمیں پر کئی باری شہِ والا	تھا شور کہ لو ہوگئی دُنیا تہ و بالا
اُٹھتے تھے کہ مارا کسی بے رحم نے بھالا	خم ہوگیا وہ فاطمہؑ کی گود کا پالا
طاقت یہ کہاں تھی کہ جو اُٹھتے وہ سنبھل کو	غش ہو گئے ریتی پہ لہو مُنھ سے اُگل کر
خنجر کو اُدھر شمرِ ستم گار نے دیکھا	ڈیوڑھی سے اُدھر زینبؑ ناچار نے دیکھا
فرزند کا مُنھ حیدرِ کرّار نے دیکھا	خیمے کی طرف سیّدِ ابرار نے دیکھا
غم تھا نہ کہیں زینبؑ خوش خو نکل آئے	خنجر جو ملا حلق سے آنسو نکل آئے

جب خشک گلے پر ہوئی خنجر کی روانی
دو بار اشارہ کیا حضرتؑ نے کہ پانی
پیاسے ہی سدھارے نہ بجھی تشنہ دہانی
سر کاٹ کے سینے سے اُٹھا ظلم کا بانی
بھائی نے تڑپنا بھی نہ مانجائی کا دیکھا
نکلی جو بہن نیزے پہ سر بھائی کا دیکھا

ہاں حیدریو! مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
پُرسہ دو کہ ہے فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
ہے ہے شہ آوارہ وطن ہائے مسافر
مذبوح تھا تشنہ دہن صابر و شاکر!
زلفیں وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدّق
آقا ترے پیراہن پُرخوں کے تصدّق
ان زخموں کے قرباں دلِ مجروں کے تصدّق
ریتی پہ تڑپتے قدِ موزوں کے تصدّق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
سیّد ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
کاندھے پہ عبا رہی قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے شانے پہ ردا رہنے نہ پائی

وہ دھوپ وہ اُوس آٹھ پہر ہائے حسینا
لی آ کے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اُس نار میں اور نور میں رکھا
ظالم نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

خاموش انیسؔ اب کہ جگر چاک ہے غم سے
بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے
کر عرض بصد عجز شہنشاہِ اُمم سے
مولاؐ مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے
کب تک غمِ دُنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

رباعی

جو شے ہے فنا۔ اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل! اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

۵ مرثیہ بند ۱۴۲

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
واہ رے طالعِ بیدار زہے عزت و جاہ
پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ
مدتوں دور رہے ہو وہ قریب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر
اُوج و اقبال و حشم فوجِ خدا میں پایا
اللہ اللہ حُرِ صفدر و غازی کا نصیب
ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب
صدقے ہو جائے اسے عشقِ دلی کہتے ہیں

آیا کس شوق سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر
ذکرِ خیر اُس کے موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق
اوج دیں دار کو بے دین کو سدا پستی ہے

کیوں نہ بالیدہ ہو اُس کا چمن جاہ و جلال
ہو گیا فاطمہؑ کے باغ میں آتے ہی نہال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے

ایک ڈولا کھ سواروں میں بہادر تھا حُر
گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا
حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا اللہ اللہ
خضرِ قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ
بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ مُنیر
تکیۂ زانوئے شبیرؑ ملا وقتِ اخیر
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا
جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے حبیب
وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
اس کو دُنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

کوئی حضرتؑ کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بخیر
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں
کس بشاشت سے ہوا راہبرِ ایماں کا رفیق
خلق طینت میں ہو جس کے وہی ہوتے ہیں خلیق
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
وہ ثمر پائے کہ پہونچے نہ جہاں دستِ خیال
صورتِ برگِ خزاں دیدہ گنہ دور ہوئے

حُر کہاں اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف
بخت نے دیر سے پہونچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف
جب کہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا دُرِّ نجف
نیک جو امر ہیں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ حُر میں ہو زباں معترفِ عجز و قصور
آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ اللہ اللہ
کوئی ہم خلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ
چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبیؐ
آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی
یکّہ تازوں نے کیا شور مبارز طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماں دار بڑھے
بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن سُن کے مخاطب ہوئے اعدائے امام
اے سپاہِ عرب و روم و رَے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو!
شورِ باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو!

یہ صدا سُنتے ہی خود رُک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش
کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ نبیؐ سرمۂ آواز ہوا

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب یک بار
یوں گُہر بار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہ ناہنجار
قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار؟
وطن آواروں پہ یہ قہر ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا؟

مجھ کو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمع ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
مَیں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
مَیں ہوں انگشترِ پیغمبرِؐ خاتم کا نگیں
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزمِ عزّ و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہو وہ جہاں دار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں
وارثِ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرّک مری سرکار میں ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ فگار
بر میں کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار
کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے؟
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے؟

تنگ آئے گا تو رُکنے کا نہیں پھر شبیرؑ
ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ برّاں شمشیر
شیر ہوں لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علی ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمت کا خیال
روک لیتا مجھے رستے میں یہ حُر کی تھی مجال؟
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال
پوچھ لو دیکھا ہے اس نے مرے شیروں کا جلال
گفتگو میں سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں پہونچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہاتھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار
نیمچے تولتے تھے عونؑ و محمدؑ ہر بار
اُگلی پڑتی تھی جگر بندِ حسنؑ کی تلوار
میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرّار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیر جواں
سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ لے بھائی جاں
رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امامِ دوجہاں
کچھ تردّد نہیں سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایاں
کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیاں راچہ بیاں
اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
مُنھ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر
مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر
مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرمِ ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب
چھاگلیں جلد منگاؤ مرا دل ہے بیتاب
سقّے مشکیزوں کے مُنھ کھول کے آپہونچے شتاب
متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کارِ ثواب
چین آیا نہ مجھے بے انہیں آرام دیے
تھا جو اک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا
سقّے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے

آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں
فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زباں
پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا ابنِ ید اللہ نے جاں بخشی کی
دین و دُنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ
کہ اسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشمِ اُمید ہو کیا سب نے پھرا لی ہے نگاہ
کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلماں پہ نبیؐ زادے کا حق ہوتا ہے
بچّے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی طفل ان میں ہیں کمسن کہ موئے جاتے ہیں
دم اُکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو شرماتے ہیں
پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
عمرِ سعد نے کی پھر کے رُخِ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیوں کر کوئی منکر ہو جائے
سُخنِ حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں زمانے پہ ہے احسان ان کا
ابر رحمت ہیں خطا پوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں ان کا
ہے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں ان کا
جنّتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو اُدھر ہوگا خدا اُس کی طرف ہوئے گا

یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کر جو دعا فرمائیں
جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلبگار ہوں فوراً پائیں
جام کوثر ہمیں فردوس سے حوریں لائیں
مثل خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں
ہیں سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کی گنہ گار کی اُمید ہیں یہ
ذرّہ پرور جنھیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمر سعد شریر
یہ تو ہے صاف طرفداری شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر
اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدّح شبیرؑ
سُن چکا ہوں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
اُلفت شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں نہ وہ تیور نہ وہ چتون نہ مزاج
سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہؑ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرتؑ نے جمال
مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال
قصر یاقوت میں پہونچا جو ترا رنگ ہے لال
کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتاً حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بے ہوش کیا

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجھ کو خبر ہے تیری
قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری
جسم خالی ہے ادھر جان ادھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزند ید اللہ سے سازش کی ہے

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور
لکھیں گے عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکم شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور
گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے
زن و فرزند گرفتارِ بلا ہوئیں گے

نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر
شجرِ قامتِ سرورؑ پہ جو ڈالے گا نظر
اُلفت زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
بدر پیشانیٔ سرورؑ کا ہے جو سر میں خیال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکل ہلال
عشق رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا
خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھرّانا کیا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا
ابھی لے جائیں جو شبیرؑ کا سر ہاتھ لگے
حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار!
ابن زہراؑ ہے جگر بند رسولِ مختار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیوں کر لائے
کسی انساں نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے
الفتِ آلِ نبیؐ میری خوش اقبالی ہے
اسفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج
کیوں ترے سامنے مکروں کہ نہیں بخشا ہے
باغ جو مجھ کو دکھایا اُسے کیا جانے گا تو
تجھ کو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش رو
نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
عزّت دین شرفِ کون و مکاں ہیں شبیرؑ
سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؑ
مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے

آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر
سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اس کا ثمر
خالِ رُخ دیکھا تو گھر خاک سے لگ جائے گا
تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہوئے گا کمال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
مُنھ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ترا کٹ جائے گا
لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ہو نبیؐ یا کہ وصیؑ جنگ میں شرمانا کیا
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے
قابل لعن ہے تو اور وہ ترا سردار!
میرا کیا مُنھ جو کروں مدح امام ابرار
آپ قرآں میں خدا ان کی ثنا کرتا ہے
تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
اپنا محبوب و ولی جن کو خدا فرمائے
سنگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے
خاک پا اُس کا ہوں میں ہے جو سرِ عرش کا تاج
میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج
ہاں مجھے شاہ نے فردوس بریں بخشا ہے
راحت روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بو
کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
اُنھیں چھینٹوں سے تو بے ہوش کو ہوش آتا ہے
جان زہراؑ کی محمدؐ کی زباں ہیں شبیرؑ
جان کیوں ہو نہ ادھر جانِ جہاں ہیں شبیرؑ
وہ نہ بخشیں تو خدا تک نہ رسائی ہووے

کیا میں اور کیا وہ ریاست مری کیا میرے عیال — جب کہ آفت میں پھنسی احمدِ مختارؐ کی آل
واں کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال — یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو — خانہ بربادیٔ شبیرؑ کا غم ہے مجھ کو

دولتِ حاکمِ دوں پر ہے ترا دار مدار — دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیں دار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدّار — خوابِ غفلت ہے اُسے میرا ہے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا — دارِ طوبیٰ کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیٔ شاہ — سجدے کیجے کہ ہے بیت ابروؤں کی بیت اللہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لئے نورِ نگاہ — ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے — وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

خالِ رخسار نہیں گو ہے سعادت ہے یہ — مجھ سے مجرم کے لئے مہرِ شفاعت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ — بخدا سلسلۂ بخششِ اُمت ہے یہ
شبِ معراج رسولِ دو جہاں سمجھا ہوں — اُس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

وصفِ دنداں میں رہے جس کی زباں گوہر بار — موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفّار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار — حوریں غرفے سے دکھائیں اُسے رنگِ رخسار
دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں — یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لئے کٹتے ہیں

صدقے اس سینے پہ ہیں عاشقِ صافی سینہ — خاک اُس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ — اُس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا
فیض پاتا ہے وہ جس دل میں ولا ہوتی ہے — چشم کو ان کی زیارت سے جلا ہوتی ہے

پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے — تو سرِ دست سرافرازیٔ کونین وہ پائے
گردِ نعلینِ مبارک جو اثر اپنا دکھلائے — توتیا ہوئے خجل کحل جواہر شرمائے
صدقے کر دیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں — دوشِ احمدؐ پہ رہے جو یہ قدم ایسے ہیں

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے او ابلیس — یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکمِ ملعون و خسیس — کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھے پرچہ نویس
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں — لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
سُرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامؑ ابرار
پاؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار
غُل ہوا سیدؑ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرف دارِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا یا حیدرؑ صفدر مدد ے
وقتِ امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد ے
زوجِ زہراؑ مدد ے نفسِ پیمبرؐ مدد ے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد ے
تنِ تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر ترے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا
پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرم ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا
جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت پہ ارادہ ہوئے
ہاں برادر تری توفیق زیادہ ہوئے

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں
درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں
شورِ کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حُر
مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حُر
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حُر
کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی اے حُر
غضب اللہ کا شبیرؑ کی ناراضی ہے
پنجتنؑ تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

اور بالیدہ ہوا سُن کے یہ مژدہ ہزبر
دلِ بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر
قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لئے صحبتِ گبر
ہاں اُٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

سُن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرواز اڑا
کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غُل تھا دربارِ سلیماںؑ میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
یہ چھلاوہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی
ہم یہیں رہ گئے واں حُر کی سواری پہونچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہ دیں آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رُخِ حُرِ ذی جاہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں حس کے شمار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں

ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے

خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور
یہ تو کیوں کر کہوں میں لایق تعزیر نہیں

اے مددگار و معین الضعفا ادرکنی!
پاؤں لغزش میں ہیں لے دست خدا ادرکنی
دیجیے حُر کو سند نار سے آزادی کی

میرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی
آپ ہیں مالکِ سرکار جنابِ احدی
جو ہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف
ہوں سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے

ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
سب سے کہہ دو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

الغیاث اے جگر و جانِ رسولؐ مختار
عفو کر! عفو کر! اے چشمۂ فیضِ غفّار
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

مدد اے نوحِ غریباں مرا بیڑہ ہے تباہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
جان آ جائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

بات میں بخش دیے سیکڑوں بندوں کے قصور
بخش دیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
حُر اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے خبر گیر گروہ غربا ادرکنی!
ہاتھ باندھے ہوں میں لے عقدہ کشا ادرکنی
آیئے جلد خبر لیجئے فریادی کی

ہوں گنہ گارِ خدائے ازلی و ابدی
اے خداوندِ جہاں خذ بیدی خذ بیدی
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

اے سلیماں کہیں پامال نہ ہو مور ضعیف
کیجئے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہے خفیف
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
جوش میں آ گیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہِ امم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم
شکر کر سبط رسولؐ الثقلین آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لئے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھے ہے ہاتھوں کو میں ہوتا ہوں خجل
سہل کر دیں اُسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و توّاب ہے ربِّ عادل
جرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

حُر پکارا بابیٔ انت و امی یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گم راہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
سب ہو صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
مہر ذرہ پہ جو ہو نیّرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماںؑ ہو جائے

کون مقدادؓ تھے سلمانؓ و اباذرؓ تھے کون
آپ فرمائیں کہ عمارؓ دلاور تھے کون
شور عالم میں جو ہے مالک اشترؓ تھے کون
اے خداوندِ جہاں حضرت قنبرؓ تھے کون
انھیں قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اس مسبّب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کو وہ ایسا ہے جواد
ہم اسے بھولیں تو بھولیں اُسے ہر وقت ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد
شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانا اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

جس قدر اس سے طلب کیجئے خوشنود ہو وہ
صاحبِ جود ہے وہاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا واں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ ساتھ لئے حُر کو چلے شاہِ اُمم ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان و حشم سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دُور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے رفقا سائے میں ڈھالوں کے لئے آتے تھے

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہؑ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام عرض کی حُر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہو جنگ
لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہو جائے پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وا دریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہو گا شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہو گا

تُجھ پہ مخفی نہیں ہمدم سے جو کچھ ہے مرا حال راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب شہؑ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب شاہؑ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بہ دم یاں سے جو آواز بکا جاتی تھی گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسن چوکڑی بھول گئے جس کے تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون ہاتھ میں تیغ سپر دوش پہ بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خُود رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزۂ حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ
آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازوں کے جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

مطلع دوم

رن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں دار آیا
کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غم خوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرؑ کرار آیا
طبقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آمنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاکِ حضور
غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ وِلا دِل کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں
یہ وہی حُر جری ہے جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوشبو رخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلینِ مبارک کی عجب غازہ ہے

مہر ذرہ ہے جہاں چہرۂ روشن ایسا
چاندنی جس سے کرے کسبِ ضیا تن ایسا
حرز ہو بازوئے داؤدؑ کا جوشن ایسا
ہوش پریوں کے اڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے سلیمانؑ کی سواری آئی

حُر پکارا کہ سجا کہتے ہو لاشک لاریب
دامن حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے
نور بخشا پسرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام نو نے
گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دور دور آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہوئے گا خزانہ میرا

رخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے
مل کے آیا ہوں منھ اپنا قدمِ حضرتؑ سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے
وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
نیّرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈھوگے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

ایک سیّد کے مٹا دینے میں ہے کون سا نام
اُس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک کلام
خوشنما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام
شکر احسان جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا ہے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعد شریر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لئے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر
فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا مُنھ سُرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرّا گیا نعرے جو سُنے ضیغم کے
استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے
برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا
غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا
روند ڈالا اسے دم میں جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمن شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیر ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلئ ظفر راہ چلی
گہ بڑھی گاہ پھری گاہ تھمی گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کیں صفیں صاف مگر مُنھ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
پل نہ گزرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ پُتلی کو سپر کرتی ہے
ہے وہ طرّار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اس کے افسوں سے جو ساحر ہو وہ جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پرکالا
کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
آگیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا
اُس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے مُنھ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
ہاتھ مُنھ صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بے جان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گُل نئے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اس کا
جو بڑھا جنگ میں قصّہ ہوا فیصل اُس کا
شور تھا دیکھئے کیوں کر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا ہوں میں
سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ و بالا ہوں میں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو تڑپنے پہ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ یہ چمک میری ہے

نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے
ہاتھ اُڑا دیتی تھی پہونچوں سے تو سر گردن سے
نہ اُٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی سن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر اک کشتیٔ تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
کبھی مغفر میں کبھی سر میں کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لئے
تھی جگر کے لئے برچھی تو چھُری دل کے لئے

صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی
لاکھ تڑپا وہ نہ بے جان لئے باز آئی
غل ہوا شہپرِ شاہیں کے تلے قاز آئی
اُڑ گیا طائرِ جاں اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لئے تھی اُسے پر چھوڑ دیا
تھا نہ بس صیدِ زبوں کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
گھاٹ نے آئینہ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
حُر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنّت کی کلید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
جامۂ کفر کے پرزے بھی ہوئے قطع برید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لئے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لئے

کئی حلقے کئے پیہم جو کماں داروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفا کاروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
رُخ پھرا تھا کہ گری برق ستم گاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزۂ فوجِ ستم گار تھے دیکھے بھالے
دم میں اُس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیوں کر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی برچھی کی انی تھی تو کبھی تیر کی پھال
کبھی تلوار کبھی خنجرِ برّاں کبھی ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بدم فوجِ ستمگر بھی ثنا کرتی تھی

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
جل بجھی کشتیٔ تن خون میں طوفانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے
کہتا تھا حر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبرؐ کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گُلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

گہ چھپا اور گہے نکلا وہ مہ برجِ شرف
گہے اس صف میں در آیا گہے روندی وہ صف
گہے دریا کے کنارے گہے صحرا کی طرف
گہے نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہِ نجف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نامِ علیؑ سُن کے دہل جاتے تھے

نخل تھرّاتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل
سر کی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل
مُنھ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی فرق کے بھل
حشر برپا تھا سواروں پہ فرس ٹوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس ٹوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے عزت و جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ حُر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاءاللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلا پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز اُدھر اور اِدھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے
رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادمِ حضرتِ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعیدِ ازلی گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
ہوگئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اُٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا تھا غلام
جوشِ رقت میں کہا شہؑ نے نہیں اے گلفام
میری اُلفت میں ہوا قتل حُرِ نیک انجام
دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئے نہ کام
اُس پہ جب سخت گھڑی ہو گی تو کام آویں گے
لاش کیا قبر میں مہمان کی ہم جاویں گے

اُس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے دور
اُس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خلد اس کو دکھائیں کہ ہوئے عفو قصور
سُرخ رو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہونچے لاشے پہ امامؑ دو جہاں وقتِ اخیر
چمن ہستیٔ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرورؑ
مرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ رے حُر جری میں تری ہمت کے فدا — اس کو کہتے ہیں محبّت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا — بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
حق تعالےٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی — اس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

حُر کو چونکا کے حبیب ابن مظاہر نے کہا — آپ بیتاب ہیں اے حُر جری ہوش میں آ
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جناب زہراؑ — کوچ در پیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے — نزع میں نور الٰہی کی زیارت کر لے

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر غلام — دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امامؑ
بھائی فرماتے تھے شفقت سے شہِ عرش مقام — اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا — تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

نیم وا چشم سے حُر نے رُخِ مولا دیکھا — زیر سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مُسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا — شہؑ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا
عرض کی حسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے — فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

باغِ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار — صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
شاخ سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار — حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے — دیکھ اے شاہؑ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہؑ — ملک الموت بھی کرتا ہے محبّت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ — لو برآمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمدِ مختار کی پیاری آئی — دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں — پڑھئے لیسین کہ اب ہے یہ دم بازپسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں — لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے — کچھ اُڑھا دیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی — آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہؑ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی — چل بسا حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف — پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

لاش اُٹھا کر شہِ دیں خیمہ کے در پر لائے
پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے

غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرورؑ آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے

دخترِ فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے اُدھر آ گئی بکا کرنے لگی

شاہ چلائے کہ اے زینبؑ و اُمِ کلثومؑ
ہم بھی مظلوم ہیں مہماں بھی ہوا ہے مظلوم

ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمہیں ہے معلوم
کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم

اجر ہوگا تمہیں اشکوں سے جو منہ دھوؤ گی
اُس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

کہہ دو کبراؑ سے کہ ماتم کے لئے کھول دے سر
روئے نادان سکینہؑ اسے عموؑ کہہ کر

جا نگڑا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر
ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ اُدھر

غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
سُن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

میری جانب سے کہو لاش پہ آئیں سجادؑ
بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد

یہ وصیت مرے شیعوں کو ہے رکھیں اُسے یاد
نام حُر سُن کے کریں آہ و فغاں و فریاد

جس عزاخانہ میں وہ تعزیہ میرا رکھیں
اس کا ماتم بھی اُسی بزم میں برپا رکھیں

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہیں
حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہیں

فاتحہ دیتے ہیں سامان عزا کرتے ہیں
غیر مر جاتا ہے گھر میں تو بکا کرتے ہیں

تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے
فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اُسے روتی ہے

سُن کے یہ شور ہوا حُر دلاور ہے ہے
اے مددگار جگر بند پیمبرؐ ہے ہے

خون میں سب تر ہے ترا زوئے منور ہے ہے
تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے

ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیسؔ اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِ عباد
لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد

رونے والے شہِ والا کے رہیں خلق میں شاد
اُن کے سایہ میں برومند ہو ان کی اولاد

عشرۂ ماہِ عزا نالہ کشی میں گزرے
سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گزرے

۶ مرثیہ
بند ۱۰۵

زینبؑ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے
مسلمؑ کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
دل ہِل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کام آتا تھا جو سُن کے خجل ہوتی تھی زینب
فرزندوں کا مُنھ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

کچھ منھ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اُسے دھیان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
مشہور ہے زینبؑ شہ مظلوم کی شیدا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو ہے بھیجا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا
کس کو خبر اس کی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؑ
لاش آتی ہے اوروں کی مری جاتی ہے زینبؑ

میں آپ تو بیٹوں سے کروں گی یہی تقریر
ماموں کے عوض سینہ پہ کھاؤ تبر و تیر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرتِ شبیرؑ
اس سوچ میں دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
صادق ہیں محبّت میں تو کام آئیں گے دونوں
مادر کو جلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

ماموں نے انھیں دل کی طرح گود میں پالا
آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دوبالا
کیا دِل میں نہیں ان کے وِلائے شہِ والا
پروان چڑھے نام خدا ہوش سنبھالا
منصف ہو کوئی یہ مرے سمجھانے کے دن ہیں
یا آپ سے ان دونوں کے مرجانے کے دن ہیں

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیّدِ ابرار
کیا قصد ہے مجھ سے تو کریں دردِ دل اظہار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات پہ تکرار
مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھے ہیں تلوار
کُھلتی ہیں نہ کریں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا مُنھ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

میرے لئے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری
ماموں پہ تصدق ہوں جو ماں ہے انھیں پیاری
مرجانے کی ہمت دے انھیں ایزدِ باری
میں گرد پھروں ان کے جو منگوائیں سواری
بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو
مجھ کو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

کیا زوجۂ مسلم کی بھی تھی نیک کمائی
شبیرؑ کے جو کام بُرے وقت میں آئی
ممنون ہوئی احمدِ مختار کی جائی
رتبہ ملا عزت ملی توقیر بھی پائی
کس طرح نہ ہو مادرِ غمناک رضامند
چاروں سے ہوئے پنجتنِؑ پاک رضامند

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار
اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اک بار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اُٹھاؤں
سمجھائیں اُنھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخمِ تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑیئے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا یکبار
کی عرض سُنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی مُنھ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
فرما کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں
میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دور
نے فوجِ ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہے ہم سا دلاور
ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اک حملہ میں گر ہم نہ اُلٹ دیں صفِ لشکر
پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر دے کے پھریں گے
یا رن سے سرِ شمر و عمر لے کے پھریں گے

بیٹوں کے سخن سُن کے یہ کہنے لگی زینبؑ
ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھُلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب
ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمہیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اُسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو
ماموں کے جو دشمن ہیں اُنھیں گھیر کے مارو
باندھی ہے کمر دونوں ستم گاروں نے شر پر
جاتے تھے مہم پر جو کبھی احمدؐ مختار
کرتے تھے وغا ایک طرف جعفرِ طیّارؓ
مشکل نہیں کچھ فوجِ دغا باز سے لڑنا

اک شیر سا تیروں کے نیستاں میں در آئے
جس شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے
میداں میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا
حلقے میں اگر ایک کو لیں برچھیوں والے
تم اُس کے مددگار ہو وہ تم کو بچالے
شیرانہ رہے ایک دلیرانہ رہے ایک

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیر اجل آئے
قاصر ہو نہ ہمّت نہ شجاعت میں خلل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
نعرے کرو ایسے کہ دل کوہ دہل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے
لشکر پہ چپ و راس چڑھے جائیو واری

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
دیکھوں تو پرا زیر و زبر کر دیا کس نے
خوں میں عمر سعد کو تر کر دیا کس نے
سر تن سے بہت کون سے دلدار نے کاٹے

جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
سرداروں کے سر چوٹی سے تیغوں سے اُتارو
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پہ
اور لشکرِ اسلام پہ چڑھ آتے تھے کفّار
لڑتے تھے علیؑ ایک طرف کھینچ کے تلوار
صدقے گئی تم بھی اُسی انداز سے لڑنا

اک برچھیوں والوں کے پرے خوں میں بھر آئے
لڑتا ہوا اک جائے اُدھر اک اِدھر آئے
ایک ایک الگ لڑ کے دکھا دو ہنر اپنا
اک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
اک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے
جب بھیڑ پڑے ایک کا پروانہ رہے ایک

چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
چھاتی نہ ہٹے سینے پہ برچھی کا جو پھل آئے
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں
جل جائے وہ صف وار جدھر تیغ کا چل جائے
مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
رو لے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا
دو حملوں میں اس جنگ کو سر کر دیا کس نے
تلواروں میں سینے کو سپر کر دیا کس نے
چار آئینے کس شیر کی تلوار نے کاٹے

نیزے کے ہلانے کا تو فن سیکھے ہو واری
اکبرؑ سے لڑائی کا چلن سیکھے ہو واری

تقریر شہنشاہِ زمن سیکھے ہو واری
عباسؑ سے اندازِ سخن سیکھے ہو واری

تعریف کریں ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم تند نہ ہونا

پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر
پانی تمہیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر

دیجو یہ جواب ان کو کہ اے قوم بداختر
اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر

سر کٹ کے تنوں سے قدم شہ پہ گریں گے
پانی کے لئے قبلۂ عالم سے پھریں گے

غصے سے میں کہتی ہوں خبردار خبردار
پانی جو پیا دودھ نہ میں بخشوں گی زنہار

کیوں جاؤ اُدھر کیا تمہیں دریا سے سروکار
وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار

دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نے شہد میں لذت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر

میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشق شبیرؑ
اللہ نے بخشی ہے تمہیں عزت و توقیر

جیتے نہ پھرو گے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کم سن ہو بہت اس لئے سمجھاتی ہوں واری

مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے
میدان میں عاجز سپہِ شام ہو تم سے

سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے
حیدرؑ کی طرح رونقِ اسلام ہو تم سے

پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل اگلی برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواروں میں جس دے

فرما کے یہ ارشاد کیا اے مرے پیارو
خلعت تو میں لے آؤں یہ ملبوس اُتارو

عمامے رکھو فرق پہ زلفوں کو سنوارو
دولھا سا یہ ماں تم کو بنا لے تو سدھارو

غمخواری فرزند یداللہ کا دن ہے
مہندی کی یہی شب ہے یہی بیاہ کا دن ہے

آخر انھیں زینبؑ نے وہ پوشاک پنہائی
آگے ہی سے جو بیاہ کے خاطر تھی بنائی

مُنھ دوسرے بھائی کا لگا دیکھنے بھائی
ماں گرد پھری اور سخن لب پہ یہ لائی

روؤں گی مگر شاد بھی اس آن تو ہو لوں
پروان چڑھے آڑ میں قربان تو ہو لوں

چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
پھر کاہے کو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری

اُس وقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پر کئی باری

ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

منہ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے کئے پاک
سب اہلِ حرم رونے لگے با دلِ غمناک
فرمانے لگے خواہرِ سبطِ شہِ لولاک
بیٹے مرے پہنے ہوئے ہیں بیاہ کی پوشاک
سُن لیں نہ کہیں شاہ یہ کیا ہوتا ہے لوگو
شادی میں کسی کی بھی کوئی روتا ہے لوگو!

مجرے کئے دونوں نے جو جھک جھک کے برابر
سب بیبیاں کہنے لگیں اے شاہ کی خواہر
سہرے بھی ذرا باندھ دو ان دونوں کے سر پر
بیٹوں نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر
صندوق سے امّاں نہ ابھی لائیو سہرے
اب بیٹوں کے تابوت پہ بندھوائیو سہرے

گھبرا کے سکینہؑ نے کہا کیا ہے میں قرباں
شاید ہے مرے بھائیوں کے بیاہ کا ساماں
اچھا ہوا مدت سے یہی تھا مجھے ارماں
میں باندھوں گی دستاروں پہ سہرے کو پھوپھی جاں
حق ہے مرا جھگڑا ایں کئے بن نہ رہوں گی
خوش ہو کہ خفا نیگ لئے بن نہ رہوں گی

صد شکر کہ یہ دن مجھے قسمت نے دکھایا
جو ساتھ ہی ان دونوں کو نوشاہ بنایا
اس بیاہ میں صغراؑ کو وطن سے نہ بُلایا
شربت کے لئے پانی بھی پایا کہ نہ پایا
پیاسی ہوں بہت عرض کروں کچھ جو رضا دو
لو نیگ کے بدلے ہمیں پانی ہی پلا دو

بانو نے سکینہؑ سے کہا چُپ رہو واری
ہوتی ہیں خجل تم سے پھوپھی جان تمہاری
میداں کی طرف جاتی ہے بیٹوں کی سواری
شادی نہیں ماتم ہے کرو گریہ و زاری
فدیہ انھیں دیتی ہوں شہ کون و مکاں کا
کیا کہتی ہو تم بیاہ کہاں نیگ کہاں کا

کچھ سوچ کے اتنے میں اُٹھی بنت یداللہ
بیٹوں کو چلی لے کے حضورِ شہِ ذی جاہ
روتے ہوئے سب اہلِ حرم بھی ہوئے ہمراہ
عباسؑ سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہؑ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہیں زینبؑ
کیا بیٹوں کو رخصت کے لئے لاتی ہیں زینبؑ

بس اتنے میں آئی شہ مظلومؑ کی خواہر
بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گرد برادر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قرباں میں تم پر
قسمت سے یہ دو نورِ نظر پائے ہیں تم نے
ہتھیار انھیں کس لئے بندھوائے ہیں تم نے

واللہ مری جان ہیں فرزند تمہارے
ہیں برجِ شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
ہے مجھ کو گوارا کوئی ان پر مجھے وارے
یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاعِ ازلی ہیں
یہ جوشنِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں

زینب نے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ابرار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
آپ ان کو سمجھتے ہیں بجائے علی اکبرؑ
پیارا ہے مجھے کون سوائے علی اکبرؑ
اللہ سلامت مرے اس لال کو رکھے

بیٹوں کی محبت سے میں کہتی نہیں یا شاہ
نے باپ کی ایسی ہے محبت نہ مری چاہ
قائم رہیں ماموں یہ دعا کرتے ہیں دونوں
اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی
میں پہلے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے تھے دونوں

سو آپ سے میں عرض یہ اب کرتی ہوں بھائی
ساتھ ان کو وطن سے میں اسی واسطے لائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
دنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی

کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِ ابرار
قربان گئی اب تو نہایت ہوئی تکرار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
کس دن کے لئے ہیں یہ غلامانِ وفا کیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو

کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
باپ ان کا نمک خوار یہ بھی ہیں نمک خوار
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے
یہ دونوں ہیں خاکِ کفِ پائے علی اکبرؑ
سو ایسے پسر ہوں تو فدائے علی اکبرؑ
دُنیا میں خدا آپ کے اقبال کو رکھے

زہراؑ کی قسم مجھ کو بروح اسد اللہ
کہنے میں فقط آپ کے عاشق ہیں یہ واللہ
سوتے میں بھی حضرت کا یہ دم بھرتے ہیں دونوں
تشویش میں تا صبح انھیں نیند نہ آئی
کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
سمجھاتی میں کیا خود مجھے سمجھاتے تھے دونوں

حضرت بھی گوارہ کریں اب ان کی جدائی
ہوتی ہے بُرے دن کے لئے نیک کمائی
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے
گو ہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی
محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
محروم نہ رکھیے کہ سخی کی ہے یہ سرکار
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی
میداں میں شجاعت یہ دکھائیں گے کم و بیش
نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہرِ دل ریش
وہ بات نہ کیجیے کہ مری دلِ شکنی ہو

یہ سُن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر
زینبؑ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے
دو اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

اک دل ہے سو کس کس کا بھلا داغ اُٹھائے
اب خود ہی میں ہوں کہ جلدی اجل آئے
روکے کسے یہ خستہ جگر کس کو بچائے
جو بچھڑے سو بچھڑے جسے جانا ہو سو جائے
کچھ غم نہیں گو راہِ عدم خوف کی جا ہے
پیچھے جو رہے جاتے ہیں ان کا بھی خدا ہے

زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ
لو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ نہوڑاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ
میں پیار تو کرلوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویران کیے جاتے ہو پیارو
زینت مرے لشکر کی لئے جاتے ہو پیارو

وہ پاؤں پہ گرنے کے لئے دوڑ کے آئے
شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
مُنہ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے
خیمہ سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

ڈیوڑھی میں جو پہونچی تو کہا عون سے رو کر
ٹھہرو کہ پھرالوں تمہیں گردِ علی اکبرؑ
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر
تم جاکے نہ ہو آئے نثارِ علی اکبرؑ
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس میں خفا ہو
صدقہ تمہیں دیتی ہوں کہ رد ان کی بلا ہو

ہم شکلِ پیمبر تو ہوا عون پہ قرباں
چھوٹے نے کہا دستِ ادب جوڑ کے اس آں
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں نہ رہا دھیاں
اولاد پہ ماموں کی تصدق ہے مری جاں
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغرؑ پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمہ سے وہ مہ رو
اُس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو
چلاتی تھی پردے سے لگی زینبِؑ خوش خو
دو روز کے پیاسو تمہیں اللہ کو سونپا
حیدرؑ کے نواسو تمہیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کے چلن بھول نہ جانا
سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا
جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے
گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے جو کاندھے پہ رکھے برچھوں نے بھالے
ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

سرعت وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طرارے
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے
سُم ایسے کہ قدموں پہ فلک بدر کو وارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور ہوں تارے
اُڑ جانے کو افلاک پہ تیّار ہی تھے
کیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیّار ہی تھے

گھوڑوں کی وہ شوکت وہ سواروں کا تجمل
غل تھا یہ جری ہیں پسرِ صاحبِ دُلدُل
قد ایک سے دوسرے ہیں رُخ ایک سے دو گُل
پایا ہے عجب زلف مسلسل نے تسلسل
ان گیسوؤں میں نکہتِ مشک تتری ہے
سنبل کو بھی گلزار میں شوریدہ سری ہے

پیشانیاں روشن مہِ انور سے زیادہ
سجدوں کے نشاں نور میں اختر سے زیادہ
خم ابروؤں کے نشتر و خنجر سے زیادہ
پلکیں کہیں سر تیزی میں نشتر سے زیادہ
آفت میں غزالوں کو گرفتار کیا تھا
نرگس کو انھیں آنکھوں نے بیمار کیا تھا

لشکر میں یہ تھا شور کہ لیں دونوں نے باگیں
غُل پڑ گیا شیر آتے ہیں کس سمت کو بھاگیں
جو بیٹھیں ہیں اُٹھیں جنھیں غفلت ہو وہ جاگیں
یہ وہ ہیں جنھیں ہیں عمر و شمر سے لاگیں
دعویٰ ہے انھیں مثل علیؑ صف شکنی کا
ہاں غازیو! وقت ہے شمشیر زنی کا

ڈنکے پہ لگی چوب علم کھُل گئے سارے
بڑھ بڑھ کے نقیبانِ جفا کار پکارے
یہ شیر ہیں دونوں اسد اللہ کے پیارے
اسپ و زر و جاگیر وہ لے جو انھیں مارے
پیچھے نہ ہٹو گو یہ جواں مرد بڑے ہیں
دو طفل کہیں لاکھ سواروں سے لڑے ہیں

یہ سنتے ہی بس چھوٹی سی تیغوں کو اُٹھا کر
اک ایک سے دونوں نے کہا آنکھ ملا کر
لو ہم تو چلے آتے ہیں گھوڑوں کو بڑھا کر
روکے تو کوئی وار بھلا سامنے آ کر
کھینچی ہے جہاں تیغ وہاں کھیت پڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ تم سب سے بڑے ہیں

ہم سا بھی کوئی اور ہے دُنیا میں جواں مرد
ہم وہ ہیں کہ رستم کی شجاعت ہے جہاں گرد
گرماتے ہیں گھوڑوں کو جو اپنے دم ناورد
ہو جاتا ہے بازار شجاعان جہاں سرد
لاشوں ہی سے میدانِ وغا پاٹ دیے ہیں
اک ضرب میں جبریلؑ کے پر کاٹ دیے ہیں

تلوار جنھیں حق نے عطا کی ہے وہ ہم ہیں
جن غازیوں نے دیں کی بنا کی ہے وہ ہم ہیں
خو جن میں شہِ عقدہ کشا کی ہے وہ ہم ہیں
دولت جو رسولِ دوسرا کی ہے وہ ہم ہیں
کیا عرش الٰہی پہ جگہ آج ملی ہے
کاندھے پہ نبیؐ کے ہمیں معراج ملی ہے

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے
دم میں حق و باطل کو جدا کر دیا کس نے
عالم کو طلبگارِ خدا کر دیا کس نے
اسلام کی قوت کو سوا کر دیا کس نے
درِ کفر کا خالق کی عنایات سے توڑا
عُزّیٰ کا سرِ نحس و نجس لات سے توڑا

تقسیم ہوئی دولتِ دیں گھر سے ہمارے
شاہوں کو ملا تاج و نگیں گھر سے ہمارے
ہے پیشِ نظر خلدِ بریں گھر سے ہمارے
تعلیم ہوا روح امیں گھر سے ہمارے
دیر آئے کہ مسکن تھا بہت دور ہمارا
آدمؑ سے جو پہلے تھا وہ ہے نور ہمارا

خوشنود رہا ایزدِ باری اسی گھر سے
سب سیکھ گئے شکر گزاری اسی گھر سے
کفّار ہمیشہ رہے عاری اسی گھر سے
احکام ہوئے شرع کے جاری اسی گھر سے
آتے ہیں زباں پر وہی جو کلمۂ حق ہیں
ہم مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق ہیں

یوسفؑ کو گرفتاریِ زنداں سے بچایا
یعقوبؑ کو تیغِ غمِ ہجراں سے بچایا
چاہے جو مدد نوحؑ کو طوفاں سے بچایا
اندامِ خلیل آتشِ سوزاں سے بچایا
کونین میں ہے آج تلک شور ہمارا
خیبر کا در اکھڑا تو کھلا زور ہمارا

وہ کون سا لشکر تھا ظفر جس پہ نہ پائی
کفار نے خندق میں شکست آتے ہی کھائی
لاحد ہے اُحد والوں کو قوت جو دکھائی
اور بدر کی بھی شمس سے روشن ہے صفائی
مشہور ہے فطرس پہ جو احسان کیا ہے
مشکل کو فرشتوں کی بھی آسان کیا ہے

بیر العلم اک چاہ ہے مابینِ بیاباں
واں کود پڑے تیغ پکڑ کر شہِ مرداں
انساں کا تو کیا ذکر ہے جن ہو گئے بے جاں
جب لڑ نہ سکے وہ تو کیا سب کو مسلماں
جب سے نہ ذرا گھٹتے ہیں نہ بڑھتے ہیں جنّات
اُس روز سے اب تک کلمہ پڑھتے ہیں جنّات

زہراؑ سی تو نانی اسد اللہ سا نانا
جس شیر کی تلوار کو سب خلق نے مانا
دادا وہ مُقر جس کی شجاعت کا زمانا
ماموں شرفِ کون و مکاں عالم و دانا
ماں صبر میں اور زہد میں مریم سے زیادہ
کس کا ہے زمانے میں شرف ہم سے زیادہ

تیغوں کو جو کھینچیں تو صفیں دم میں اُلٹ جائیں
آگے جو بڑھیں ہم تو پرے فوج کے بٹ جائیں
سر تن سے سواروں کے ہر اک ضرب میں کٹ جائیں
للکاریں تو شیروں کے کلیجے ابھی پھٹ جائیں
اُمت پہ کرو رحم یہ حکمِ شہِ دیں ہے
ناچار ہیں سبقت کا ہمیں حکم نہیں ہے

ہم کو یہی سمجھاتے ہوئے دور تک آئے
تب لڑیو کہ جب تم پہ کوئی ہاتھ اُٹھائے
راضی ہوں اگر جان مری جائے تو جائے
کوئی مرے نانا کی نہ اُمّت کو ستائے
نافہمی سے دشمن کو تو وہ چند ہیں میرے
پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرزند ہیں میرے

کچھ ہٹ گئے کچھ رونے لگے سُن کے یہ گفتار
تلواروں کو چمکا کے بڑھے کتنے جفاکار
تیروں کی ادھر اور اُدھر سے ہوئی بوچھار
حیدرؑ کے نواسے بھی بڑھے کھینچ کے تلوار
نیزے جو سواروں کے چپ و راس سے چمکے
دوؔ نیمچے بھی پرچۂ الماس سے چمکے

چھوٹے نے بڑے سے یہ کہی بات کہ بھائی
ہر چند گوارا نہیں دم بھر کی جُدائی
اس وقت الگ ہو کہ نہایت ہے لڑائی
امّاں نہ کہیں یہ کہ مری بات بھلائی
جو سامنے ہے کاٹ کے اس فوج کی صف کو
میں دہنی طرف جاتا ہوں تم بائیں طرف کو

ارشاد کیا عونؑ نے اللہ نگہباں
پر کیا کروں قالب میں رہے گی نہ مری جاں
اے جانِ برادر میں ترے عزم کے قرباں
لاکھوں سے لڑائی ہے رہے چار طرف دھیاں
تکبیر کی ہر بار صدا دیجیو بھائی
گھر جاؤ تو بھائی کو بلا لیجیو بھائی

یہ کہہ کے کئے دونوں طرف شیروں نے حملے
لہراتے تھے کاکل کی طرح دوش پہ شملے
کیا دخل تھا حلقے میں انھیں فوجِ ستم لے
ملتی نہ تھی مہلت کہ کوئی ٹھیر کے دم لے
بجلی کی طرح نیمچے چل جاتے تھے دونوں
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتے تھے دونوں

آیا جو سوئے عون کوئی تیغ اُٹھا کر
دو کر دیا پہونچے کو بس اک ہاتھ میں جا کر
خم ہو گیا مردود سپر چہرے پہ لا کر
پھر خطِ شکست اس پہ لکھا تیغ نے آکر
قرطاس سا پُرزے تنِ سفّاک ہوا تھا
سر سینے تلک مثلِ قلم چاک ہوا تھا

آیا جو محمدؐ کی طرف کوئی ستم گار
تلوار کو چمکا کے پکارے کہ خبردار
اتنے میں ادھر سے تو ستمگر نے کیا وار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی شیر کی تلوار
تیزاب کا اس شعلۂ آتش میں اثر تھا
آنکھ اس کی جھپک کر جو کھُلی خاک پہ سر تھا

اک شیر سا جاتا تھا جو شمشیر زنوں پر
اک گھوڑے کو دوڑاتا تھا ناوک فگنوں پر
ہوتی تھی فدا روح علیؑ صف شکنوں پر
نیزے واں نظر آتے تھے نہ یاں سر بدنوں پر
ان تیغوں سے سب فوج نے مُنھ پھیر لیا تھا
دو لاکھ کو دو بجلیوں نے گھیر لیا تھا

وہ لڑ کے جو نکلا تو یہ لشکر میں در آیا
لاکھوں تھے مگر ایک نہ جرأت میں بر آیا
مارا اُسے اُس نے جو اُدھر سے اِدھر آیا
بھاگا جو اِدھر سے وہ اُدھر دو نظر آیا
تھی ساتھ اجل ان کی جہاں بھاگ کے جاتے
گرتی ہوئی بجلی سے کہاں بھاگ کے جاتے

چُن چُن کے نمودار ستم گاروں کو مارا
لشکر کے علم کاٹ کے سالاروں کو مارا
پیدل جو گریزاں ہوئے اسواروں کو مارا
تیروں کو قلم کر کے کماں داروں کو مارا
عقدہ جو پڑا ناخنِ تدبیر سے کھولا
نیزے کے ہر اک بند کو شمشیر سے کھولا

غل میں جو نہ بھائی کی صدا بھائی کو آئی
دونوں کے کلیجے پہ چلی تیغِ جدائی
چھوٹے نے بڑے بھائی کو آواز سُنائی
کیا حال ہے جیتے ہو کہ مارے گئے بھائی
بڑھ بڑھ کے ہٹاتے ہیں بہت اہلِ ستم کو
تصویر تمہاری نظر آتی نہیں ہم کو

قربان برادر مجھے بتلاؤ کہاں ہو
کس غول میں کس فوج میں کس صف میں نہاں ہو
لب سوکھ گئے ہوں گے بہت تشنہ دہاں ہو
میداں میں ہو یا نہر پہ ہو یاں ہو کہ واں ہو
غش آیا ہے یا جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
آواز دو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

بس اتنے میں مہلت ستم ایجادوں نے پائی
نیزے کی اَنی پشتِ محمدؐ پہ لگائی
جس وقت سناں سینے سے باہر نکل آئی
چلّایا کہ لو ہم تو چلے خلق سے بھائی
اللہ کس آفت میں مجھے چھوڑ دیا ہے
نیزے نے کلیجے کو مرے توڑ دیا ہے

لڑنے میں سُنی بھائی نے جو بھائی کی آواز
نزدیک تھا یہ روح کرے جسم سے پرواز
گھوڑے کو اُڑا کر وہ چلا صورتِ شہباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
حائل تھیں صفیں زور سے تلوار کے نکلا
روکا اسے جس نے وہ اُسے مار کے نکلا

بھائی کی تجسس میں نہ تھا بھائی کو کچھ ہوش
اُلفت کا بھی تھا جوش شجاعت کا بھی تھا جوش
چلّاتا تھا اے غنچہ دہن سبز قبا پوش
آواز سُنا کر ہمیں کیوں ہو گئے خاموش
ماں سے ہمیں شرمندہ کئے جاؤ گے بھائی
کیا ساتھ نہ بھائی کو لئے جاؤ گے بھائی

ہر دم یہ دعا تھی وہ دلاور نظر آئے
مظلوم برادر کو برادر نظر آئے
حلقہ کئے اک جا پہ ستمگر نظر آئے
ہاتھوں میں چمکتے ہوئے خنجر نظر آئے
آلودہ لہو میں تنِ صد پاش کو دیکھا
ریتی میں تڑپتے ہوئے اک لاش کو دیکھا

زانو کو دھرے ننھی سی چھاتی پہ ستمگر
کرتا ہے ارادہ کہ کرے تن سے جدا سر
وہ کہتا ہے ہاتھ اپنے دمِ تیغ پہ دھر کر
میں بھائی سے مل لوں تو پھرا حلق پہ خنجر
ہم ساتھ چلے مرنے کو ساتھ آئے وطن سے
بے اُن کے ملے جان نہ نکلے گی بدن سے

جس وقت سُنی عون نے بھائی کی یہ تقریر
خنجر تو چلا دل پہ کلیجے پہ لگا تیر
گھوڑے سے تلے کود پڑا پھینک دی شمشیر
آغوش میں لی دوڑ کے وہ چاند سی تصویر
اک جا جو بچھڑ کر ہوئے ماں جائے برادر
دونوں نے گلے مل کے کہا ہائے برادر

کہتا تھا بڑا اے مرے جانی مرے پیارے
زخمی تری اس چھاتی پہ کوئی مجھے وارے
مُنھ سے نکل آئی ہے زباں پیاس کے مارے
اعضا تو ہوئے جاتے ہیں کچھ سرد تمہارے
کیا بھائی لبِ لعل کو کھولا نہیں جاتا
کرتا تھا اشارہ وہ کہ بولا نہیں جاتا

ناگاہ بڑھا شمرِ لعیں فوج کی صف سے
وعدہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
دونوں پہ چلے تیرِ ستم چار طرف سے
آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غُل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی
سر کھولے ہوئے قبر سے زہراؑ نکل آئی

پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار
کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
جب چھاتیوں سے ہوتی تھی نیزے کی انی پار
تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدرِ کرار
ملتے تھے گلے پیار سے مُنھ چوم رہے تھے
لپٹے ہوئے شیروں کی طرح جھوم رہے تھے

نیزے کو جو دونوں پہ کوئی تول کے آتا
گھبرا کے تب اک بھائی کو اک بھائی بچاتا
پاس آکے جو چھوٹے پہ کوئی تیغ لگاتا
چھاتی کے تلے اُس کو بڑا بھائی چھپاتا
لیتے تھے سپر منھ پہ نہ ہٹ جاتے تھے دونوں
تلواروں سے اُٹھ اُٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونوں

تلوار لگانے جو لگا ایک ستم گر
چھوٹے نے رکھا ہاتھ بڑے بھائی کے سر پہ
ہیہات کہ ہاتھ اُس کے گرے خاک پہ کٹ کر
دو ٹکڑے ہوا تا بہ جبیں عون کا بھی سر
اُس کو تو ملا حیدرِ کرار کا رتبہ
ہاتھ آیا اسے جعفرِ طیار کا رتبہ

غل طبلِ ظفر کا صفِ دشمن میں ہوا جب
پردے سے لگی رن کی طرف دیکھنے زینبؑ
اور کہتے تھے سر کھولے ہوئے اہلِ حرم سب
زینبؑ کی کمائی کو بچا لیجیو یارب!
وہ کہتی تھی دُنیا سے سفر کر گئے دونوں
تم جن کی دعا کرتی ہو وہ مر گئے دونوں

میں خوب سمجھتی ہوں یہ ماتم کے ہیں انداز
جنّت کو سدھارے مرے صفدر مرے جانباز
دونوں ہوئے خلعت سے شہادت کی سرافراز
صاف آتی ہے امّاں کی مجھے رونے کی آواز
آثار ہیں فریادِ رسولؐ دوسرا کے
نعروں کو میں پہچانتی ہوں شیرِ خدا کے

ہے ہے مرے پیارو جو صدا آئی ہے ہر بار
یہ روتے ہیں پوتوں کے لئے جعفرِ طیّارؓ
لوگو کوئی دیکھو تو کدھر ہیں شہِ ابرار
عباسؑ سے کہہ دو مرے بھائی سے خبردار
ہنگامہ ہے واں برچھیاں کھانے کو نہ جائیں
رن سے بھی وہ لاشوں کے اُٹھانے کو نہ جائیں

بس اتنے میں فضّہ نے یہ کی آن کے تقریر
لو دونوں کی لاشیں تو لئے آتے ہیں شبیرؑ
گھر لُٹ گیا ہے ہے مری شہزادی کی تقدیر
نزدیک تھا غش کھا کے گری زینبؑ دلگیر
یہ بھی نہ کہا آئے پسر فوج سے لڑ کر
چُپ رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر

شہ لاشوں کو چھاتی سے لگاتے ہوئے آئے
دونوں کو عبا اپنی اُڑھاتے ہوئے لائے
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے آئے
زینبؑ کے قریں سر کو جُھکاتے ہوئے لائے
فرمایا بہن اب انھیں آغوش میں لو تم
دو شیر مرے مر گئے پرسا مجھے دو تم

وہ بولی کہ ہے ہے یہ نہ فرمائیے بھائی
حضرت کے کہاں لال کہاں میری کمائی
کونین میں عزّت مرے فرزندوں نے پائی
گر جان غلاموں نے گنوائی تو گنوائی
ماتم کا بھرے گھر میں نہ سامان کروں گی
لاشوں کو بھتیجوں پہ میں قربان کروں گی

اکبرؑ جئے کیوں پیٹ کے سر میں انھیں روؤں
ہو نیند میں اصغرؑ کی خلل گر انھیں روؤں
بھائی یہ نہ ہوگا کہ میں مضطر انھیں روؤں
دیکھوں اُنھیں یا گود میں لے کر انھیں روؤں
ان دونوں کا ماتم تو نہ زنہار کروں گی
ہاں آپ کے فدیے ہیں انھیں پیار کروں گی

پھر گود میں لاشوں کو لیا ہاتھ بڑھا کر
لپٹا کے گلے پیار سے زانو پہ رکھا سر
سیدانیوں کے رونے سے برپا ہوا محشر
تھا شور کہ لوٹ گئی شبیرؑ کی خواہر
سب روتے تھے کچھ مُنھ سے نہ فرماتی تھی زینبؑ
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جُھک جاتی تھی زینبؑ

مخدومۂ عالم کی صدا آئی یہ اُس آن
فرزندوں کو جی کھول کے رولے ترے قرباں
اولاد کسی کی نہ جُدا ہوئے کسی سے
زہرا کی صدا سُن کے پڑا اور بھی کُہرام
حالِ شہِ دیں نظم کیا کر سحر و شام
عزّت مری اللہ کو منظورِ نظر ہے

میں آئی ہوں پرسے کے لئے با سرِ عریاں
ایسا نہ ہو گھٹ گھٹ کے نکل جائے مری جاں
بیٹی کو نئی اس داغ کو پوچھے مرے جی سے
خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ ارقام
اس کام سے بہتر نہیں دُنیا میں کوئی کام
شبیرؔ کے مدّاح کا فردوس میں گھر ہے

رباعی

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھانے کی نہ لذّت نہ مزا پانی کا
مر رہیئے کسی دشت کے دامن میں انیسؔ
پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

ایضاً

کیوں زر کی ہوس میں در بہ در پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں، کدھر پھرتا ہے
اللہ ری پیری میں ہوس دُنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

ایضاً

سائے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانا ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیسؔ
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

مرثیہ ۷
بند ۴۳

دشت جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے   غل پڑا برج شرافت کے ستارے آئے
شیر کی طرح سے دریا کے کنارے آئے   جنگ کو لاکھوں سے وہ پیاس کے مارے آئے
ان کا نانا ہے علیؑ صاحب شمشیر ہیں یہ   ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں دو شیر ہیں یہ

سن تو کم ہے پہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں   بھوکے پیاسے ہیں پہ ہمت کے غنی ہیں دونوں
سرو بستان امام مدنی ہیں دونوں   دیکھو آمادۂ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھوں میں شمشیریں ہیں   جعفرؑ و حیدرؑ کرّار کی تصویریں ہیں

ابھی کیا عمریں ہیں ان دونوں کی اور کیا سن و سال   کھیل کے دن ہیں مگر جان پہ کھیلے ہیں یہ لال
اے خوشا حشمت و اقبال زہے جاہ و جلال   پیاس کا کچھ نہیں صدمہ ہے نہ مرنے کا خیال
جوں علیؑ جنگ میں سبقت نہیں فرماتے ہیں   نیمچے تول کے ہر مرتبہ رہ جاتے ہیں

کس میں ہے ایسی بزرگی جو نسب ان کا ہے   دبدبہ روم سے لے تا بہ عرب ان کا ہے
فخر عالم ہیں یہ ثانی کوئی کب ان کا ہے   صف شکن صاحب شمشیر لقب ان کا ہے
طفل اس سن میں نہیں صاحب ہمّت ہوتے   گر جواں ہوتے یہ لڑکے تو قیامت ہوتے

حال پر زینبؑ بیکس کے ہے رونے کا مقام   رنج سے بیٹوں کے ہو جاتی ہے ماں بے آرام
یوں لٹا دیوے یہ دولت ہے اسی بی بی کا کام   کوئی چھاتی سے جدا کرتا ہے ایسے گل فام
غم سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا ہوگا   کس طرح آپ کو زینبؑ نے سنبھالا ہوگا

یہ تعجب ہے نہیں اور یہ حسرت کی ہے جا   اُس کے رونے کی بھی اس وقت نہیں سنتے صدا
مر گئی ہوگی تڑپ کر تو عجب کیا اس کا   ایک بولا کہ وہ بھائی کی ہے عاشق بخدا
اُس کا بس ہوتا تو اپنی بھی فدا جاں کرتی   لاکھ بیٹوں کو وہ شبیرؑ پہ قرباں کرتی

ذکر رونے کا ہے کیا وہ ہے علیؑ کی بیٹی   ماں سخی باپ سخی بھائی سخی آپ سخی
اُس کو بھائی سے زیادہ نہیں پیارا کوئی   ہے یہ منظور کہ بچ جائے دل و جان نبیؐ
غم نہیں اس کا کہ گھر کی مرے بربادی ہے   ہے تو فرزندوں کا ماتم پہ سے شادی ہے

اور دنیا میں کسی ماں نے یہ پھل پایا ہے
آپ دولھا سا بنا کر انھیں بھجوایا ہے
خلعتِ فاخرہ خوش ہو ہو کے پہنایا ہے
ڈیوڑھی تک آکے کئی بار یہ سمجھایا ہے
گر خدا فضل کرے جنگ کو سر کر آنا
اور خبردار جو آؤ گے تو مر کر آنا

دیکھو سمجھاتی ہوں جو کچھ اسے سنتے جاؤ
کہیں میداں سے نہ پھر خیمے میں جیتے آؤ
جوہرِ تیغِ علیؑ دشمنوں کو دکھلاؤ
زخم اس بھوک میں ہنس ہنس کے بدن پر کھاؤ
آپ پردے سے جو کچھ گزرے گا دیکھوں گی میں
گر قدم پیچھے ہٹا دودھ نہ بخشوں گی میں

ماں نے جو کچھ کہ کہا ہے وہ کریں گے دونوں
دشتِ جنگاہ کو لاشوں سے بھریں گے دونوں
شیر ہیں مار کے لاکھوں کو مریں گے دونوں
قدم آگے سے نہ پیچھے کو دھریں گے دونوں
وار ان پر کسی تدبیر سے چلنے کے نہیں
کوہ ٹل جائے پہ جا گہ سے یہ ٹلنے کے نہیں

چھوٹے چھوٹے تو ہیں قد اور ارادے ہیں بڑے
چاند سے چہروں پہ گوندھے ہوئے گیسو ہیں پڑے
سینے تانے ہوئے کس شان سے رن میں ہیں کھڑے
صاف کہتے ہیں کہ آوے جسے لڑنا ہو لڑے
دو شب و روز کے پیاسوں کی شجاعت دیکھے
شہِ مرداں کے نواسوں کی شجاعت دیکھے

کرتے تھے اہل سعادت تو یہ آپس میں کلام
عمر سعد کے یہ فوج کو پہونچے احکام
جلد ہاں کام کرو بیٹوں کا زینبؑ کے تمام
جیتے پھر جائیں نہ خیمے کی طرف یہ گلفام
بچّے ہیں گھات سے باتوں میں لگا لو ان کو
گھوڑوں سے نوکوں پہ نیزوں کی اٹھا لو ان کو

ماورا جنگ کی سوجھی ہے مجھے یہ تدبیر
کر لو شیروں کی طرح ان کو کمندوں میں اسیر
ہاتھ آئیں تو پنہا کر انھیں طوق و زنجیر
یاں سے لے جائیں گے یوسفؑ کی طرح پیشِ امیر
خلعت و زر تمھیں سردار سے ہاتھ آئے گا
اور تڑپ کر پسرِ فاطمہؑ مر جائے گا

ہنس کے یہ فوج نے تب سعد کے بیٹے سے کہا
کس طرف دھیان ہے دونوں کو تو سمجھا ہے کیا
کہیں روباہوں نے شیروں کو بھی ہے قید کیا
کسی لشکر میں علیؑ قید ہوئے ہیں تو بتا
یہ بنی فاطمہؑ ہیں لڑتے ہیں مر جاتے ہیں
پسرِ شیرِ الٰہی کہیں ہاتھ آتے ہیں

کہہ کے یہ رن میں صف آرا ہوئیں فوجیں باہم
کھلے لشکر کے نشاں چمکے سنہرے پرچم
نیزے سیدھے ہوئے تیغیں ہوئیں ہر سمت علم
فوجِ دشمن کی کمانوں سے چلے تیرِ ستم
سب زمیں ٹاپوں سے رہواروں کی تھرانے لگی
عربی باجوں کی گردوں پہ صدا جانے لگی

پہونچی ناموس کے خیمے میں یہ جب وقت صدا
کہا زینبؑ نے کہ بیٹے مرے کرتے ہیں وغا
ابھی معصوم ہیں بچے ہیں ذرا سے ہیں وہ
کبھی کاہے کو لڑے ہیں وہ مرے ماہِ منیر
کہاں دو طفل صغیر اور کہاں فوجِ کثیر
یہ دعا مانگو کہ سران کے اُتارے جائیں
کہہ کے یہ فاطمہؑ کی بیٹی نے عریاں کیا سر
بہرِ زہراؑ و علیؑ بہرِ حسینؑ و شبّرؑ
سُرخ رو عونؑ ہو سرسبز محمدؐ ہووے
یاں تو سر کھولے ہوئے کرتی تھی زینبؑ یہ دُعا
سینکڑوں تیغیں کھنچیں تیروں کا مینھ پڑنے لگا
لاکھ آفت اگر افلاک سے ٹوٹے بھائی
باگیں رہواروں کی لیں اور پڑھی نادِ علیؑ
اس کو بے جاں کیا جس شامی کی تیغ آن چلی
تیغ چمکا کے جدھر شیر سے بھڑ پڑتے تھے
گھیر لیتے تھے اگر ایک کو مل کر اعدا
اس پہ کرتے تھے سوار آن کے جس دم نرغا
مہلت اعدا کو نہ چھوٹا نہ بڑا دیتا تھا
خالی دیتا تھا کوئی جنگ میں گر عونؑ کا وار
زد پہ آجاتا تھا دونوں کے اگر کوئی سوار
تن میں طاقت نہ تھی ہمت سے فقط لڑتے تھے
چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے اس وقت کہا
ماموں کے واسطے لے چلتے جو پانی ملتا
تم ہو پیاسے شہ عالم بھی بہت پیاسے ہیں

ہل گئے سینوں میں دل اور نہ رہے ہوش بجا
ارے لوگو کرو سر کھول کے خالق سے دعا
بھوکے دو دن کے ہیں دو روز کے پیاسے ہیں وہ
نہیں دیکھی ہے چمکتی کبھی برقِ شمشیر
یہی دھڑکا ہے کہ ہو جائیں نہ اعدا میں اسیر
مرے بھائی کی بلا لے کے وہ مارے جائیں
خاک پر رکھ کے جبیں حق سے کہا رو رو کر
ہو مرے بچوں کا انجام بخیر اے داور
صدقہ دیتی ہوں کہ بھائی کی بلا رد ہووے
دونوں لڑکوں پہ وہاں شام کا بادل اُمڈا
نیمچے کھینچ کے بھائی نے یہ بھائی سے کہا
روح و قالب کی طرح ساتھ نہ چھوٹے بھائی
گھس گئے فوج میں وہ دونوں شجاعِ ازلی
وار جس پر کیا سر سے نہ اجل اُس کے ٹلی
نیمچے کیا تھے کہ دو صاعقے گر پڑتے تھے
دوسرا دوڑ کے کر دیتا تھا اس کو پسپا
کہتا تھا کہ نہ گھبرائیو میں آپہونچا
بھائی بھائی کے لئے جان لڑا دیتا تھا
مارتا تھا اسے تب بڑھ کے محمدؐ تلوار
ایک دو کرتا تھا تو دوسرا کر دیتا تھا چار
پیاسے ایسے تھے کہ گھوڑوں سے گرے پڑتے تھے
بھائی دیکھو تو کہ لہراتا ہے کیسا دریا
نہر میں چل کے بس اب ڈال دو گھوڑے بھیا
اماں بھی پیاسی ہیں اور ہم بھی بہت پیاسے ہیں

آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجا بھائی
شانے بھی جھک گئے دُکھنے لگا پہونچا بھائی
پانی پینے کا تو ممکن نہیں دھیان آجاوے
عونؑ کہنے لگا بھائی کا یہ سُن سُن کے بیاں
بولا جاتا نہیں ہے خشک ہے میری بھی زباں
عزتیں پیاسے ہی مرنے میں سوا ہوویں گی
ہاتھ مُنھ دھویا اگر نہر پہ جا کر تو کیا
جائیں دریا پہ تو ہم چشموں میں ہوگا چرچا
گل زہراؑ تو ہوا خشک وہ شاداب ہوئے
علی اصغرؑ کی کرو تشنہ دہانی کا خیال
کھولے مُنھ پانی کا کرتا ہے اشارے سے سوال
حرف پانی کا زباں سے نہ نکالو بھائی
کہا گھبرا کے محمدؑ نے کہ اے نیک صفات
ورنہ جب تک نہ پئیں شاہِ رفیع الدّرجات
آبرو دیں گے نہ گو بھوکے پیاسے ہیں ہم
بھائی سے کر رہا تھا یہ ابھی باتیں بھائی
دونوں بچّوں پہ گھٹا فوج ستم کی چھائی
پیچ عمامے کے کٹ کٹ گئے شمشیروں سے
زخمی سینوں پہ لگے جب کہ ستم کے نیزے
ہوئی اعدا میں خوشی فتح کے نقّارے بجے
کریں منّت بھی تو سُننا نہ سخن دونوں کے
اک لعیں دوڑ گیا خیمۂ سرور کے قریں
بھانجے قتل ہوئے ان کو خبر ہے کہ نہیں
وہ تو مارے گئے بیٹوں کو کہاں پاوے گی

اب تو لڑنے کی بھی طاقت نہیں اصلا بھائی
اہلِ کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی
ہاتھ مُنھ دھولیں ذرا چل کے تو جان آجاوے
اے محمدؑ میں تری پیاس کے اوپر قرباں
جانا دریا پہ مناسب نہیں لیکن اس آں
امّاں صاحب جو سُنیں گی تو خفا ہوویں گی
ہاتھ اب جان سے دھونا ہے مناسب بھیّا
رہ سکے پیاسے نہ سبطین علیِّ اعلیٰ
ماموں پیاسا رہا اور بھانجے سیراب ہوئے
پیاس کی گرمی سے گہوارے میں کیسا ہے نڈھال
دیکھا جاتا نہیں یہ بالی سکینہؑ کا ہے حال
اپنا مُنھ نہر کی جانب سے پھرا لو بھائی
ماموں کے پانی پلانے کو کہی تھی یہ بات
خاک سمجھیں ہمیں ہاتھ آئے اگر آبِ حیات
حضرتِ ساقیِ کوثر کے نواسے ہیں ہم
چار جانب سے جو پھر فوج سمٹ کر آئی
گھر گئے سیّدِ معصوم کے وہ شیدائی
چھوٹی سی چھاتیاں مجروح ہوئیں تیروں سے
گردنیں جھک گئیں غش کھا کے وہ معصوم گرے
شور تھا کاٹ لو معصوموں کے سر خنجر سے
شہ کو دکھلا دو تڑپتے ہوئے تن دونوں کے
ہاتھ اُٹھا کر یہ پکارا کہ کہاں ہیں شہِ دیں
کہو زینبؑ سے کہ سر کھول کے بیٹھے وہ حزیں
رن میں اب بھائی کے بدلے کسے بھجواوے گی

وہ تڑپتے ہیں پڑے خاک پہ دونوں گل رو
کھینچتا ہے عمرِ سعد پکڑ کر گیسو
زخم پھٹ پھٹ گئے ہیں خاک پہ بہتا ہے لہو
شمر اب کاٹتا ہے دونوں کے خنجر سے گلو
ستمِ نو کی یہ لشکر نے بِنا ڈالی ہے
سر تو کٹوا چکے اب لاشوں کی پامالی ہے

سُن کے یہ غُل شہ مظلوم نے رو رو کے کہا
بھانجے قتل ہوئے ہائے غضب واویلا
اُڑ گیا سُنتے ہی یہ رنگ رخِ زینبؑ کا
نکلے خیمے سے شہِ تشنہ دہن ننگے پا
تھامے ہاتھوں سے جگر جانب جنگاہ چلے
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ بھی ہمراہ چلے

بھانجوں کے لئے بیتاب تھا دِل روتے تھے شاہ
تیغ تھی ہاتھ میں اور آنکھوں میں عالم تھا سیاہ
رو کے فرماتے تھے دے داد مری یا ربّاہ
بھانجوں کو مرے بے جاں کیا بے جرم و گناہ
ہائے بن بیٹوں کی اب زینبؑ ناشاد ہوئی
دخترِ فاطمہؑ پردیس میں برباد ہوئی

پہونچے لاشوں پہ جو دونوں کے جنابِ شبیرؑ
دیکھا بے دم ہیں پڑے خاک پہ وہ ماہِ منیر
چاند سے سینوں میں معصوموں کے پیوست ہیں تیر
کہیں نیزوں کی جراحت کہیں زخمِ شمشیر
پیاس میں نکلی جو ہیں جسم سے جانیں باہر
برگِ گل سی نکل آئی ہیں زبانیں باہر

شاہؑ نے خاک سے رو رو کے اُٹھائے لاشے
مُنھ پہ مُنھ رکھ دیا چھاتی سے لگائے لاشے
ڈال کر گھوڑوں پہ خیمے میں جو لائے لاشے
بولی زینبؑ مرے فرزندوں کے آئے لاشے
غم نہیں اس کا کہ یہ لاڈلے بے جان ہوئے
عید ہے آج کہ بھائی پہ یہ قربان ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو یہ بیبیوں سے کی گفتار
بھائی کے فدیہ جو ہیں ان پہ مجھے آتا ہے پیار
وہی دونوں نے کیا کر گئے تھے جو اقرار
مرے فرزندوں کے لاشوں پہ کرو مجھ کو نثار
حق نے کیا مرتبہ ان دونوں کو امداد کیا
دودھ تو بخشوں کہ بیٹوں نے مجھے شاد کیا

سُن کے یہ غل ہوا رونے کا حرم میں برپا
چھاتیاں پیٹتی تھیں بی بیاں باندھے حلقا
کہتے تھے لپٹے ہوئے لاشوں سے شاہؑ شہدا
اے مرے بھانجو زہراؑ کا پسر تم پہ فدا
تشنہ کامی کا بڑا رنج اُٹھایا تم نے
ہائے پانی بھی دمِ مرگ نہ پایا تم نے

بولی زینبؑ مجھے وسواس ہے اے بھائی جان
ہاتھ مردوں پہ لگاؤ نہ میں تم پر قرباں
ہوئے حضرت کی بلا لے کے یہ دونوں بے جاں
ہوں غلام ایسے فدا آپ پہ یا شاہِ زماں
جو وفادار ہیں آقا پہ فدا ہوتے ہیں
آپ صدقے گئے کیوں ان کے لئے روتے ہیں

رو کے حضرت نے یہ فرمایا کہ بھینا بخدا — ٹکڑے دو میرے کلیجے کے ہوئے آج جدا
دونوں معصوموں پہ واللہ ترحم کی ہے جا — پیار بھی کرلو انھیں دودھ بھی بخشو بھینا
اشک آنکھوں سے دمِ نزع پڑے بہتے تھے — ماں کو مرتے ہوئے دیکھا نہ یہی کہتے تھے

یہ جو شہ نے کہا ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر — گر پڑی خاک پہ لاشوں کی بلائیں لے کر
دونوں فرزندوں کے قدموں پہ کبھی رکھتی تھی سر — کبھی کہتی تھی مرے پیارو میں صدقے تم پر
کیسی جرأت سے لڑے واہ بڑا کام کیا — سرخ رُو آپ ہوئے اور مرا نام کیا

جلد موت آگئی دولھا بھی نہ بننے پائے — چاند سے چہروں پہ سہرے نہ مجھے دکھلائے
گھر سے بھوکے گئے تھے زخم بدن پر کھائے — مجھ سے ملنے کے لئے خوں میں نہا کر آئے
ہائے زندہ تمھیں اے پیارو نہ دیکھا ماں نے — دودھ بخشانے کو کہتے تھے سو بخشا ماں نے

کہہ کے یہ خاک پہ غش ہوگئی زینبؑ اک بار — لے گئے بھانجوں کی لاشیں امامِ ابرار
کر انیسؔ اب تو خدا سے یہ دعا با دلِ زار — بخش دے جرمِ گزشتہ کو مرے یا غفار
اس گنہ گار پہ کر رحم علیؑ کا صدقہ — واسطہ حضرتِ زہراؑ کا نبیؐ کا صدقہ

۸ مرثیہ بند ۵۲

جب ہوئے عازمِ گلگشتِ شہادت قاسمؑ — جھک کے مجرا کیا شہ کو ہوئے رخصت قاسمؑ
چڑھ کے تازی پہ بصد شوکت و صولت قاسمؑ — فوجِ اعدا پہ چلے شیر کی صورت قاسمؑ
غل پڑا جنگ کو فرزند حسنؑ آتا ہے — لاکھ سے لڑنے کو اک تشنہ دہن آتا ہے

خوف کی جا ہے کہ جانباز و دلاور ہے وہ — نورِ چشمِ پسرِ فاتحِ خیبر ہے وہ
نونہالِ چمنِ حضرت شبرؑ ہے وہ — حرب میں شیرِ الٰہی کے برابر ہے وہ
اب کوئی آن میں جوں ماہ عیاں ہوئے گا — آج زورِ اسد اللہ عیاں ہوئے گا

اُس کے پوتے کی یہ آمد ہے جو نوہشیار — جس کے دادا کے لئے عرش سے اُتری تلوار
ضربِ حیدرؑ کی محمدؐ نے ثنا کی سو بار — غیر فرّار کا دلبند ہے ہوگا کرّار
جیتا بچنے کا نہیں سامنے جو آئے گا — آج اس فوج کا بس خاتمہ ہو جائے گا

ایک بولا کہ کوئی روبرو جا سکتا ہے — کوئی شیروں سے بھلا آنکھ ملا سکتا ہے
تابِ تلوار کی اُن کے کوئی لا سکتا ہے — کوئی ضربِ اسد اللہ اُٹھا سکتا ہے
سب پہ غالب جو ہوا اُس پہ بھی یہ غالب ہیں — جگر و جانِ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں

ابھی دو لڑکوں کے تم دیکھ چکے ہو جوہر — دونوں بچّے تھے چڑھا کوئی نہ اُن کے منھ پر
نہ زرہ روک سکی تیغ اُن کے نہ سپر — بھوکے پیاسوں سے بہ تنگ آگیا تھا سب لشکر
کب شجاعت سے اُنھیں رن میں کسی نے مارا — سچ جو پوچھو تو اُنھیں تشنہ لبی نے مارا

اب تو قاسمؑ سا دلاور پئے جنگ آتا ہے — بحرِ موّاج شہادت کا نہنگ آتا ہے
مستعد مرنے پہ ہے جینے سے تنگ آتا ہے — کچھ نہیں آنے میں اب اُس کے درنگ آتا ہے
وہ نواسے اسد اللہ کے تھے یہ پوتا ہے — دل لرزتا ہے کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

ذکر یہ کرتے تھے اعدا کہ اُٹھی دور سے گرد — دشمنوں کے ہوئے نظّارے سے جس کے دل سرد
چھپ جا کر پسِ انبوہ سوارانِ نامرد — غل یہی تھا کہ وہ آ پہونچا بہ میدانِ نبرد
پھر تو نوشاہ نے سہرے کو اُٹھایا رن میں — جلوۂ نورِ الٰہی نظر آیا رن میں

سب پکارے بخدا قدرتِ یزداں ہے یہ
زینتِ لشکرِ ابنِ شہِ مرداں ہے یہ
رانڈ اب دخترِ سلطانِ زمن ہوئے گی
کوئی کہتا تھا عجب رشکِ چمن ہے واللہ
یہی دامادِ شہنشاہِ زمن ہے واللہ
غم میں شادی کی حلاوت نہیں جانی اُس نے
ایک کہنے لگا حیرت کی یہ جا ہے واللہ
آج مرنے کو یہ آیا ہے میانِ جنگاہ
ایسے فرزند کو مرنے کو جو بھیجا اُس نے
ایسے دلبر کو کوئی جنگ کی دیتا ہے رضا
زنِ بیوہ کا جگر بند ہے یہ ماہِ لقا
ہے یقیں رن میں وہ سر کھولے چلی آئے گی
عمرِ سعد ستمگر نے جو یہ ذکر سُنا
کوئی ایسا نہیں ہوئے جو مہیائے وفا
آج ہی شب کو ہوا بیاہ تمہارا قاسمؑ
اس لئے عرض یہ کرتا ہوں میں اے بندہ نواز
دوست رکھتا تھا بہت مجھ کو وہ سلطانِ حجاز
قتل تم ہو نہ کہیں ہے یہی وسواس مجھے
آؤ مل جاؤ مری فوج میں لو خلعتِ زر
شہ کی اُلفت کے سبب یہ نہ ہو منظور اگر
ہم خوشی تم کو کریں تم ہمیں خورسند کرو
پسرِ سعد کا قاسمؑ نے سُنا سب یہ کلام
پڑھ کے لاحول کہا اس نے کہ اے ابن سام
بے حیا ہے تو حمیت تجھے واللہ نہیں

فلکِ عزّ و شرف کا مہِ تاباں ہے یہ
چمنِ فاطمہؑ کا سروِ خراماں ہے یہ
بے چراغ اب لحدِ پاکِ حسنؑ ہوئے گی
پا سے تا فرق یہ تصویرِ حسنؑ ہے واللہ
ہونٹھ سوکھے ہوئے ہیں تشنہ دہن ہے اللہ
تین دن گزرے کہ پایا نہیں پانی اُس نے
شب کو سُنتے ہیں ہوا تھا اسی مظلوم کا بیاہ
کس طرح ماں نے اجازت اسے مرنے کی دی آہ
کیا جگر ہے کہ سنبھالا ہے کلیجا اُس نے
ایسے فرزند کو کس طرح کہا مرنے کو جا
جینے دے گا نہ اُسے داغ جواں بیٹے کا
اس کو اک زخم لگے گا تو وہ مر جائے گی
یعنی قاسمؑ کی ہر اک فوج میں کرتا ہے ثنا
بڑھ کے آپ اُس نے یہ ڈھالے بصد عجز کہا
کرو رحم اپنی جوانی پہ خدارا قاسمؑ
مجھ کو تھا آپ کے والد کی بھی خدمت میں نیاز
تم پہ کیوں کر کروں دستِ ستم و جور دراز
بہ خدا روحِ حسنؑ کا ہے بہت پاس مجھے
آپ کے حکم کے تابع رہے سارا لشکر
اپنے عمو ہی کو سمجھاؤ کہ تا رفع ہو شر
جاؤ شبیرؑ کو بیعت پہ رضامند کرو
مارے غصے کے لگا کانپنے سارا اندام
بیعتِ فاسق و فاجر کہیں کرتا ہے امامؑ
حیف شبیرؑ کے رتبے سے تو آگاہ نہیں

ہے یہ سرور پسر فاتح صفین و حنین
جس کا مرکب تھا سدا کتف رسول ثقلین
حامئ دین نبی فاطمہ کا نور العین
کبھی بے دین کی بیعت نہیں کرنے کا حسین
حیف کچھ غور ذرا دل میں نہیں کرتا ہے
شیر بھی بیعت روباہ کہیں کرتا ہے

اور مجھے دیتا ہے ناحق طمع زر ظالم
تو ہے کیا اور ہے کیا تیرا یہ لشکر ظالم
مجھ پہ آتا ہے تجھے رحم بد اختر ظالم
اور باندھے ہے کمر شاہ کے خوں پر ظالم
فاطمہ روئے گی اس بات کا وسواس نہیں
درد میرا ہے محمد کا تجھے پاس نہیں

سوچ تو دل میں یہ کس پر تو جفا کرتا ہے
اب بھی نادم ہو ستم گار یہ کیا کرتا ہے
احمد و حیدر و زہرا کو خفا کرتا ہے
دیکھ واللہ میں کہتا ہوں برا کرتا ہے
ان کو مارا تو شہ عقدہ کشا کو مارا
گر انھیں مارا تو محبوب خدا کو مارا

اور بھی ہے کوئی اس شہ کے سوا سبط نبی
جس کو کاندھے پہ چڑھاتے تھے رسول عربی
تین دن سے اسے اس دشت میں ہے تشنہ لبی
پانی تو پیتا ہے یہ کون سی ہے بے ادبی
وہ تو ہیں دل کے غنی صبر ہی فرماتے ہیں
ننھے بچوں کو مگر پیاس سے غش آتے ہیں

یہ سخن سن کے بن سعد ستم گر نے کہا
پانی بے بیعت حاکم تو نہیں ملنے کا
کہا قاسم نے کہ بس سامنے سے دفع ہو جا
جو بہادر ہیں تری فوج میں ان سب کو بلا
بھوکے پیاسوں کی ہزاروں سے لڑائی دیکھیں
آج قاسم کے بھی ہاتھوں کی صفائی دیکھیں

کہہ کے یہ طیش میں قاسم نے علم کی تلوار
جا ملے فوج سے گھوڑے کو بڑھا کر اک بار
چمکی وہ برق شرربار بہ فرق کفار
سر بے تن تن بے سر کا ہوا اک انبار
دم میں وہ تیغ ہزاروں کو فنا کرتی تھی
رشک ہر وار پہ شمشیر قضا کرتی تھی

جا کے جس غول پہ شمشیر علم کرتا تھا
شیر نیزوں کے نیستاں کو قلم کرتا تھا
لشکر شام کو ہر حملے میں کم کرتا تھا
جیتا بچ جاتا تھا جو آگے سے رم کرتا تھا
غرق آہن میں جو تھے وہ بھی نہ پاس آتے تھے
ایک ضربت سے تو دنل خوف سے مر جاتے تھے

گر سوئے میمنہ غازی نے اٹھایا گھوڑا
اک نمودار کو ان میں سے نہ جیتا چھوڑا
باگ کو میسرہ والوں کی طرف جب موڑا
کیا انبوہ کو مسمار صفوں کو توڑا
داد ہر وار پہ شاہ دوسرا دیتے تھے
بارک اللہ کی ہر بار صدا دیتے تھے

سُن کے نوشاہ صدائے شہِ تفتیدہ جگر
اور لب خشک دکھا کہتے تھے با دیدۂ تر
جنگ سر کر دوں میسّر ہو جو تھوڑا پانی
شاہ فرماتے تھے ناچار ہوں قاسمؑ کروں کیا
پانی کا قحط ہے اس دشت میں اے ماہ لقا
سہ لو جو رنج ہو یاں اے مرے جانی قاسمؑ
اتنی باتوں میں لعینوں نے جو فرصت پائی
گھر گیا لاکھوں میں شبیرؑ کا وہ شیدائی
حال تغیر ہوا تشنہ دہن دولھا کا
کٹ کے چہرے پہ ہر اک پیچ عمامے کا گرا
جوں کتاں ٹکڑے ہوئی تیغوں سے اُس مہ کی قبا
دیر تک سنبھلے رہے خانۂ زیں پہ قاسمؑ
نوبت فتح بجانے لگے سب بے ایماں
بن بھتیجے کے ہوئے آج شہِ تشنہ دہاں
ہم نے دامادِ شہِ تشنہ جگر کو مارا
پہونچی جب خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں یہ صدا
ماں نے دولھا کی کلیجے کو پکڑ کر یہ کہا
دہل فتح کا جو میداں میں بجا ہے لوگو!
ماں نے دولھا کی جو سر پیٹ کے یہ بات کہی
کہا زینبؑ سے سنبھالو مجھے اس وقت پھوپھی
اُلٹو گھونگٹ مرا دِل سینے میں گھبراتا ہے
پڑ گیا خیمۂ ناموس نبیؐ میں کہرام
پہونچے دولھا کے سرہانے جو بحالِ ناکام
تھام کر دل کو پکارے مرے پیارے قاسمؑ

دور سے کرتے تھے تسلیم ادب سے جُھک کر
العطش العطش اے مالکِ حوضِ کوثر
پیاس حضرت کئے دیتی ہے کلیجا پانی
ابن زہراؑ ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا
تین دن سے نہیں اصغرؑ کو ملا اک قطرا
جا کے کوثر ہی پہ اب بھیجیو پانی قاسمؑ
پشتِ قاسمؑ کی طرف فوج سمٹ کر آئی
ستم و ظلم کی اُس ماہ پہ بدلی چھائی
ہو گیا تیروں سے غربال بدن دولھا کا
خوں میں تر ہو گیا مقیش کا سہرا سارا
تن جدا زخمی ہوا کنگنا بندھا ہاتھ جدا
برچھی کھا کر گرے گھوڑے سے زمیں پر قاسمؑ
شور تھا قتل ہوا قاسمؑ نوشاہ جواں
کریں رنڈ سالہ کا بیٹی کے لئے اب ساماں
برچھیوں سے زنِ بیوہ کے پسر کو مارا
دفعتہً رنگ رُخِ اہلِ حرم زرد ہوا
گیا میداں میں جو مجھ رانڈ کا بیٹا مارا
کوسِ رحلت کی یہ قاسمؑ کے صدا ہے لوگو
دل پہ صدمہ ہوا گھونگٹ میں دولھن رونے لگی
ضبط کیونکر کروں چلتی ہے کلیجے پہ چُھری
اب کوئی آن میں دم تن سے نکل جاتا ہے
سر برہنہ چلے داماد کے لاشے پہ امامؑ
دیکھیں کیا لوٹتا ہے خاک پہ وہ گُل اندام
اُٹھو ہم آئے ہیں لاشے پہ تمہارے قاسمؑ

عرض کی کھول کے نوشاہ نے چشمِ پُر نور — میں سرافراز ہوا لائے جو تشریف حضور
اُٹھے تعظیم کو کس طرح ہے بندہ مجبور — گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہے سارا بدن چکنا چور
پہلے تو جسم مرا تیروں سے غربال کیا — گر پڑا خاک پہ گھوڑے سے تو پامال کیا

سُن کے یہ سیدِ بےکس کا جگر کانپ گیا — خاک پر بیٹھ کے نوشاہ کو گودی میں لیا
عرض کی قاسمؑ نوشاہ نے رو کر کہ چچا — میرے پہلو میں کھڑے ہیں حسنؑ سبز قبا
اور ہے اک بی بی وہ اس درد سے یاں روتی ہے — جس طرح سے کوئی فرزند کو ماں روتی ہے

گود میں چھوٹی سی ہے لاش کھُلا ہے سر پاک — بال بکھرے ہوئے ہیں سر کے گریباں ہے چاک
درد پہلو سے ہے محزون و ملول و غمناک — سر پہ ہر مرتبہ کہتی ہے اُڑا دشت کی خاک
اب نہیں صبر میں دیتی ہوں دُہائی خالق — اہلِ شر لوٹتے ہیں میری کمائی خالق

کبھی مُنھ چومتی ہیں گود میں لے کر مرا سر — کبھی کہتی ہیں میں قربان ترے سہرے پر
واری اس دشت میں مارے گئے دولھا بن کر — کچھ دولھن کی بھی ہے اے لال ذرا تم کو خبر
ہائے پردیس میں قسمت نے اُسے لوٹا ہے — میری کبرا پہ مصیبت کا فلک ٹوٹا ہے

سُن کے قاسمؑ کا بیاں یہ شہِ والا نے کہا — اے مری جان وہ ہے دخترِ محبوبِ خدا
کس طرح پیٹ کے سر روتی نہ اماں زہراؑ — رانڈ پوتی ہوئی مارا گیا پیارا پوتا
جا ہے رونے کی کہ بےکس بھی ہو ناشاد بھی ہو — تم تو ماں کے مری پوتے بھی ہو داماد بھی ہو

یہ سخن سُنتے ہی نوشاہ نے لی خلد کی راہ — لاش کو ڈال کے گھوڑے پہ چلے خیمے کو شاہ
در خیمے پہ جونہی پہونچے باحوال تباہ — کہا چلّا کے یہ زینبؑ نے بصد نالہ و آہ
لاش گھوڑے سے اُتروانے کو آؤ بھینا — فاطمہ رانڈ کو رنڈسالہ پنھاؤ بھینا

سُن کے یہ سیٹی سر خیمے سے زینبؑ دوڑی — پوچھا کیوں روتے ہو کیا قہر ہوا ہے بھائی
بولے شہ لاش میں لایا ہوں بنے قاسمؑ کی — دولھا مارا گیا اک شب کی دولھن رانڈ ہوئی
لاش لے جاؤ تم اب مرنے کو میں جاؤں گا — اپنا مُنھ فاطمہؑ کبرا کو نہ دکھلاؤں گا

سُن کے یہ زینبؑ بےکس کا عجب حال ہوا — ہائے قاسمؑ کہا اور ہاتھوں سے سر پیٹ لیا
بولی پھر بھائی سے اے سبطِ رسولؐ دوسرا — آپ کا خیمے میں اس دم ہے مناسب چلنا
مادرِ قاسمؑ مقتول کو پُرسا دیجیے! — رانڈ بیٹی کو ذرا چل کے دلاسا دیجیے!

گئے روتے ہوئے ناچار شہِ جنّ و بشر
لاش داماد کی مسند پہ لٹا دی رو کر
دیکھ بیٹے کو پچھاڑیں لگی کھانے مادر
خاک پر بانو گری تھام کے ہاتھوں سے جگر
شرم سے مُنھ بھی نہ رونے کو دولھن ڈھانپتی تھی
بید کی طرح سے سر تا بہ قدم کانپتی تھی

آکے تب زینبِ بیکس نے کہا یہ رُو رُو
شرم اب کیسی ہے واری گئی گھونگٹ اُلٹو
رانڈ ہو خاک تم اس چاند سے چہرے پہ مَلو
بولی وہ ہائے پھوپھی جان یہ کیا کہتی ہو
یہ مجھے چھوڑ گئے خاک اُڑانے کے لئے
کیا بنایا تھا دولھن رانڈ بنانے کے لئے

بَین یوں کرنے لگی لاش پہ پھر وہ دُکھیا
ہائے اے ابنِ حسنؑ مجھ سے یہ تم کر گئے کیا
آہ ہستی سے سوئے خلد سدھارے تنہا
اور دُلھن کو بھی نہ خدمت کے لئے ساتھ لیا
وجہ آزردگی کی کیا تھی جو مُنھ موڑ گئے
آپ جنّت کو گئے مجھ کو یہاں چھوڑ گئے

میرے والی مرے وارث میں تمہارے قرباں
مرے بابا کے لئے خوں میں ہوئے تم غلطاں
چاند سی چھاتی پہ ہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشاں
کیا کروں ہائے نکلتی نہیں تن سے مری جاں
دیکھتی ہوں میں جو قسمت مجھے دکھلاتی ہے
بدنصیبوں کو بھلا موت کہیں آتی ہے

کہہ کے یہ کھول دیے گوندھے ہوئے سر کے بال
خاک پر ماتھے سے سہرے کو دیا توڑ کے ڈال
کہتی تھی رو رو کے اے سیدِ مسموم کے لال
تم ہوئے قتل ملا خاک میں میرا اقبال
بدتر از موت ہے مجھ رانڈ کا جینا صاحب
کس طرح کاٹوں گی بچپن کا رنڈاپا صاحب

تم نے تو قتل کے میداں میں کٹائی گردن
سمجھیں گے اب مجھے بے وارث و بیکس دشمن
باندھیں گے کنگنے کی جا دستِ حنائی میں رسن
کوفہ و شام میں سر ننگے پھرے گی یہ دُلھن
سرِ عُریاں پہ ردا لاکے اُڑھاوے گا کون
قید سے آپ کی بیوہ کو چھڑاوے گا کون

بین یہ ہوتے تھے جو دولھا کی مادر آئی
فضہ اک کشتی میں رنڈسالے کا جوڑا لائی
ساس نے پیٹ کے سر بات یہ تب فرمائی
ہائے تو لُٹ گئی اے میری بہو دُکھیائی
دل کا میرے کوئی ارمان نکلنے نہ دیا
ہائے یہ جوڑا بھی قسمت نے بدلنے نہ دیا

سامنے لاکے جو رنڈسالے کا جوڑا رکھا
پیٹ کر سینہ و سر کہنے لگی تب زہراؑ
صاحبو اس کے پہنانے سے کہو فائدہ کیا
رو کے تب مادرِ ناشاد نے بیٹی سے کہا
رسمِ دُنیا کی ہے اے بیکس و غمناک یہی
پہنو صدقے گئی رانڈوں کی ہے پوشاک یہی

کھینچ کر آہ حزیں بولی یہ اک شب کی دلھن دل کی حالت کہوں کس سے میں گرفتار محن
آتش غم سے پھکا جاتا ہے مجھ رانڈ کا تن پہنوں رنڈسالہ میں ہے ہے نہ ملے اُن کو کفن
پیٹنے کو کسی جنگل میں بٹھا دو مجھ کو ایک کالی کفنی لا کے پنہا دو مجھ کو
لاش سے دولھا کی پھر کہنے لگی وہ رو رو رات کے جاگے تھے بس سو چکے صاحب اٹھو
بیاہ کا جوڑا تو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو اب پہنتی ہوں میں رنڈسالے کا جوڑا دیکھو
والی حق میں مرے تم کچھ نہیں فرماتے ہو سادے کپڑے نئی دُلھن کو پہنواتے ہو
کہہ کے یہ اوڑھنی سر سے اُتاری رو کر اور اُڑھایا اُسے دولھا کے تن زخمی پر
کہتی تھی ہٹ کے سرانے مرے بیکس سرور دے گا کاہے کو کفن تم کو کوئی بداختر
یہ نشانی ہیں تمہیں سونپے دیتی ہوں اپنے سر کی تمہیں چادر کا کفن دیتی ہوں
سن کے یہ بین پڑی بیٹے کے خیمے میں دھوم چھاتیاں پیٹتی تھیں زینبؑ و اُم کلثومؑ
آئے تب روتے ہوئے خیمے میں شاہؑ مظلوم لے گئے لاشۂ نوشاہ بحال مغموم
کھول کر بالوں کو ماں دولھا کی چلانے لگی گریۂ فاطمہ زہراؑ کی صدا آنے لگی
فرس خامہ کی اب تو بھی عناں تھام انیسؔ رونے سے مجلس ماتم میں ہے کہرام انیسؔ
ہو مداحوں میں سرورؑ کے ترا نام انیسؔ کر دعا حق سے یہ رو کر سحر و شام انیسؔ
جیتے جی بس اسی غم میں مجھے دن رات کٹے ابن زہراؑ ہی کی مداحی میں اوقات کٹے

رباعی

سوز غم دوری نے جلا رکھا ہے آہوں نے کنول دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمر آخر ہے انیسؔ اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

مرثیہ ۹

بند ۱۱۲

ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر — مچھلی سے تڑپنے لگے معصوم زمیں پر
صدمہ تھا عجب بادشہِ عرش نشیں پر — اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر
گلبرگ سے لب خشک تھے سر زانو پہ خم تھا — پردیسیوں کی فکر تھی اطفال کا غم تھا

فرماتے تھے بچے نہیں جینے کے ہمارے — مر جائیں گے سب غنچہ دہن پیاس کے مارے
دستے ہیں ستمگاروں کے دریا کے کنارے — کس سے کہے فرزندِ علیؑ کس کو پکارے
مختاری کوثر جنھیں خالق نے عطا کی — وہ پانی کو محتاج ہیں قدرت ہے خدا کی

مہمانوں کی دعوت کا ہوا خوب سرانجام — قدغن ہے کہ پائے نہ کوئی پانی کا اک جام
ہر سمت سے ہے فوجوں کی آمد سحر و شام — منزل پہ بھی پایا نہ تھکے ماندوں نے آرام
خیمے ستم ایجادوں کے ساحل پہ کھڑے ہیں — خشکی میں جو اُترے وہ تباہی میں پڑے ہیں

یہ موسمِ گرما یہ تب و تاب یہ میداں — یارب مرے اطفال کا بس تو ہے نگہباں
تجھ پر تو ہے ظاہر کہ میں ہوں بے سر و ساماں — افسردہ دل و فاقہ کش و مضطر و حیراں
کیا نفع ہے اعدا کو مری دل شکنی میں — محتاج ہوں پانی کا غریب الوطنی میں

بچے لئے آیا ہے وطن سے یہ مسافر — بندے ہیں ترے ان کا تو ہے حافظ و ناصر
سر دینے کو خادم ہے تری راہ میں حاضر — تو صبر عطا کر کہ نہ تڑپوں دمِ آخر
خنجر کو میں اس حلق پہ چلتے ہوئے دیکھوں — زینبؑ کو نہ خیمے سے نکلتے ہوئے دیکھوں

قاسمؑ کے عوض مجھ کو لگے نیزہ و شمشیر — عباسؑ سلامت رہے بے دست ہو شبیرؑ
مٹی میں نہ دیکھوں ترے محبوب کی تصویر — آگے مرے اصغرؑ کے نہ گردن پہ چلے تیر
سب روئیں مجھے جب سفرِ خُلد کروں میں — آباد انھیں چھوڑ کے دُنیا میں مروں میں

یہ چاند کے ٹکڑے ہیں مرے گود کے پالے — بن پانی تڑپتے ہیں زبانوں کو نکالے
ان تازہ گلوں کی مجھے جانوں کے ہیں لالے — اولاد کے داغوں سے کلیجے کو بچا لے
راضی ہوں میں جو مجھ پہ گزرنا ہو گزر جائے — بچہ مرا دم توڑ کے جھولے میں نہ مر جائے

کرتے تھے دعا سر کو جھکائے شہِ عالم
سیدانیوں میں رونے کا غل ہوتا تھا ہر دم
چلاتی تھی اصغرؑ کو لئے بانوئے پرغم
دوڑو وارے لوگو مرا بچہ ہوا بے دم
بن پانی سفر کرتے ہیں ہستی کے چمن سے
ننھی سی زباں ہونٹوں پہ نکلی ہے دہن سے

کیا جی پہ بنی ہے کہ ہمکتے نہیں اصغرؑ
اب دودھ کی خاطر بھی بلکتے نہیں اصغرؑ
ہے ہے مری صورت کو بھی تکتے نہیں اصغرؑ
لو نرگسی آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اصغرؑ
لے آئے کوئی اذن شہِ جن و لبشر سے
پانی کی گدائی کو نکلتی ہوں میں گھر سے

تھے پیاس سے معصوم سراسیمہ و مضطر
لب خشک تھے اور چاند سے منھ آنسوؤں سے تر
چلاتے تھے یہ چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
پیاسوں پہ کرم کیجئے یا ساقیِ کوثر!
ہے سب پہ عیاں آپ امامِ دو جہاں ہیں
پانی نہیں اور صبح سے ہم تشنہ دہاں ہیں

ساغر لئے حضرت کے قریب آتا تھا کوئی
پانی ہمیں منگوا دو یہ چلاتا تھا کوئی
سوکھے ہوئے لب شاہ کو دکھلاتا تھا کوئی
ہم پیاسے ہیں یہ کہہ کے لپٹ جاتا تھا کوئی
پانی تو نہ تھا اشک بہا دیتے تھے حضرت
شرما کے سرِ پاک جھکا لیتے تھے حضرت

زینبؑ کو عجب رنج تھے قسمت نے دکھائے
دھڑکا تھا کہ بچہ نہ کوئی ہاتھ سے جائے
بہلاتی تھیں چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے
وہ کہتی تھی مرتی ہوں میں پانی کوئی لائے
اب پیاس کی گرمی سے مجھے تاب نہیں ہے
یہ کیسی ہے منزل کہ جہاں آب نہیں ہے

تڑپوں گی زمیں پر مجھے گودی سے گرا دو
صدقہ علی اصغرؑ کا مری پیاس بجھا دو
اک بوند بھی ہوئے تو مرے منھ میں چوا دو
خالی ہی کٹورا مرے ہونٹوں سے لگا دو
پانی نہ ملے گا تو بہلنے کی نہیں میں
اب کی جو غش آیا تو سنبھلنے کی نہیں میں

دن بھر اسی بیتابی میں بچوں نے گزارا
رویا کیا مخدومۂ کونین کا پیارا
صحرائے مصیبت میں ہوئی شام قضارا
گردوں سے کیا خسروِ خاور نے کنارا
مغرب کے فریضے کو ادا کرتے تھے شبیرؑ
روتے تھے اور اُمت کی دعا کرتے تھے شبیرؑ

وہ شامِ غم انجام وہ صحرا کی سیاہی
بچوں کا وہ رونا وہ غریبوں کی تباہی
زینبؑ کو یہ تھا سوچ کہ کیا ہوگا الٰہی
بربادیِ سادات سے بے دینوں نے چاہی
نہ جنگ کا ساماں ہے نہ کچھ فوج ادھر ہے
لٹ جانے کا بھی خوف ہے شب خوں کا بھی ڈر ہے

دل رندھ گئے تھے تیرگیٔ دشتِ بلا سے
روتے تھے حرم خیمے میں بیٹھے ہوئے پیاسے
شمعیں بھی بجھی جاتی تھیں جنگل کی ہوا سے
جی ڈرتے تھے بچوں کے درندوں کی صدا سے
باقرؑ کو کلیجے سے لگا لیتی تھی بانو
چھاتی تلے اصغرؑ کو چھپا لیتی تھی بانو

کم ہوتی تھی جوں جوں وہ شبِ روزِ مصیبت
ہوتی تھی فزوں دشتِ پُر آشوب کی دہشت
وہ شب تھی غریبوں کے لئے صبحِ قیامت
ایذائے سفر فاقہ کشی پیاس کی شدت
بہلاتی تھیں مائیں پہ نہ چپ ہوتے تھے بچے
مچلے ہوئے کھانے کے لئے روتے تھے بچے

اُترا ہوا تھا نہر پہ واں لشکرِ اظلم
اطراف سے فوجیں بھی چلی آتی تھیں باہم
پانی کی نہ پروا تھی نہ کھانے کا انھیں غم
تھے فاقے سے اطفالِ شہنشاہِ دو عالم
روشن تھیں ادھر مشعلیں لشکر میں عمر کے
جلتے تھے اندھیرے میں ادھر داغ جگر کے

چوکی کے پیادے یہ صدا دیتے تھے ہر بار
ہاں جاگتے رہیو کوئی سوئے نہ خبردار
نرغے میں رہے لختِ دلِ احمدِؐ مختار
غفلت کا نہیں وقت ذرا گھات سے ہشیار
اُس فوج کا پیاسا کوئی یاں آنے نہ پائے
یاں کا بھی اُدھر چھپ کے کوئی جانے نہ پائے

اس شیرِ دلاور کے پسر سے ہے لڑائی
جس پر نہ کبھی فتح کسی فوج نے پائی
ان شیروں کے قابو میں نہ آجائے ترائی
پانی اُنھیں پہنچا تو ہماری اجل آئی
آمادہ رہو جنگ خدا جانئے کب ہو
گر آن پڑیں نہر پہ پیاسے تو غضب ہو

پھرتے تھے ادھر گردِ خیامِ شہِؑ ابرار
کچھ لوگ لئے حضرتِ عباسؑ علمدار
کاندھے پہ سپر بر میں زرہ ہاتھ میں تلوار
فرماتے تھے ہاں غازیو ہر سمت سے ہشیار
حرمت میں یہ خیمہ بھی نہیں کعبے سے کم ہے
سو بار تصدق ہو کہ یہ طوفِ حرم ہے

مصروفِ عبادت تھا یہ اللہ کا جایا
جو خیمے میں سیدانیوں نے شور مچایا
لو پیاس سے پھر بالی سکینہؑ کو غش آیا
گھبرا کے علمدار کو حضرتؑ نے بلایا
فرمایا کہ سنتے ہو یہ کیا شور ہے بھائی
بن پانی سکینہؑ تو لبِ گور ہے بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ اکرم
جلتی ہیں کلیجے پہ مرے برچھیاں باہم
پانی کا تو یہ قحط ہے گرمی کا یہ عالم
بچوں کا تو کیا ذکر جوانوں میں نہیں دم
دن بھر تو کٹا اب بھی جو پانی نہ پئیں گے
فرمائیے کس طرح سے معصوم جئیں گے

ہم قبلۂ کونین کی مرضی سے ہیں ناچار
سُن پائیں جو خادم ابھی حکمِ شہِ ابرار
تلواروں کو چمکا کے جو لشکر پہ گریں گے
گو فوج بہت کم ہے مگر سب شرفا ہیں
یوں دیکھو تو مظلوم ہیں راضی بہ رضا ہیں
دعویٰ ہے ہر اک کو کہ ہزاروں سے لڑیں گے
شہؑ نے کہا اُمّت کا نہیں قتل گوارا
اس وقت مگر ہے مرے خالق کا اشارا
جرأت تمہیں ورثہ ہے شہنشاہِ نجف سے
یہ سُن کے اُٹھا نورِ نگاہ اسد اللہ
مشکیں لئے سب گرد تھے اور بیچ میں وہ ماہ
بھیجا تھا پہ بیتاب امامِ دوجہاں تھے
جا پُہنچا ادھر تیس سواروں سے وہ صفدر
دریا کی ترائی میں بچھی نور کی چادر
تھی رات پہ ثابت ہوا یہ لشکرِ کیں پر
ناگہ بن حجاجِ لعیں آ کے پُکارا
دشوار ہے تا نہر پرندوں کا گزرنا
تلواروں سے کل کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو
بولا یہ ہلالِ بجلی شاہ کا یاور
آیا ہوں کہ پانی سے لبِ خشک کروں تر
پیارا نہیں پانی ہمیں تو اور کسی سے
اس نے کہا کیا کہتا ہے تو او ستم آرا
واں پیاس سے مرتا ہے ید اللہ کا پیارا
اس ظلم سے باز آ جو شناسا ہے نبیؐ کا

کچھ نہر سے پانی کا تو لانا نہیں دشوار
معلوم نہ ہووے کہ کدھر تھے یہ ستم گار
مر جائیں تو مر جائیں پہ خالی نہ پھریں گے
دیں دار ہیں ابرار ہیں اور اہلِ وفا ہیں
اور وقتِ جہاد آئے تو آفت ہیں بلا ہیں
یہ نہر ہے کیا آگ میں ہم کود پڑیں گے
منظور ہمیں آپ ہے دریا سے کنارا
جاؤ کہ خدا حافظ و ناصر ہے تمہارا
کیجو نہ مگر سبقتِ جنگ اپنی طرف سے
حضرت نے کئے تیس ۳۰ سوار آپ کے ہمراہ
فرماتے تھے نصرت کی دُعا سیّدِ ذی جاہ
آنسو شہِ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے
سب دشت ہوا حُسن کے پرتو سے منوّر
جو سوتے تھے وہ چونک پڑے صبح سمجھ کر
خورشید فلک سے اُتر آیا ہے زمیں پر
تم کون ہو یاں رات کو کیا کام تمھارا
دریا کے کنارے سے کرو جلد کنارا
پانی نہیں ملنے کا محمدؐ کے پسر کو
اے شخص میں ہوں تیرا چچا زاد برادر
اُس نے کہا سیراب ہو اے میرے دلاور
گر ہے تو عداوت ہے حسینؑ ابن علیؑ سے
اس پانی کا پینا مجھے کیوں کر ہو گوارا
اطفال کو اب تشنہ لبی کا نہیں یارا
یہ اور کوئی ہے کہ نواسا ہے نبیؐ کا

یہ وجہ عداوت کی نبیؐ زادے سے کیا ہے — مارا ہے کسے اس نے کسے قتل کیا ہے
مہمان ہے سیدؐ ہے گرفتارِ بلا ہے — جو اپنے گھر آئے یہ ستم اُس پہ روا ہے
جس کو نہیں ملتا اُسے لا دیتے ہیں پانی — پیاسا ہو تو کافر کو پلا دیتے ہیں پانی
کر دل میں ذرا غور تو ہے قاری قرآں — ممنوع ہے کیسا عمداً قتلِ مُسلماں
شبیرؑ تو ہے حامیِ دیں صاحبِ ایقاں — سب خلق پہ ہے جس کا پدر سابق الایماں
ہر شخص کو عزت بھی اسی گھر سے ملی ہے — ایمان کی دولت بھی اسی گھر سے ملی ہے

ظالم نے کہا سچ ہے جو تو کرتا ہے مذکور — شبیرؑ کو سیراب کریں یہ نہیں منظور
یاں لاکھ جواں ہم ہیں اسی بات پہ مامور — وہ شیر پکارا کہ یہ میرا نہیں مقدور
پانی کے لئے نہر پہ سر دیویں گے ہم بھی — میدانِ وغا لاشوں سے بھر دیویں گے ہم بھی

جس وقت کہ آپس میں زیادہ ہوئی تکرار — اک شور ہوا دونوں طرف کھنچ گئی تلوار
فرمانے لگے حضرت عباسؑ علمدار — میں لڑتا ہوں ہاں ڈال دو تم پانی میں رہوار
زورِ اسداللہ دکھا دیتا ہوں اُن کو — اک حملہ میں دریا سے بھگا دیتا ہوں اُن کو

یہ کہتے تھے عباسؑ کہ اعدا کے چلے تیر — غازی نے کیا مثلِ علیؑ نعرۂ تکبیر
بجلی سی شبِ تار میں رخشاں ہوئی شمشیر — گر گر کے ترائی میں تڑپنے لگے بے پیر
جس غول میں جا پڑتے تھے تاریکیِ شب میں — شیر آیا ترائی میں یہ غُل ہوتا تھا سب میں

آخر نہ ہوا تھا ابھی یاں حملۂ اوّل — فوجِ ستم آرا میں ادھر ہو گئی ہل چل
گھوڑوں پہ اندھیرے میں گرے پڑتے تھے پیدل — لامع ہوئی جب تیغ تو روشن ہوا جنگل
اُڑتے ہوئے گردوں پہ شرارے نظر آئے — بجلی کہیں چمکی کہیں تارے نظر آئے

ہر دم بُرشِ تیغِ دو دم ہوتی تھی افزوں — دریا کے قریں خون کا بہنے لگا جیحوں
چھینٹوں سے لہو کے سپریں ہو گئیں گلگوں — چلاتے تھے اعدا یہ لڑائی ہے کہ شب خوں
ریتی پہ طپاں ہے کوئی جل جاتا ہے کوئی — پارہ کی طرح اُڑ کے نکل جاتا ہے کوئی

رہوار چھلاوا ہے کہ شہبازِ نظر ہے — نیزہ ہے کہ افعی ہے سناں ہے کہ شرر ہے
تلوار ہے یا ماہیِ دریائے ظفر ہے — خورشید کے پنجے میں سپر ہے کہ قمر ہے
حملے ہیں نئے جنگ کے انداز جدا ہیں — یہ حضرتِ عباسؑ ہیں یا شیرِ خدا ہیں

جب شیر سا آپڑتا ہے گھوڑے کو ڈپٹ کر ہو جاتی ہے سب فوج پراگندہ سمٹ کر
جس غول پہ کر جاتا ہے اک وار جھپٹ کر دس بیس کے سر خاک پہ گر پڑتے ہیں کٹ کر
گر سیل کہیں سیل میں یہ کاٹ کہاں ہے معلوم نہیں ہم ہیں کہاں گھاٹ کہاں ہے

ساحل سے کنارے ہوئے جب سارے ستم گر دریا میں در آئے شہِ مظلومؑ کے انصار
مشکیں بھریں اور جلد چلے چھیڑ کے رہوار تھا تیغ بکف لختِ دلِ حیدرؑ کرار
جو ٹوکتا تھا شیر سے بھڑ پڑتے تھے عباسؑ ان سب کو بچاتے بھی تھے اور لڑتے تھے عباسؑ

فرماتے تھے تم تک نہیں آسکتے ہیں بے پیر ہاتھ اُس کا اڑادوں کوئی چٹکی میں جو لے تیر
دو مشکیں تو تھیں دوش پہ اور ہاتھ میں شمشیر نعرہ تھا کہ نزدیک ہے اب خیمۂ شبیرؑ
خود پیاسے تھے اور تشنہ دہانوں کی سپر تھے تنہا تھے مگر تیسؔ سواروں کی سپر تھے

واں جنگ تھی بیتاب تھا یاں فاطمہؑ کا لال تر آنسوؤں سے ہوتا تھا رومال پہ رومال
تھے جمع حرم ڈیوڑھی پہ سب کھولے ہوئے بال اور فاطمہؑ کی بیٹیاں تھیں مضطرب الحال
غل ہوتا تھا میداں میں تو گھبراتے تھے شبیرؑ ہر مرتبہ خیمے سے نکل آتے تھے شبیرؑ

ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ دعا کرتے تھے پیہم یا قادر و یا ناصر و یا خالقِ عالم
مجھ بیکس و بے پر کے تو ہے حال سے محرم عباسؑ دلاور کی مدد کیجیو اس دم
وہ آئے تو پانی کے بھی پینے کا مزا ہے اس بھائی سے شبیرؑ کے جینے کا مزا ہے

یارب ترے شبیرؑ کا یاور ہے تو یہ ہے عاشق ہے تو یہ ہے جو برادر ہے تو یہ ہے
حمزہ ہے تو یہ ہے مرا جعفر ہے تو یہ ہے گر فوج ہے تو یہ ہے جو لشکر ہے تو یہ ہے
طاقت ترے محبوب کو تھی تیرے ولی سے قوّت ہے مرے جسم میں عباسؑ علی سے

عباسؑ کے بچّوں کی یتیمی نہ دکھانا ماتم میں چچا کے نہ سکینہؑ کو رُلانا
چھوٹی مری بھاوج کو رنڈاپے سے بچانا دریا سے سلامت تو اسے پھیر کے لانا
وہ آکے ملے گا تو ٹھہر جائے گا شبیرؑ بچھڑے گا جو عباسؑ تو مر جائے گا شبیرؑ

تھی زوجۂ عباسؑ سراسیمہ و مضطر دھڑکا تھا کہ کیا دیکھوں دکھاتا ہے مقدّر
تنہا وہ کہاں اور کہاں شام کا لشکر اعدا سے لڑیں گے شبِ تاریک میں کیوں کر
تشویش ہے فرزندِ رسولؐ دوسرا کو یارب تو بچا لیجو سکینہؑ کے چچا کو

ڈیوڑھی پہ کھڑا تھا پسرِ ساقیٔ کوثر
دریا سے پھرے حضرتِ عباسؑ دلاور
مشکیزے بھی پُر آب ہیں تائید خدا سے
بس اتنے میں عباسؑ نے آواز سُنائی
درپیش ہے اب روح کو قالب سے جُدائی
اللہ نے پھیرا انھیں تیغوں کے تلے سے
عباسؑ پکارے شہؑ کونین میں آیا
دریا کے کنارے سے لعینوں کو بھگایا
سب پیاسوں کو مژدہ یہ سُنا دیجئے مولاؑ
مشکیں لئے اتنے میں دلاور نظر آئے
قدموں پہ جو آقا کے جُھکانے وہ سر آئے
انجام کی اس عاشق باری کو خبر تھی
کاندھے پہ جو عباسؑ کے مشکیزہ کو دیکھا
ہم شکل پیمبرؐ نے کہا اے شہ والا
دے آئے جواں یاں کے شکست اہلِ وفا کو
فرمایا شہِ دیں نے ہمیں اس کی خبر ہے
بے وجہ نہیں روئے جبیں اشکوں سے تر ہے
یاں بھائی سے بھائی کو جدا ہونا ہے بیٹا
وہ وقت مری آنکھوں تلے پھر گیا اکبرؑ
پانی انھیں لانے نہیں دیویں گے ستم گر
ہم خاک بسر ان کی جدائی میں رہیں گے
یہ کہہ کے علمدار سے لپٹے شہِ خوش خو
فرماتے تھے میں صدقے ترے اے مرے گل رو
روتا ہوں کہ یاد آتا ہے انجام تمہارا

ناگاہ خبر دی یہ خبردار نے آکر
آپہنچے ہیں اُردوئے معلّیٰ کے برابر
زخمی بھی نہیں ہے کوئی حضرتؑ کی دُعا سے
چلّائے شہِ دیں کہ میں صدقے ترے بھائی
تم آئے نہیں جان تنِ زار میں آئی
جلد آکے لپٹ جاؤ برادر کے گلے سے
اللہ مرے سر پہ رکھے آپ کا سایا
پانی بھی غلام آپ کے اقبال سے لایا
غش ہووے سکینہؑ تو جگا دیجئے مولا
خیمے کے قریں گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے
آنسو شہِ مظلومؑ کی آنکھوں میں بھر آئے
مشکوں پہ کبھی اور کبھی ہاتھوں پہ نظر تھی
رونے لگے چلّا کے شہِ یثربؑ و بطحا
رونے کی ہے کیا وجہ یہ موقع ہے خوشی کا
لایا ہے خدا پھیر کے عباسؑ چچا کو
یاں معرکۂ روزِ دہم پیشِ نظر ہے
کیا خوش ہوں کہ سو داغ ہیں اور ایک جگر ہے
ان ہاتھوں پہ کیا جانئے کیا ہونا ہے بیٹا
جب مشک سکینہؑ کی سدھاریں گے یہ لے کر
ٹوٹے گی الم سے کمرِ سبطِ پیمبرؐ
مشک آئے گی گھر میں یہ ترائی میں رہیں گے
چومے کبھی ہاتھ اور کبھی شانے کبھی بازو
اس سینے سے آجاتی ہے بابا کی مجھے بو
سقّائے حرم آج سے ہے نام تمہارا

مشکیں لئے گھر میں پسرِ فاطمہؑ آیا ... زینبؑ نے خوشی ہو کے سکینہؑ کو جگایا
کلثومؑ نے آغوش میں باقرؑ کو اُٹھایا ... بیٹوں کو علمدار کی زوجہ نے بلایا
مادر کے رُخِ پاک کو تکنے لگے اصغرؑ ... جھولے میں خوشی ہو کے ہمکنے لگے اصغرؑ

سب نے کہا پہلے علی اصغرؑ کو پلاؤ ... شبیرؑ پکارے مری دختر کو پلاؤ
بانوؑ نے کہا زینبِؑ مضطر کو پلاؤ ... زینبؑ نے کہا میرے برادر کو پلاؤ
اُمیدِ حیاتِ شہ بے آس نہیں ہے ... بھائی کی مصیبت میں مجھے پیاس نہیں ہے

فرمایا شہؑ دیں نے کہ اے بیبیو آؤ ... بچوں کو بھی لاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
پھر پانی نہیں ملنے کا لو پیاس بجھاؤ ... ہاں بعد حسینؑ ابن علیؑ پاؤ تو پاؤ
تقدیر میں ہے خنجر و شمشیر کا پانی ... یہ آخری ہے قسمتِ شبیرؑ کا پانی

مصروف ہوا پھر پسرِ ساقیِ کوثر ... سب پیاسوں کو بھر بھر کے دیئے پانی کے ساغر
شاداب ہوا گلشنِ اسلام سراسر ... تب بھائی سے فرمانے لگے سبطِ پیمبر
سب پی چکے اونٹوں کی بھی اب پیاس بجھا دو ... باقی ہے جو پانی اُسے گھوڑوں کو پلا دو

عباسؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ عالم ... بچوں کے لئے پانی کا رکھنا ہے مقدم
فرمایا کہ بھائی یہ مناسب نہیں اس دم ... مشہور رہیں دنیا میں سخی ابنِ سخی ہم
ہم پانی پئیں وہ نہ پئیں شرم کی جا ہے ... حیواں نہ پیاسے رہیں بچوں کا خدا ہے

یہ سُنتے ہی باہر گیا وہ عاشقِ باری ... مشکیں جو بھری آئیں تھیں خالی ہوئیں ساری
وہ رات تو راحت سے غریبوں نے گزاری ... ہشتم سے وہی پیاس تھی اور گریہ و زاری
گھیرے تھے لعیں سبطِ رسولِ عربی کو ... پھر پانی دہم تک نہ ملا آلِ نبیؐ کو

مطلع دوم

جب رن میں نمایاں ہوئی صبح شبِ عاشور ... سب عالمِ ایجاد ہوا نور سے معمور
خورشید کی آمد ہے ستارے ہوئے بے نور ... چہروں سے اُڑا رنگِ حرم صورتِ کافور
معصوم بچھڑتے ہیں عدم کے سفری سے ... پروانے گلے ملتے تھے شمعِ سحری سے

جب پڑھ چکے شہ بعد فریضے کی دعائیں ... فرمایا کہ رخصت کے لئے بیبیاں آئیں
چھاتی سے پھر اک بار سکینہؑ کو لگائیں ... کچھ بانوؑ سے کہہ لیویں تو سر دینے کو جائیں
بیبیوں سے ملاقات کی فرصت نہ ملے گی ... پھر حشر تلک بات کی مہلت نہ ملے گی

بچّے لئے وہ بیبیوں کا سامنے آنا
شبیرؑ کا ایک ایک کو چھاتی سے لگانا
وہ بانوؑ کا سر پائے مبارک پہ جھکانا
وہ شاہؑ کا قسمیں سرِ اکبرؑ کی دلانا
رُخ زرد تھا عریاں ہر اک بی بی کا سر تھا
ماتم کا مرقع شہِ مظلوم کا گھر تھا

روتے ہوئے خیمے سے برآمد ہوئے شبیرؑ
بیٹی کہیں غش کھا کے گری اور کہیں ہمشیر
پہلے سے نقاہت تھی زبس پاؤں کی زنجیر
تڑپا کئے اور اُٹھ نہ سکے عابدِؑ دلگیر
چلّاتے تھے سب نے ہمیں بابا سے چھڑایا
بیمار کو قسمت نے مسیحا سے چھڑایا

مرکب پہ جگر بند محمدؐ ہوا اسوار
کس شوق سے گھوڑوں پہ چڑھے یاورِ انصار
وہ فوجِ حسینی وہ علم اور وہ علم دار
خاتونِ قیامت کی صدا آتی تھی ہر بار
لشکر کے فدا سرورِ ذی جاہ کے صدقے
ان تاروں کے قربان اور اس ماہ کے صدقے

پُہنچے جو وہ مردانِ وغا دشتِ وغا میں
تھا غلغلۂ صلِّ علیٰ ارض و سما میں
سرگرم تھے سب اُلفتِ شاہِ شہدا میں
ثابت تھے دلیروں کے قدم راہِ خدا میں
کہتے تھے کہ آقا کی یہ تائید کا دن ہے
کٹوائیے ہنس ہنس کے گلے عید کا دن ہے

یہ روز مبارک ہے سعادت ہے یہ مرنا
سجدے میں سرِ تیغ سر اس جنگ میں دھرنا
ہاں غازیو، اس کثرتِ اعداء سے نہ ڈرنا
ہر زخم پہ دم اُلفتِ شبیرؑ کا بھرنا
گھوڑوں کی عنانوں کو عنانوں سے ملا دو
تیغوں سے گلے سینے سنانوں سے ملا دو

افضل ہے عبادت سے مددگاریِ شبیرؑ
خود دوڑو کمانداروں کی جانب صفتِ تیر
بجلی سے گرو واں کوئی چمکائے جو شمشیر
کس شخص کے یاور ہو یہ عزت و توقیر
چھاتی سے ہمیں آج لگاویں گے محمدؐ
رونے کے لئے لاشوں پہ آویں گے محمدؐ

معلوم نہ ہوگا یہ کئی روز کا فاقا
جب تیغوں کے پھل کھائیں تو حاصل ہو افاقا
اولاد سے مطلب ہے نہ گھر سے ہے علاقا
دُنیا میں کہاں پائیں گے شبیرؑ سا آقا
پایا ہے یہ کس نے جو ہمیں پایا ملے گا
قبروں کو بھی شبیرؑ کا ہمسایا ملے گا

کیا فوج تھی کیا لوگ تھے اللہ رے ارادے
اس پر بھی بہتّر تھے سوار اور پیادے
ایک ایک جب آقا کے لئے جان لڑا دے
کیوں کر نہ بھلا فاطمہؑ ان سب کو دعا دے
سردار مجاہد ہو تو انصار ہوں ایسے
آقا جو ہو ایسا تو مددگار ہوں ایسے

یوسف سے حسیں حسن شرف میں مہ کنعاں
شرمندہ جنھیں دیکھ کے ہو نیّر تاباں
تھا کوئی مفسّر تو کوئی حافظِ قرآں
غل چار طرف تھا یہ ملائک ہیں کہ انساں
لبریزِ مئے حُسن صراحی سے گلے تھے
سینے نہ کہو چاند عباؤں کے تلے تھے

ہتھیار چمکتے ہوئے اور برق سے تازی
دیں دار خوش اطوار وفادار نمازی
مکّی و قریشی و حسینی و حجازی
زور آور و لشکر شکن و صفدر و غازی
جب آنکھ ملا دیں تو دلیروں کو بھگا دیں
قبضے پہ رکھیں ہاتھ تو شیروں کو بھگا دیں

قامت ہے وہ شمشاد بلندی میں جہاں پست
ساعد وہ جو ضیغم کی کلائی سے زبردست
سینے وہ تھے سرکیں نہ جو سو تیر ہوں پیوست
تھے ساقیِ کوثر کی محبت میں وہ سرمست
کس شوق سے آقا کے قدم چوم رہے تھے
تلواروں کو کاندھوں پہ دھرے جھوم رہے تھے

صف باندھے ہوئے قبلۂ عالم کے یگانے
استادہ تھے شانوں سے ملائے ہوئے شانے
تسبیحِ امامت نے عجب پائے تھے دانے
اک رشتہ میں جا گہ انھیں بخشی تھی خدا نے
کیا عزّت و حُرمت تہِ افلاک تھی اُن کی
کہتے ہیں جسے خاکِ شفا خاک تھی اُن کی

کہتا تھا کوئی اکبرِ ذی جاہ کو دیکھو
عباسؑ کو دیکھو علمِ شاہ کو دیکھو
کیا نور ہے فرزندِ ید اللہ کو دیکھو
تاروں کی طرف دیکھ چکے ماہ کو دیکھو
یہ وہ ہیں کہ دشمن کی بُرائی میں نہیں ہیں
ایسے تو جواں ساری خدائی میں نہیں ہیں

ڈنکے پہ پڑی چوب بڑھا شام کا بادل
نعروں سے دلیروں کے لگا گونجنے جنگل
تلواریں جو چمکیں تو پڑی فوج میں ہلچل
آگے صفِ آخر ہوئی پیچھے صفِ اوّل
کیا زور تھا انصارِ شہِ تشنہ دہاں کا
لشکر تہ و بالا ہوا دو لاکھ جواں کا

جس شیر نے رہوارِ فلک سیر کی لی باگ
اک ایک سے کہتی اجل آئی کہ ارے بھاگ!
سادات کی تلواروں کو تم سے ہے سدا لاگ
یہ صاعقہ ہے خرمنِ ہستی کے لئے آگ
جز قبلہ کسی جا انھیں جھکتے نہیں دیکھا
تلواروں کو اُن کی کبھی رُکتے نہیں دیکھا

مارے گئے لڑ بھڑ کے جو وہ مومنِ کامل
جا جا کے اُٹھا لائے انھیں سرورِ عادل
کس طرح بشر سے ہوں بیاں اُن کے فضائل
رتبے میں مَلک ہو نہ سکے جن کے مقابل
رونے کو نہ مادر تھی نہ ہمشیر سرہانے
تھا وقتِ اجل زانوئے شبیرؑ سرہانے

جب آئی عزیزوں کے جدا ہونے کی باری
خونِ جگر آنکھوں سے ہوا شاہ کی جاری

فرماتے تھے ہر بار کہ جو مرضیِ باری
گو شکر ادا کرتے تھے گو گریہ و زاری

سادات کے حملوں سے قیامت ہوئی رن میں
بس عصر تلک سب کی شہادت ہوئی رن میں

لشکر میں پڑا شور کہ تنہا ہوئے شبیرؑ
ہشیار کہ ہوتی ہے علم حیدری شمشیر

آگے قدر انداز بڑھے چلنے لگے تیر
حضرت کا یہ تھا حال کہ تھے ششدر و دلگیر

خیمے کو حرم کے کبھی تکتے تھے پلٹ کر
روتے تھے کبھی لاشۂ اکبرؑ سے لپٹ کر

فرماتے تھے کیا سوتے ہو اٹھّو علی اکبرؑ
تنہائی میں بابا کی خبر لو علی اکبرؑ

حلقے میں لیا فوج نے ہم کو علی اکبرؑ
آنکھیں تو ذرا کھول کے دیکھو علی اکبرؑ

بیکس کی مدد کرنے کو آتے نہیں بیٹا
نیزوں سے لعینوں کے بچاتے نہیں بیٹا

یہ کہتے تھے جو لاشۂ اصغرؑ نظر آیا
بچّے کو عجب پیار سے چھاتی سے لگایا

بوسے لئے آنکھوں کے لہو مُنھ سے چھڑایا
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹایا

اک ہاتھ کا تکیہ کیا معصوم کے سر کا
اک ہاتھ رکھا سینے پہ مجروح پسر کا

چلّائے کہ اکبرؑ علی اصغرؑ سے خبردار
جنگل میں ذرا چھوٹے برادر سے خبردار

اے مہرِ درخشاں مہِ انور سے خبردار
ہے خوف کی منزل مرے دلبر سے خبردار

اس طرح سے بہلاؤ کہ روئے نہیں اصغرؑ
بے ماں کبھی آرام سے سوئے نہیں اصغرؑ

ناگاہ صدا آئی کہ اے عاشق باری
صدقے ترے بچّوں کے یہ ماں درد کی ماری

محسن سے مجھے کم نہیں اولاد تمہاری
حاضر ہوں میں لاشوں کی نگہبانی کو واری

روتی ہوں غمِ اصغرؑ بے شیر میں بیٹا
لکھّی تھی یہ خدمت مری تقدیر میں بیٹا

شادی مجھے اکبرؑ کی نہ قسمت نے دکھائی
حسرت رہی پوتے کی دُلہن گھر میں نہ آئی

اب آئی تو لاشوں کی نگہبانی کو آئی
لُوٹا مجھے اُمّت نے محمدؐ کی دوہائی

تاراج محمدؐ کا گلستان ہوا ہے
پھولا پھلا گلشن مرا ویران ہوا ہے

اک باغ فدک تھا سو اُسے پہلے ہی لُوٹا
اور آج تو زہراؑ پہ فلک ظلم کا ٹوٹا

اس باغ کے لُٹ جانے سے فردوس بھی چھوٹا
ہے ہے نہ کوئی گُل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا

تلواروں کے پھل کھا کے یہ سب پھول جھڑے ہیں
کاٹے ہوئے ریتی میں مرے سرو پڑے ہیں

پہچان کے مادر کی صدا رونے لگے شاہ
فرزندوں کے غم میں دلِ پُر درد سے کی آہ
جب تیر برسنے لگے معصوم پہ ناگاہ
اعدا سے مخاطب ہوا تب ابنِ یداللہ
ہاں آؤ اگر حوصلہ باقی ہے کسی کو
ناچار علم کرتا ہوں شمشیرِ علیؑ کو

میں وارثِ شمشیرِ شہِ قلعہ کشا ہوں
میں مہتمم خانۂ ربِّ دوسرا ہوں
رحمت ہوں کبھی میں تو کبھی قہرِ خدا ہوں
بخشوں جسے چاہوں میں نہ بخشوں جسے چاہوں
اللہ نے بچپن سے مجھے پیار کیا ہے
جنّت کا بھی دوزخ کا بھی مختار کیا ہے

جو دوست ہیں میرے اُنھیں دوزخ کا نہیں ڈر
گھر اُن کے ارم میں ہیں مرے گھر کے برابر
ہے خلد بریں اُلفتِ اولادِ پیمبرؐ
چشمہ ہے محبّت کا مری چشمۂ کوثر
کب عرش نے پایا ہے جو پایا ہے ہمارا
طوبا جسے کہتے ہیں وہ سایا ہے ہمارا

فردوس کے میوے مری اُلفت کے ثمر ہیں
گلگشت کو جنّت کے چمن پیشِ نظر ہیں
ان سب کے دلِ پنجتنؑ پاک میں گھر ہیں
شیعوں کے لئے حشر میں ہم سینہ سپر ہیں
اس معرکے میں عیش و نشاط ان کے لئے ہے
نے خوفِ جہنّم نہ صراط ان کے لئے ہے

قبروں سے وہ ہنستے ہوئے ہوویں گے برآمد
اور پائیں گے قصرِ گہر و لعل و زبرجد
جو دشمنِ زہراؑ و علیؑ ہے وہ ہے مُرتد
ایماں کے عدو گن لو کہ ہیں حُبِّ محمدؐ
کافر کا جگر سینے میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نامِ علیؑ کو تو بہ حق ہے

فرما کے یہ شمشیرِ دو پیکر کو نکالا
اک برق چمکنے لگی تا عالمِ بالا
کونین میں اس تیغ نے اک تہلکہ ڈالا
گردوں تو گرا تھا پہ فرشتوں نے سنبھالا
جب عرشِ خدا ہلتا تھا تھرّاتے تھے افلاک
جُھک جُھک کے سوئے خاک سنبھل جاتے تھے افلاک

چھایا ہوا تھا چاروں طرف ڈھالوں کا بادل
شمشیر تھی مانندِ ہلالِ صفِ اوّل
تھی جانوں کی دہشت سے عجب فوج میں ہلچل
پیدل پہ تو اسوار تھے اسواروں پہ پیدل
بند آنکھیں کئے فوج گئی کوس تلک تھی
آئینۂ شمشیر میں بجلی کی چمک تھی

سمٹی ہوئی تھی گاوِ زمیں خوف کے مارے
طائر بھی درختوں سے اُڑے جاتے تھے سارے
حیدرؑ کی صدا آتی تھی ہاں لے مرے پیارے
میں بھی ہوں مدد کے لئے ہمراہ تمہارے
کھینچا ہے تو مت روکیو شمشیرِ دو دم کو
اس تیر لگے بازو پہ صدقے کرو ہم کو

پستی سے بلندی کو جھکی جب کہ وہ شمشیر
رکھ کر سپر چہروں پہ گر گر پڑے بے پیر
ہر صف میں کماندار گریزاں ہوئے جوں تیر
لاکھوں تھے پہ روکی نہ گئی ضربتِ شمشیر
اسوار جو نامی تھے وہ توسن سے جدا تھے
ہر ضرب میں اسواروں کے سر تن سے جدا تھے

بیکار تھیں اعدا کی کمانیں دمِ پیکار
آفت کا نشانا تھے وہ کج باز خطا کار
چلّوں کو اُڑاتی تھی جو ہر وار میں تلوار
حیرانی سے مُنھ کھول کے رہ جاتا تھا سوفار
پامال ہر اک ظالمِ سرکش نظر آیا
نے تیر نظر آئے نہ ترکش نظر آیا

گھوڑے کو اُڑاتے جو سواروں کے پروں پر
نعل اُس کے مہِ نو سے چمکتے تھے سروں پر
جب چاہتے تھے وار کو روکیں سپروں پر
اک برقِ غضب گرتی تھی بیداد گروں پر
اُڑ جاتی تھی گرتی تھی نکل جاتی تھی سن سے
سر تن سے سپر ہاتھ سے اور روح بدن سے

تلوار پڑی شاہ کی جس دشمنِ دیں پر
بکتر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ جبیں پر
گردن سے لگی سینے پہ اور سینے سے زیں پر
اسوار تھے گھوڑوں پہ تو گھوڑے تھے زمیں پر
تھا شور کہ اعجاز ہے یہ ضرب نہیں ہے
ہے قہرِ خدائے دو جہاں حرب نہیں ہے

بجلی سی جو گر کر وہ صفِ جنگ سے نکلی
فریاد کی آواز دلِ سنگ سے نکلی
اسوار کے سر پر جو پڑی تنگ سے نکلی
سینے میں در آئی تو عجب رنگ سے نکلی
چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
پایا جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا

جس شامی کے شانے پہ پڑی شانہ جدا تھا
پُہنچے تلک آ پہنچی تو دستانہ جدا تھا
تکبیر جدا نعرۂ شیرانہ جدا تھا
اپنوں سے ہر اک صورتِ بیگانہ جدا تھا
اس جنگ میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر تھی
ہاں تھی تو سر و تن کو جدائی کی خبر تھی

غل فوج میں تھا حیدرؑ صفدر کی دوہائی
اللہ کی فریاد پیمبرؐ کی دوہائی
مارو نہ ہمیں حضرت شبرؑ کی دوہائی
اکبرؑ کی دوہائی علی اصغرؑ کی دوہائی
عاجز ہیں علیؑ کے سرِ مجروح کا صدقہ
اب رحم کرو فاطمہؑ کی روح کا صدقہ

ناگاہ صدا آئی نبیؐ کی کہ مری جاں
اس ہاتھ کے اس ضرب کے اس تیغ کے قرباں
دشمن کی بھی مشکل کو تمہیں کرتے ہو آساں
اُمت پہ کرو رحم کہ مجھ پر ہے یہ احساں
خالق سے دمِ راز و نیاز آیا ہے بیٹا
سجدے کو تجھکو وقتِ نماز آیا ہے بیٹا

یہ سُنتے ہی سب اسلحہ حضرت نے اُتارا
اور گھوڑے سے اُترا اسد اللہ کا پیارا
تھے دور جو قاتل اُنھیں اس طرح پکارا
اب ہاتھ کسی پر نہیں اٹھے گا ہمارا
سر دینے کو موجود امامِ دوجہاں ہے
بھیجو اسے خنجر ہے کہاں شمر کہاں ہے

گھوڑوں سے یہ سُن کر کئی ملعون اُتر آئے
نیزہ کوئی تولے کوئی شمشیر لگائے
کچھ تیروں کو چِلّوں سے کمانوں کے مِلائے
قتلِ شہِ بیکس پہ قدم سب نے اُٹھائے
یاں روک نہ سکتا تھا کوئی تشنہ دہاں کو
یاں لے لیا حلقے میں امامِ دوجہاں کو

اک جان کے خواہاں تھے ستم گار ہزاروں
اک کعبے پہ چڑھ آئے تھے کفّار ہزاروں
اک جسم تھا اور نیزۂ خوں خوار ہزاروں
گھیرے ہوئے اک پھول کو تھے خار ہزاروں
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلّاتی تھیں رن میں
خورشیدِ جہاں تاب تھا تیروں کی کرن میں

تلواروں سے زخمی ہوئی پیشانی و گردن
تیروں سے ہوئے مثلِ زرہ جسم میں روزن
دیکھے جو گُلِ باغِ شفاعت دمِ مردن
زخمِ تبر و تیر کے پھیلا دیے دامن
افراطِ جراحت سے یہ تھا رنگ بدن کا
ہر عضو تھا اک پھول شہادت کے چمن کا

تھا عصر کا ہنگام کہ حضرتؑ کو غش آیا
سجدے میں سنبھل کر سرِ انور کو جھکایا
خنجر کو لعیں حلق کے نزدیک جو لایا
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہے ہے مرا جایا
قاتل کو تو کچھ مُنھ سے نہ فرماتی تھی زہراؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتی تھی زہراؑ

گردن پہ جو خنجر کو ستم گار نے رکھا
حضرت نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
بے رحمی سے جلّاد نے پوچھا سبب اس کا
فرمانے لگے رو کے شہِ بے کس و تنہا
امّاں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر

برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلنے پر
کافی ہے بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
کس مُنھ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر
ریتی پہ تڑپنے لگا شہؑ کا تنِ بے سر
سر لے کے عمرؔ پاس گیا شمر بد اختر
لٹنے لگی پوشاک حسینؑ ابنِ علیؑ کی

لاشے پہ اِدھر ٹوٹ پڑی فوج شقی کی
چلّائی کہ یا حیدرِ کرّار دوہائی
ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ نکل آئی
یاں ہو گئی سیّد کے تن و سر میں جُدائی
خیمے سے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
تھا شور کہ زہراؑ نکل آئی ہے لحد سے
لپٹی جو بہن دوڑ کے بھائی کے جسد سے

ہ مرزا "عشق" سے

خاموش انیسؔ اب بہت رونے کا ہے جوش | ہوگی نہ محبّوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشم خطا پوش | کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف | کب اہل سخن مانتے ہیں عام کی تعریف

۱۰ مرثیہ بند ۱۵۷

اے تیغِ زباں جوہرِ تقدیر دکھا دے
اے دستِ قلم قوّتِ تحریر دکھا دے!
اے ذہنِ رسا نظم کی توقیر دکھا دے
اے حسنِ بیاں نور کی تصویر دکھا دے!
صحبت ہے عجب گرم ہے دربارِ حسینیؑ
سب بزم ہے مشتاقِ علمدارِ حسینیؑ

عباسؑ علیؑ اخترِ اقبالِ علیؑ ہے
شوکت سے عیاں حشمت و اجلالِ علیؑ ہے
نقشہ ہے کہ آئینۂ تمثالِ علیؑ ہے
صورت ہے کہ تصویرِ خط و خالِ علیؑ ہے
کس باپ نے آفاق میں پایا خلف ایسا
خاتم پہ جہاں کے نہیں درِّ نجف ایسا

سیّافِ غزا سرورِ غا صفدرِ جرّار
ساونت اولو العزم جواں مرد وفادار
ذرّیتِ محبوبِ الٰہی کا مددگار
لڑنے میں کبھی شہ کی سپر اور کبھی تلوار
شہرا ہو نہ کیوں بازوے شاہِ شہدا کا
فرزند زبردست ہے وہ شیرِ خدا کا

دریادل و دیں پرور و ذی رتبہ و ذی جاہ
شمشیرِ خدا بازوے فرزندِ یداللہ
وہ شیر کہ اک دم میں الٹ دے صفِ جنگاہ
مانندِ علیؑ ساری محبّوں کا ہوا خواہ
احسان و کرم خلق میں کس پر نہیں اُس کا
اقبال و حشم میں کوئی ہمسر نہیں اُس کا

شمشاد و خیابانِ ارم ہے وہ بہشتی
تاجِ سرِ اربابِ ہمم ہے وہ بہشتی
سقّائے یتیمانِ حرم ہے وہ بہشتی
پیاسا ہے مگر بحرِ کرم ہے وہ بہشتی
شرمندہ نیستاں شہِ مرداں کے پسر سے
بھر دیتے ہیں دریا کے بھی داماں کو گہر سے

گو دور رہیں پر اپنے غلاموں کا ہے کیا پاس
جس وقت کہ ہوتا ہے ہجومِ الم و یاس
آتی ہے صدا دل سے کہ یا حضرتِ عباسؑ
ہو جاتا ہے وہ امر کبھی جس کی نہ ہو آس
مانا کہ امامت سے وہ ممتاز نہیں ہے
تبلاؤ یہ پھر کیا ہے جو اعجاز نہیں ہے

اللہ رے سروِ چمنِ فاطمہؑ کا پیار
قمری کی طرح عشق کے دم بھرتے ہیں ہر بار
گردن کو رہا طوقِ غلامی سے سروکار
تھے عاشقِ شمعِ قد و رنگِ گلِ رخسار
چھوڑا نہ کبھی ابنِ شہنشاہِ عرب کو
بلبل تھے اگر دن کو تو پروانہ تھے شب کو

عاشورے کو جب رن میں صف آرا ہوئے بے پیر
خوں ریزیِ سادات کی ہونے لگی تدبیر
سب برچھیاں سیدھی ہوئیں چلّوں سے ملے تیر
نیزے پہ جو نیزے تھے تو شمشیر پہ شمشیر
تیغیں جو کھنچیں برق بھی شرما گئی رن میں
ڈھالوں کی سیاہی سے گھٹا چھا گئی رن میں

تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے رن میں صف آرا
آنکھ اُن سے ملانے کا نہ تھا شیر کو یارا
عباسؑ سے کرتا تھا یہ ایک ایک اشارا
ہو حکم تو لے لیں ابھی دریا کا کنارا
تو جاں سے نثارِ خلفِ شاہِ نجف ہیں
ڈرتے نہیں مرنے سے کہ ہم حق کی طرف ہیں

تھے قلب میں لشکر کے شہِ بیکس و بے آس
لختِ دلِ زینبؑ تھے ستاروں کی طرح پاس
ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ تھے چپ و راس
اور آگے علم کھولے ہوئے حضرت عباسؑ
سب بھائی بھی تولے ہوئے شمشیر کھڑے تھے
اک شیر کے پہلو میں کئی شیر کھڑے تھے

جب دوپہر آئی تو قیامت یہ ہوئی آہ
زینبؑ کی کمائی پہ زوال آگیا ناگاہ
ہمشیر کے پرسے کو چلے تھے شہِ ذی جاہ
جو رن میں ہوا شور کہ مارا گیا نوشاہ
زہرا کی بہو گھر سے کھلے سر نکل آئی
ماں کوکھ کو پکڑے ہوئے باہر نکل آئی

چلّاتی تھی کھیتی ہوئی مجھ رانڈ کی پامال
اک شب کی دولہن چھوڑ گیا ہائے مرا لال
روتے تھے حسینؑ آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
تھا غیظ سے عباسؑ دلاور کا عجب حال
منہ سُرخ تھا اور اشک بھی آنکھوں میں بھرے تھے
جھنجھلائے ہوئے ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے

تکتے تھے سوئے فوجِ مخالف صفتِ شیر
رہ جاتے تھے ہر صف کی طرف تول کے شمشیر
تھا غم سے بھتیجے کے جہاں آنکھوں میں اندھیر
کہتے تھے کہ مر جانے میں کی ہم نے بڑی دیر
پہلے ہی نہ کیوں اُٹھ گئے ہستی کے چمن سے
نادم کیا قسمت نے حسینؑ اور حسنؑ سے

لٹتے ہوئے شادی کے چمن دیکھ چکے ہم
پامال خزاں باغِ حسنؑ دیکھ چکے ہم
ٹکڑے ہوا دولھا کا بدن دیکھ چکے ہم
بیوہ ہوئی اک شب کی دولھن دیکھ چکے ہم
دشمن کو بھی یہ داغ نہ تقدیر دکھائے
اب دیکھیں ہمیں کیا فلکِ پیر دکھائے

اس ہاتھ کے اس تیغ کے مالک شہِ دلگیر
قبضہ بھی نہ اپنا ہو تو بیکار ہے شمشیر
ہم قید ہوں شاید ہے یہی مرضیِ شبیرؑ
کچھ زور نہیں خیر پہن لیویں گے زنجیر
ہے نام سے مطلب نہ شجاعت سے غرض ہے
ہم کو فقط آقا کی اطاعت سے غرض ہے

ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ
شاید کہ ہوئی ختم سپاہ شہِ ذی جاہ
نعرہ کیا اکبرؑ نے مثالِ اسد اللہ
باقی ابھی دو شیر ہیں اے لشکرِ روباہ
تولے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں رن میں
ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں

سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرار
جو لشکر اللہ و نبیؐ کا ہے علم دار
بازوئے شہ دیں خلفِ حیدرؑ کرار
کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار
وہ سیل فنا خون میں ڈبا جائے گی سب کو
حیدرؑ کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ خوش اطوار
سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یک بار
حضرت نے کہا کیا ہے ارادہ مرے غم خوار
کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا
خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا

شہزادۂ عالم کی سنی آپ نے تقریر
ہے پہلے علم دار سے مرجانے کی تدبیر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر
واللہ انھیں روکئے یا حضرت شبیرؑ
موقع ابھی مرنے کا نہیں ان کے لئے ہے
آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لئے ہے

میداں میں یہ مرنے کے لئے جائیں میں دیکھوں
تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں میں دیکھوں
مقتل سے انھیں آپ یہ اُٹھا لائیں میں دیکھوں
شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں میں دیکھوں
آقا کے پسر کو کوئی یوں کھو نہ سکے گا
یہ صبر تو خادم سے کبھی ہو نہ سکے گا

شہ بولے ہمیں شاق ہے دونوں کی جدائی
گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
پاؤں گا کہاں تم نے اگر جان گنوائی
فرزند تو ممکن ہے پہ ملتا نہیں بھائی
اصغر ہے اگر اکبرؑ مہرو نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے
واللہ کہ جینے کے مزے اُٹھ گئے سارے
جب تم کو جواں حق نے کیا اے مرے پیارے
زور آ گیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوت تمہیں دل کی تمہیں طاقت ہو جگر کی
کیوں کر تمہیں کھوؤں کہ نشانی ہو پدر کی

ہوتا ہے بڑے بھائی کو بھائی سے سہارا
بھائی بھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
چھوڑا نہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا
تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر جلد کریں گے
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

سر دینے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہو تو جائیں
گران کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رلائیں

٢
دو دن سے مرے ساتھ گرفتار محن ہیں
سُن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؑ
پیچھے وہ رہے ہوئے علم فوج کا جس پاس
بابا سے ندامت مری قسمت میں لکھی تھی
فرمائیں گے عباسؑ نے جان اپنی بچائی
جو آپ کی مرضی مرا کیا زور ہے بھائی

جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت
یاں ہیچ بھی ہے اے گوہرِ دریائے صداقت
حاضر ہے یہ شمشیر دو دم بھی انھیں دیجے
مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام
لشکر کا نشاں پا کے بھی قسمت میں تھا نام

قسمت ہی بری ہے نہیں تقصیر کسی کی
رونے لگے سُن کر یہ سخن سیّدِ ابرار
تم جان ہو پھر جان کی رخصت تو ہے دشوار
روکیں گے انھیں ہم جو ملال اس کا ہے بھائی
گھٹتا ہے لہو بھائی کا آنسو نہ بہاؤ
کیوں روٹھ گئے پیار کریں ہم تمھیں آؤ

کیا دم کا بھروسہ کہ چراغِ سحری ہیں
تم بن ہمیں ممکن ہے کہ ہو زیست گوارا
تم رن میں ہوئے قتل کہ سر ہم نے بھی وارا
اُلفت کے طریقے سے نہ مُنھ موڑیں گے بھائی
ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں سے تو لائیں
جنّت میں پہونچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں

اب ان کو نہ روکو یہ بہت تشنہ دہن ہیں
کی عرض کہ خیر اب ہمیں رخصت سے ہوئی یاس
تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
زہراؑ سے خجالت مری قسمت میں لکھی تھی
یہ کون کہے گا کہ رضا رن کی نہ پائی
اچھا علی اکبرؑ کی بھی دیکھیں گے جدائی

یہ زیست نہیں میرے لئے موت ہے آقا
غیروں نے کیا سر سے ادا حقِ رفاقت
اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھ کو لیاقت
رخصت جنھیں ملتی ہے علم بھی انھیں دیجے
اب ہے نجف اور گریہ و زاری سحر و شام
افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام

یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی
فرمایا کہ آزردہ ہوئے اے میرے غم خوار
تم سے تو زیادہ علی اکبرؑ کا نہیں پیار
ہم کس کے ہیں بھائی یہ علم کس کا ہے بھائی
تم کو یہ مناسب ہے کہ بکیس کو رُلاؤ
اکبرؑ نہیں اب جائیں گے اچھا تمھیں جاؤ

کچھ پیش و پس اتنا نہیں ہم بھی سفری ہیں
نہ صبر کی طاقت ہے نہ اب رونے کا یارا
اپنی بھی وہی راہ جدھر قصد تمھارا
تم چھوڑو ہمیں ہم نہ تمھیں چھوڑیں گے بھائی

آقا نے جو اُلفت کی یہ تقریر سُنائی
سُرخی سی رُخِ حضرت عباسؑ پہ چھائی
جُھک کر قدم شاہؑ پہ کی عرض کہ بھائی
عزت انھیں قدموں کے تصدق سے ہے پائی
تھا میں متردد اسی اُمید کا آقا
ذرّے کو دیا مرتبہ خورشید کا آقا

میں کیا تھا مجھے خاک سے حضرت نے کیا پاک
ورنہ مرا دوش اور نشانِ شہِ لولاک
پایا ہے کسی نے بھی یہ رتبہ تہِ افلاک
ہاں کون سی نسبت ہو کہاں نور کہاں خاک
جو بے سر و ساماں ہو یہ ساماں اُسے مل جائے
اک مور جو ہو تختِ سلیماں اُسے مل جائے

میرے لئے جو کچھ ہے سو آقا کی بدولت
گوہر جو یہ پائیں ہیں سو دریا کی بدولت
ہے جلوہ گری طور کی موسیٰ کی بدولت
ادنےٰ بھی چمک جاتا ہے اعلیٰ کی بدولت
جان آئی ہے مُردوں میں مسیحا کے قدم سے
ہوتے ہیں ہرے خشک شجر ابرِ کرم سے

جب لعل نے حیدرؑ کے یہ کی عجز کی تقریر
اس وقت گُہر بار ہوئے دیدۂ شبیر
فرمایا کہ محجوب ہوں میں بیکس و دلگیر
کیا میں نے دیا حق نے عطا کی تمہیں توقیر
بخشی جو یہ خدمت علم خیر بشر کی
احسان مرا کیا تھا وصیت تھی پدر کی

دُنیا میں کسی دن تمہیں راحت نہ ملی آہ
پیاسے رہے فاقے کئے تم نے مرے ہمراہ
اللہ و پیمبر مری غربت سے ہیں آگاہ
بابا سے شکایت نہ مری کیجیو للہ
بچپن سے مرے ساتھ تمہیں عشق دلی ہے
راحت کسی بےکس کی رفاقت میں ملی ہے

سُن سُن کے یہ تقریر شہِ بےکس و بے آس
رو دیا کئے گردن کو جُھکائے ہوئے عباسؑ
ناگاہ سکینہؑ نے پکارا یہ بصد یاس
کیا کرتے ہو عباسؑ چچا آؤ مرے پاس
جلتا ہے کلیجہ مرا پانی مجھے لا دو
اے ساقیٔ کوثر کے پسر پیاس بجھا دو

اب اینٹھ ہی جاتی ہے زباں پیاس کے مارے
دم ہونٹوں پہ ہے موت کے آثار ہیں سارے
پہونچو مری فریاد کو صدقے میں تمہارے
گودی میں مجھے لے چلو دریا کے کنارے
بے خیر ہی سب لوگ ہیں کیا لشکرِ شر میں
پانی جو نہ دیں گے تو چلی آؤں گی گھر میں

مُنھ تکنے لگے شاہؑ کا عباسؑ دلاور
رو کر شہِ بےکس نے کہا جاؤ برادر
تکتے ہیں کھڑے راہ درِ خلد پہ حیدرؑ
کوثر کی سبیل اس سے نہ ہوگی کوئی بہتر
حاصل ہے وہ جو کچھ تمہیں مطلوب ہے بھائی
سقائیٔ بہشتی کے لئے خوب ہے بھائی

عاشق تھے سکینہؑ کے جو عباسؑ علم دار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے خیمے کے اک بار
لپٹا کے گلے خوب بھتیجی کو کیا پیار
دکھلا کے زباں خشک یہ بولی وہ دل افگار
ہوئے گا یہ عالم نہ کسی تشنہ دہاں کا
تر حال تو دیکھو مری ننھی سی زباں کا

عباسؑ نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مری جاں
تم تین شب و روز سے پیاسی ہو میں قرباں
ہیں قاتل سادات وہ ہم جن کے ہیں مہماں
ہو جاتا ہے اب پانی کے ملنے کا بھی ساماں
شرم آتی ہے تم کو تو نہ لے جائیں گے بی بی
ہم نہر سے مشکیزے کو بھر لائیں گے بی بی

وہ بولی مجھے لیتے چلو صدقے میں تم پر
عباسؑ یہ بولے کہ خفا ہوں گے برادر
تم فاطمہ کی پوتی ہو شبیرؑ کی دختر
شہزادیاں پردے سے نکلتی نہیں باہر
لونڈی تلک اس گھر کی کھلے سر نہیں نکلی
فضہ کبھی بے مقنع و چادر نہیں نکلی

یہ سنتے ہی دی مشک سکینہؑ نے چچا کو
حاصل ہوئی رخصت خلف شیر خدا کو
یہ روئے کہ غش آگیا شاہ شہدا کو
غل تھا کہ چلے حضرت عباسؑ وغا کو
گھوڑے پہ چڑھے کھینچ کے اک آہ جگر سے
اکبرؑ کو صدا دی کہ خبردار پدر سے

کی عرض جناب علی اکبرؑ نے بہ صد یاس
اس داغ سے بابا کے بھی جینے کی نہیں آس
ساتھ آپ کے آؤں کہ میں حضرتؑ کے رہوں پاس
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کہنے لگے عباسؑ
عمو کی عبث فکر ہے بابا کو نہ چھوڑو
اس وقت میں تنہا مرے آقا کو نہ چھوڑو

میدان میں عباس دلاور کی ہے آمد
ہر صف میں یہ ہے شور کہ صفدر کی ہے آمد
سب کہتے ہیں کرار کے دلبر کی ہے آمد
یہ اور کی آمد نہیں حیدرؑ کی ہے آمد
اک دم میں الٹ دے گا ورق فوج کی صف کا
رخ ہے سوئے دریا خلف شاہ نجف کا

غم خوار امام زمن آتا ہے خبردار
بازوئے حسینؑ و حسنؑ آتا ہے خبردار
لڑنے کو بڑا تیغ زن آتا ہے خبردار
ابن شہ خیبر شکن آتا ہے خبردار
غصے میں ہے غازی نہ اجل سر سے ٹلے گی
کانپے گی زمیں آج وہ تلوار چلے گی

دامن سر غازی پہ لٹکتا ہے علم کا
خورشید بھی منہ رشک سے تکتا ہے علم کا
ہر گام پہ اقبال چمکتا ہے علم کا
بجلی نہیں پنجہ یہ لچکتا ہے علم کا
کس جنگ میں ایسے علم نور کھلے ہیں
پرچم نہ کہو موئے سر حور کھلے ہیں

کس شان سے اُڑتا ہوا آتا ہے پھریرا
طوبیٰ کو عروج اپنا دکھاتا ہے پھریرا
لہرا کے سرِ عرش پہ جاتا ہے پھریرا
ساتھ اپنے ہوا خُلد کی لاتا ہے پھریرا
ایسی کوئی جنّت میں رواں نہر نہ ہوگی
سرچشمۂ کوثر میں بھی یہ لہر نہ ہوگی

لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ غازی نظر آیا
دیں پرور و ابرار و نمازی نظر آیا
بازوئے شہنشاہِ حجازی نظر آیا
بجلی سا تڑپتا ہوا تازی نظر آیا
لرزہ ہوا اندام شجاعانِ عرب کو
آمد اسد اللہ کی یاد آگئی سب کو

دیکھا جو علم رفعتِ طوبا نظر آئی
پنجے میں ضیاء یدِ بیضا نظر آئی
تابندگیِ برقِ تجلےٰ نظر آئی
کوسوں وہ زمیں نور کا دریا نظر آئی
سائے نے سماں دشت پہ نایاب دکھایا
خورشید کو لطفِ شبِ مہتاب دکھایا

چہرے نے عجب نور کی صورت میں دکھائی
گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی
ذرّوں نے ستاروں کی چمک بن میں دکھائی
غیرت سے سفیدی تھی رخِ چرخِ بریں پر
نقشِ سمِ توسن مہِ کامل تھی زمیں پر

جادے کو یہ دعویٰ تھا کہ میں کاہکشاں ہوں
کرتی تھی زمیں ناز کہ میں نورفشاں ہوں
پلّہ مرا بھاری ہے کہ رتبہ میں گراں ہوں
فرزندِ علی جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اُس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتّر ہیں وہاں ایک قمر ہے

استادہ ہے یہ ماہِ بنی ہاشم ذی قدر
دکھائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر
یہ عارض و گیسو سحرِ عید و شبِ قدر
یاں کون سی نسبت ہے تری شمس و قمر کو
اک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

پیشانیِ پُرنور سے ہے رن میں اُجالا
رو و خطِ رخسار وہ مہتاب میں ہالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے مالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکرِ تہ و بالا
دیکھے سے اُڑیں ہوش نہ کیوں اہلِ حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیوں کر نہ مہ و خور سحر و شام
ہے حُسن کی آتش سے بھبوکا رخِ گلفام
خال اور خطِ سبز وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو جو دیکھو تو عجب شوکت و شاں ہے
یہ حُسن علمدار کے لشکر کا نشاں ہے

اک جا تو مناسب نہ تھے وہ مردمِ بیمار
اک شاخ ہے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
یاقوت لبِ سرخ ہیں دنداں دُرِ مکنوں
کس چیز سے نسبت دہنِ تنگ کو میں دوں
حال ان کا نزاکت سے کھُلے گا نہ کھُلا ہے
آتی ہے صدا صاف قلم سے دمِ ترقیم
مبنی ہے الف زلف ہے لام اور دہن میم
وصفِ دہنِ تنگ میں دِقّت مجھے کیا ہے
آتی ہے ثنائے درِ دندان زباں پر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
ہنستے ہیں جو پڑ جاتا ہے عکس اُن کا فلک پر
دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قرباں
گویا کہ ہلالِ شبِ اوّل ہے گریباں
حیراں تھی نظر دوشِ مبارک پہ کماں ہے
ہیں بازوئے عباسؑ کہ شاخِ شجرِ حُسن
گھر حُسن کا سینہ ہے تو بازو ہیں دَرِ حُسن
ان ہاتھوں سے ہمدست کفِ حور نہیں ہے
ہر چیز علمدار نے پائی ہے علیؑ کی
پنجہ ہے علیؑ کا تو کلائی ہے علیؑ کی
ورثہ میں ہے زور ان کو ملا جد و پدر سے
دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ
حق نے یدِ قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ
فرماتے ہیں عاشق ہوں میں اس شکِ قمر کا

صانع نے اُٹھا دی ہے فقط نور کی دیوار
یا یہ الفِ ماہِ دو ہفتہ ہے نمودار
گویا ورقِ زر پہ کلی گُل کی دھری ہے
دیکھے سے عقیقِ جگری کا بھی ہے دل خوں
نایاب ہے عنقا کی طرح طائرِ مضموں
یاں بابِ سخن بند ہی رکھئے تو بجا ہے
ہے جوہرِ فرد اُس کی نہ ہوگی کبھی تقسیم
جو حرف ہے قرآں کا وہ ہے لائقِ تعظیم
کافی ہے بس اتنا ہی کہ اسرارِ خدا ہے
تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھّر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر
مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
شانوں کی نشانِ اسدِ حق سے ہے کیا شاں
یاقوت میں خورشیدِ جہاں تاب عیاں ہے
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کی نظرِ حُسن
طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حُسن
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے
اللہ نے تصویر بنائی ہے علیؑ کی
ان انگلیوں میں عقدہ کشائی ہے علیؑ کی
ہلکا درِ خیبر کو سمجھتے ہیں سپر سے
حصّے میں اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ
سینے سے یداللہ نے لگایا ہے یہ سینہ
یہ سینہ سپر ہووے گا زہراؑ کے پسر کا۔

ہے تا بہ عدم ذہن رسا دوڑ کے جاتا
لیکن کہیں مضمون کمر کو نہیں پاتا
ہے بال سیہ دُرّہ نجف میں نظر آتا
مثلِ رگِ گُل تابِ نزاکت نہیں پاتا
اس رشتہ سے محکم کمرِ مرتضوی ہے
نازک تو ہے پر دین کی پشت اس سے قوی ہے

شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک
درپیش ہے اب وصف قدم ہائے مبارک
تعویذِ شفا نقش کفِ پائے مبارک
جس جا گزر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو مَلک عرش بریں کے
احساں یہ اُنھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے

ہر شخص تھا محوِ رخِ عباسؑ فلک جاہ
تھا شور فلک پر کہ زمیں کا ہے یہی ماہ
ہر لب پہ سخن تھا کہ زہے قدرت اللہ
ہر چشم یہ کہتی تھی کہ جلوہ ہے عجب واہ
غازی تھا جہاں پتلیاں مردم کی ادھر تھیں
حوریں بھی دریچوں سے نکالے ہوئے سر تھیں

واں پر ہوئی تھی فوجِ سفر موج مرتب
اک دَل ہیں مہیائے زد و کشت صفیں سب
چلّوں سے اُدھر ملنے لگے تیرِ ستم جب
جانِ اسد اللہ بڑھا چھیڑ کے مرکب
چلّائے یہ لشکر کے سپاہی غضب آیا
بپھرا پسرِ شیرِ الٰہی غضب آیا

ہمّت کا سخن تھا کہ فنا فوج کو کردے
اقبال پکارا کہ زمیں لاشوں سے بھردے
دل نے کہا سرداروں کے سر کاٹ کے دھردے
نصرت کی دعا تھی کہ خدا تجھ کو ظفر دے
تحریر ہو یہ فتح ترے نام نکو پر
ہر دم تری شمشیر رہے فرقِ عدو پر

یہ نام سدا خلق میں نامی رہے تیرا
ہر صبح شہِ شرق سلامی رہے تیرا
محکوم ہر اک کوفی و شامی رہے تیرا
تو جس کا پسر ہے وہی حامی رہے تیرا
دامانِ علم فرق پہ ہو سبطِ علیؑ کے
اور تو رہے سائے میں حسینؑ ابن علیؑ کے

جب غیظ سے اشعارِ رجز پڑھنے لگا شیر
جھک جھک گئے خوں ریزوں کے سر صورتِ شمشیر
ہر صف تہ و بالا ہوئی شکلِ زبر و زیر
کچھ پیش نہ جائے گا رہا غل یہی تا دیر
یہ تیزیٔ تقریر کوئی لائے کہاں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

گھبرا کے بڑھا خود پسرِ سعدِ بد انجام
عباسؑ سے کی عرض کہ اے صاحبِ صمصام
سُن لیجئے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام
پر آپ تک آتے ہوئے تھرّاتا ہے اندام
جھنجلائے ہوئے شیر سے اندیشہ ہے جاں کا
میں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

کی چیں بہ جبیں ہو کے یہ عباسؑ نے تقریر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرتِ شبیرؑ
ہے کام وفا سے ہمیں اور ہم سے وفا کو
وہ تم ہو جو کرتے ہو دغا اہلِ وفا سے
سادات کا سر کاٹتے ہو تیغِ جفا سے
کیا کھا کے قسم پھر گئے تم اپنے سخن سے
گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بے کار
دو بھانجے مارے گئے اک بھائی کا دلدار
کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی
پر آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی
غصے کے نہ اندوہ کے نہ طیش کے دن ہیں
کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اُسے مارا
مابینِ لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
یہ سنتے ہی تھرّانے لگا شیر کا اندام
قبضے کو جو دیکھا تو اُگلنے لگی صمصام
شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
بس دور ہو آگے مجھے سننے کی نہیں تاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کون سا آداب
رتبہ ہے یہ سب شاہِ ولایت کا تصدّق
آگے مرے تو ذکر پسر کا مرے لایا
اصغرؑ سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پر

پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر!
شیوہ ہے تمھیں لوگوں کا یہ حیلہ و تدبیر
فرزندِ علیؑ ننگ سمجھتے ہیں وفا کو
مطلب ہے محمدؐ سے تمھیں کچھ نہ خدا سے
مہماں ہیں یہ کس کے جو ہیں دو روز سے پیاسے
ہم وہ ہیں کہ لکھنے پہ چلے آئے وطن سے
میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سیّدِ ابرار
صدمہ یہ اُٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں
سچ ہے کہ بچے گا نہ یداللہ کا جانی
کوئی تو رہے خلق میں حیدرؑ کی نشانی
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں
چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمھارا
عباسؑ جدائی کرو بھائی کی گوارا
بھائی کوئی بھائی کے لئے مر نہیں جاتا
غصّے کے سبب سرخ ہوئی چشمِ سیہ فام
فرمایا کہ ظالم مجھے دیتا ہے یہ پیغام
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہراؑ کے پسر سے!
سر تن سے اُتاروں ترا او ظالمِ کذّاب
کیا قدر ہے پھر اُس کی جو موتی کی گئی آب
ہم جانتے ہیں جان کو عزّت کا تصدّق
شبیرؑ کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا
پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
سو بیٹے ہوں تو صدقے کروں ان کے پسر پر

ہوتا ہے چمن فاطمہؑ کا ظلم سے برباد
موسم یہ مرے عیش کا ہے کیوں ستم ایجاد!
مارا گیا بے وجہ پسر قاسمِ ناشاد
روتے ہیں نبیؐ شیر خدا کرتے ہیں فریاد
ہم سے جنھیں اُلفت ہے وہ ماتم میں رہیں گے
تا حشر اسے حشر کا دن لوگ کہیں گے

بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی
لاشیں بھی ہم زیر زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی پس از مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

بھائی نے مرے کون سی کی مجھ سے بُرائی
پالا ہے مجھے جانتی ہے ساری خدائی
کیا کچھ نہ ملا کون سی عزت نہیں پائی
جاں ان پہ تصدق ہے اجل آئی تو آئی
ہم مانیں گے جو شرطِ محبّت کی جزا ہے
نافہم اسی موت میں چلنے کا مزا ہے

کافر ہوں کہ مُنھ قبلۂ ایماں سے پھر آؤں
تو کوہِ طلا دے تو میں لالچ میں نہ آؤں
فاقے ہوں تو بھائی کے عوض برچھیاں کھاؤں
مقتل سے تڑپتا ہوا اُن قدموں پہ جاؤں
کس مُنھ سے کہوں میں کہ قرابت میں قریب ہوں
بھائی تھے حسنؑ میں تو غلامِ شہِ دیں ہوں

بُلبُل کو کبھی ہجرِ گُل تر نہیں بھاتا
پروانہ کہیں شمع کو ہے چھوڑ کے جاتا
ہے موت جو معشوق کو عاشق نہیں پاتا
قمری کو سوا سرو کے کچھ خوش نہیں آتا
شبیرؑ جہاں ہے دلِ فرزانہ وہیں ہے
محفل میں جہاں شمع ہے پروانہ وہیں ہے

کہنے پہ چلوں تجھ سے جفا جو کے زہے فہم
دوں رنج میں دل کو شہِ خوش خو کے زہے فہم
پہونچے اُنھیں دُکھ ہاتھ سے بازو کے زہے فہم
آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے زہے فہم
ہٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی
شیروں سے نہ یہ بازیٔ روباہ چلے گی

جرأت کو جری نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
آقا کو کسی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
شبیرؑ کو اخی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
احمدؐ کو علیؑ نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
وہ ہم نہیں کرتے جو زمانے کا چلن ہے
دُنیا میں وفا اپنے گھرانے کا چلن ہے

بچھڑے ہیں پیمبرؐ سے کبھی حضرتِ جعفرؑ
حمزہؑ کبھی دشمن کی طرف مل گئے جا کر
حیدرؑ کو کبھی چھوڑ گئے مالکِ اشتر
مشہور ہے جنگِ جمل و خندق و خیبر
حیدرؑ تھے کہ سب فوج کے آگے تھے اُحد میں
نامرد تھے وہ لوگ جو بھاگے تھے اُحد میں

پیرو بس انھیں کا ہے تو او ظالم ناری
دو دن جو رہے غزوۂ خندق میں فراری
بس فتح تھی کرّار کی جس دن ہوئی باری
کُل کا کیا خوں جس سے وہ ہے تیغ ہماری
ان ہاتھوں سے لاکھوں سر کفار کٹے ہیں
جب پٹ گئی ہے لاشوں سے خندق تو ہٹے ہیں

جب گھر سے پئے جنگ قدم ہم نے نکالے
دم میں تن کفار سے دم ہم نے نکالے
کعبے سے وغا کر کے صنم ہم نے نکالے
اسلام کے لشکر کے علم ہم نے نکالے
رنگ رخ کفار عرب ہو گیا فق سے
اک ضرب میں باطل کو جدا کر دیا حق سے

میں حشمت دنیا کی تمنا نہیں رکھتا
قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا
اعلیٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا
پتّے سے علاقہ سر طوبیٰ نہیں رکھتا
کافر کی طرف صاحب ایماں نہیں جاتے
بت خانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

خورشید کو محتاجیٔ ذرہ نہیں ذرا
دیں دار سدا کرتے ہیں کافر پہ تبرّا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات کا غرّا
اسلام سے عاری ہے تو ایماں سے معرّا
قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

کچھ خار مغیلاں گل تر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی
دُنیائے دنی کام میں کس کے نہیں آتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہر ذاتی
محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

بخشی ہے خدا نے مرے آقا کو یہ توقیر
ہے مہر نبوت سے نسب نامۂ شبیرؑ
کی خامۂ قدرت نے سند عرش پہ تحریر
آیا ہے گواہی کے لئے آیۂ تطہیر
دُنیا میں کسے ملتے ہیں جبریلؑ سے شاہد
موجود ہیں میکال و سرافیل سے شاہد

حور و ملک و خلد و آرام کوثر و طوبیٰ
سنگ و شجر و کوہ و برّ و گوہر و دریا
خورشید و نجوم و قمر و گنبد خضرا
روم و دری و مصر و نجف و یثرب و بطحا
پوچھے جو کوئی کون امام ازلی ہے
سب دیں یہ گواہی کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے

جنّات پکاریں کہ یہی فخرِ بشر ہے
ہر نخل کہے باغِ نبیؐ کا گلِ تر ہے
چلائے فلک پاؤں پہ اس کے مرا سر ہے
گویا ہوں ستارے کہ یہ زہرؑا کا قمر ہے
ہر بحر کہے گوہرِ اُمید ہے شبیرؑ
ذرّوں سے صدا آئے کہ خورشید ہے شبیرؑ

رضواں کا سخن ہو کہ مددگار ہے میرا
فردوس کہے مالکِ مختار ہے میرا
زہرؑا کی صدا آئے کہ دلدار ہے میرا
فرمائیں پیمبرؐ دُرِ شہوار ہے میرا
میکالؑ پکارے کہ ملازم ہوں اُسی کا
جبرئیلؑ کرے فخر کہ خادم ہوں اُسی کا

کیا رکن مقام اور چہ میزاب چہ زمزم
اک ایک سے سُن توصفتِ قبلۂ عالم
آجائے صدا کوہِ صفا سے یہی ہر دم
حج سے شہِ والا کی زیارت نہیں ہے کم
بول اُٹھے حجر رتبے سے آگاہ ہوں میں بھی
کعبہ یہ کہے بندۂ درگاہ ہوں میں بھی

ہے شرعِ محمدؐ کا جنھیں امر و مناہی
ہوں ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
لوح و قلم و عرش و ملک دیں یہ گواہی
ورثے میں ملی ہے اسے کونین کی شاہی
کرسی کہے میرے لئے معراج یہی ہے
خود عرش پکارے مرا سر تاج یہی ہے

جو شاہ کہ سب خلق میں رتبے سے سوا ہو
بتلا تو غلام اُس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہوں تو کیا ہو
لوں میاں سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو
غارت تمہیں کر دینے کو تیّار ہے عباسؑ
بھائی کے مگر رحم سے ناچار ہے عباسؑ

خود مجھ کو قسم دی ہے کہ غصّے میں نہ آنا
بھیّا نہ ملے راہ تو دریا پہ نہ جانا
اُمّت کی تباہی پہ کڑھیں گے مرے نانا
اُن کا تو وہ رحم اور تمہارا یہ ستانا
دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے
ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگ دلی ہے

ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی
نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی
تھرّا گیا یہ سُن کے یداللہ کا جانی
فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی
جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا
لے دیکھ اسی حملے میں ہم لیتے ہیں دریا

یہ کہتے ہی جرّار نے لی میاں سے تلوار
بھاگا صفتِ غولِ بیاباں وہ ستم گار
نعرہ جو کیا شیر نے یا حیدرِ کرّار
اوتادِ اراضی عرب ہل گئی یکبار
دہشت سے اُڑا رنگ رُخِ جن و ملک کا
تھرّا گیا دہشت سے بدن شیرِ فلک کا

جنگل میں بن آئی جو نہ کچھ خوف کے مارے
ٹھہرے نہ قدم شیر ہرن ہو گئے سارے
آہو جو تھے شیروں میں تو چیتوں میں چکارے
گھبرا کے درندے یہ پرندوں کو پکارے
شیطان پسرِ سعد کی گردن پہ چڑھا ہے
بھاگو پسرِ شیرِ خدا رن پہ چڑھا ہے

صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
اس شور سے بہرام کی تھرّانے لگی گور
ڈر سے جو اُڑے کبک تو جنگل سے اُڑے مور
صفدر کا قدم بڑھتے ہی شیروں کا گھٹا زور
آمد میں بہادر کے شجاعت کے چلن تھے
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے

چمکی جو علم دار کی شمشیر ہلالی
گھبرا کے فلک نے سپرِ مہر سنبھالی
دہشت سے نیستانِ اسد کر گئے خالی
اور تجر نے بھی بر میں زرہ موج کی ڈالی
اعدا میں یہ غل تھا کہ تہِ تیغ ہیں جو ہیں
احول کی طرح ایک سمجھتا تھا کہ دو ہیں

وہ حجّتِ قاطع ہے علم دار کی شمشیر
دشمن کو مفر جس سے نہیں ہے کسی تدبیر
کچھ وصف لکھا چاہتی ہے تیزئ تقریر
ڈر یہ ہے کہ خامہ نہ قلم ہو دمِ تحریر
مضمون بہت تیز ہیں اس برق دو دم کے
جوشن کی دعا چاہیئے بازو پہ قلم کے

ڈالوں جو سیاہی میں دمِ تیغ کا پانی
تب ہو رقم اس برق سرافشاں کی روانی
شمشیرِ خراسانی و تیغِ صفہانی
ہاں کند ہے گر لاکھ رکھے تیز زبانی
دم میں نہ پیادے نہ سواروں کے پرے ہیں
سب جوہرِ شمشیرِ خدا اس میں بھرے ہیں

خونریزی شمشیر کا لکھوں جو کوئی حرف
ہو صاف سیاہی سے عیاں شوخی شنجرف
ہوتے تھے سیہ کاروں کے تن مثلِ قلم صرف
روکیں کوئی وار اس کا یہ ڈھالوں کا نہ تھا ظرف
ایک ایک کے مانند اجل دشمنِ جاں تھی
چار آئینے میں امن نہ جوشن میں اماں تھی

ہے نصف ہی نام اس کا فقط شیر نے پایا
تب جوہرِ جرأت اسی کے حصّے میں آیا
عالم پہ اسی نام سے رعب اس کا ہے چھایا
آنکھ اس سے ملانے کی کوئی تاب نہ لایا
مثلِ دمِ شمشیر لہو اس کی خورش ہے
پنجے میں جو ہے زور تو ناخن میں بُرِش ہے

لو حملہ کناں ہوتے ہیں عباسؑ علم دار
لو جعفرِ طیّار ہوئے جنگ پہ تیّار
لو حضرتِ حمزہؓ نے کیا فوج کو مسمار
لو غزوۂ خیبر پہ چلے حیدرِ کرّار
ٹھہرے نہ قدم فوج میں ہل چل پڑی آخر
لو تیغ وہ چمکی صفِ اوّل ہوئی آخر

رہوار نے بیتابیِ سیماب دکھائی — اُڑتا تھا سوئے نہر کہ دے آب دکھائی
تلوار نے بجلی کی تب و تاب دکھائی — ہر تاب نے اک جدولِ خونِ ناب دکھائی
اُفتادہ تھے بے سر جو پرے فوجِ لعیں کے — سطریں سی نظر آتی تھیں صفحے پہ زمیں کے

اللہ رے بُرش وار سے تھا وار زیادہ — معشوق کی ابرو سے جفا کار زیادہ
اور دیدۂ عشاق سے خوں بار زیادہ — شمشیرِ مہِ نو سے نمودار زیادہ
گھاٹ ایسا کہ چھوڑا نہ کسی کشتیِ تن کو — باڑھ ایسی کہ اک قلزمِ خوں کر دیا رن کو

قبضہ وہ درِ ظلم و ستم بند ہے جس سے — باڑھ ایسی رہِ ملکِ عدم بند ہے جس سے
جوہر وہ سدا فتح قلم بند ہے جس سے — پشہ وہ کہ نمرود کا دم بند ہے جس سے
چھائی ہے یہ جوہر کی گھٹا ابر نہیں ہے — دشمن کو پناہ اس سے بجز قبر نہیں ہے

تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم — آندھی سے ہو جس طرح سمندر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوجِ ستم گر میں تلاطم — واں بحر میں ہل چل تھی ادھر بر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے — ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں طوفاں میں تھمی ہے

تیغیں وہ کہ جن پر نہ دھری جاتی تھی انگشت — مُنھ پھیرے چلے جاتے تھے ہنگامِ زد و کشت
دہشت سے اُٹھاتے تھے نہ سر گرز گراں مشت — ڈھالوں کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھیں پسِ پشت
ہتھیار گرے پڑتے تھے ثابت قدموں کے — سمٹے ہوئے تھے ڈر سے پھریرے علموں کے

تتو تتو ہوئے بے سر صفِ دشمن پہ جب آئی — غُل تھا نہیں بچنے کے اجل سب کی اب آئی
اتنی تو صدا آئی کہ برقِ غضب آئی — پھر یہ نہ کھلا کب گئی اور سر پہ کب آئی
دشمن کو نہ انجام نہ آغاز دکھایا — تلوار نے سب موت کا انداز دکھایا

ہر غول میں غُل تھا کہ بلا آتی ہے بھاگو — رُکنے کی نہیں سیلِ فنا آتی ہے بھاگو
برقِ غضبِ ربِّ علا آتی ہے بھاگو — تلوار نہیں سر پہ قضا آتی ہے بھاگو
ڈر جس کا لگا رہتا ہے دن رات یہی ہے — اے بے خبرو مرگِ مفاجات یہی ہے

ہر فرد کو اُس تیغ کے جوہر نظر آئے — ریتی پہ تپاں جسم برابر نظر آئے
موئے سرِ افواجِ ستم پر نظر آئے — اُڑتے ہوئے بالائے ہوا سر نظر آئے
چلاتے تھے ڈر ڈر کے پرندے کہ یہ کیا ہے — آتی تھی سلیماں کی صدا قہرِ خدا ہے

ترچھی جو پڑی زیر بغل فرق سے نکلی
یوں جا کے تنِ ظالمِ پُر زرق سے نکلی
اُڑ اُڑ کے چمکتی تھی جو اعدا کے سروں پر
کٹ جاتے تھے مُنھ دیکھ کے آہن ستم اُس کا
لشکر کو دکھاتا تھا رہِ راست خم اُس کا
کب سنگ کی سختی کو بھلا مانتی تھی وہ
دکھلا کے گُلِ زخم بدن سے نکل آئی
ہمراہ لئے روح کو تن سے نکل آئی
سرکش تھا تکبّر سے جب افلاک پہ سر تھا
مغفر میں ہوئی غرق تو سر کاٹ کے نکلی
شانہ پہ گری تا بہ کمر کاٹ کے نکلی
ہر ہاتھ میں گردش تھی نئی ڈھنگ نیا تھا
دل ہٹ گئے جس دم وہ صفِ فوج پہ چمکی
جب فرد کو دو کر کے پھری زوج پہ چمکی
گردش جو ہوئی ہاتھ کو ہالا نظر آیا
ڈر سے کوئی لشکر کا نشاں چھوڑ کے بھاگا
شہ زور ہر اک گرزِ گراں چھوڑ کے بھاگا
اندام سے ٹپکی جو زرہ دام سے چھوٹا
لڑتا ہوا پہونچا لبِ ساحل جو وہ صفدر
رہوار نے دیکھا رخِ عباسؑ کو مڑ کر
آنکھوں سے رواں ہوں گے وہاں اشکِ سکینہؑ
بس خوب لڑے شان یداللہ دکھائی
سب ہیچ ہے گر پیاس نہ بچوں کی بجھائی
کہہ آئے ہو کیا بنتِ امامِ مدنی سے

منھ غرب کے جانب جو کیا شرق سے نکلی
العظمۃ للہ صدا برق سے نکلی
دم نادِ علیؑ کرتے تھے جبرئیلؑ پروں پر
خوں پینے سے بھرتا تھا نہ خالی شکم اُس کا
نہ سنگ سے رُکتا تھا نہ آہن سے دم اُس کا
فولاد کو جب موم سے کم جانتی تھی وہ
شمشیر خزاں تھی کہ چمن سے نکل آئی
شپ سے جو پڑی سر پہ تو سن سے نکل آئی
جھپکی تھی اُدھر آنکھ ادھر خاک پہ سر تھا
روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
گھوڑے کے بھی ٹکڑے تھے یہ جو رنگ تیا تھا
معلوم ہوا برقِ غضب موج پہ چمکی
چمکی کبھی پستی پہ کبھی اوج پہ چمکی
ہر ضرب میں عالم تہ و بالا نظر آیا
شمشیر و سپر کوئی جواں چھوڑ کے بھاگا
کوئی صفتِ تیر و کماں چھوڑ کے بھاگا
غل تھا کہ ہرن پنجۂ ضرغام سے چھوٹا
یاد آگئی بس تشنگی آلِ پیمبر
سمجھے کہ ہے گھوڑا ابھی بہت پیاس سے مضطر
بہتر ہے کہ اب جلد بھرو مشک سکینہؑ
عالم کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
اب وہ کرو جس میں کہ رضا مند ہوں بھائی
سقّائی بھی کچھ کم نہیں شمشیر زنی سے

مرجانا تو لڑ بھڑ کے کچھ ایسا نہیں دشوار
مشکیزے کی کشتی لئے اس فوج سے ہو پار
عالم میں یہ چرچا سحر و شام رہے گا
ہے یاد تجھے قصۂ بیر الالم اے دل
یاں کون سا اندیشہ ہے اور کون سی مشکل
کیا مُنھ ہے جو ناری ہمیں واں جانے نہ دیں گے

فرمایا کہ دریا میں وہ غازی جو در آیا
پھر بعد کئی دن کے جو پانی نظر آیا
صدمہ ہوا یاد آگئی تقریر سکینہؑ
عباسؑ نے مشکیزہ کو چھاتی سے لگا کر
لٹکا لیا تسمے کو قریب دوش کے لا کر
لب تشنہ جو وہ حق کا شناسا نکل آیا

ساحل سے نکلنا تھا کہ پھر چلنے لگے تیر
غازی نے کہا کون سی اب کیجئے تدبیر
کچھ مال نہیں دم میں یہ انبوہ تو ہٹ جائے
دیکھا جو بہادر نے کہ آپہونچے عدو پاس
آنکھیں تھیں لہو شیر سے تکتے تھے چپ و راس
تیروں کے کبھی سامنے کر دیتے تھے سینہ

جانے کی اگر دہنی طرف راہ نہ پائی
چھاتی کو سپر کر دیا تلوار جب آئی
جب زخم کوئی کھایا تو مشکیزہ کو دیکھا
رہوار کو جھنجلا کے کبھی کاوے پہ ڈالا
لڑ کر کبھی انبوہ سے گھوڑے کو نکالا
انبار تن و سر کا سرِ راہ دکھایا

مردوں کا یہی کام ہے جب کھینچ لی تلوار
عباسؑ بڑی فتح ہے چل جائے جو یہ وار
سقائے حرم حشر تلک نام رہے گا
پانی کے لئے آگ میں کودے شہِ عادل
نہ آگ ہے نہ جن ہیں وہ دریا ہے یہ ساحل
جیتے ہیں تو ہم مشک پہ آنچ آنے نہ دیں گے

ہر ماہی دریا نے یہ جانا قمر آیا
اشک آنکھوں سے بہنے لگے مُنھ کو جگر آیا
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر سکینہؑ
سیراب کیا نہر سے پھر اشک بہا کر
اعدا کی صفیں بندھ گئیں پھر نہر پہ آکر
رہوار بھی اس نہر سے پیاسا نکل آیا

اس چاند پہ بدلی کی طرح چھا گئے بے پیر
پھر جنگ کرو آگے جو کچھ خواہشِ تقدیر
پر مشک کا دھڑکا ہے کہ تیغوں سے نہ کٹ جائے
یا شیر خدا کہہ کے بڑھے حضرتِ عباسؑ
بچ جانے کی اُمید کبھی تھی تو کبھی یاس
گھبرا کے کبھی مشک پہ دھر دیتے تھے سینہ

مشکیزہ لئے جانب چپ باگ پھرائی
نیزوں سے بچایا نہ بدن مشک بچائی
سن سے کوئی تیر آیا تو مشکیزہ کو دیکھا
دکھلا دیا سب کو کبھی چاند اور کبھی ہالا
کاٹا کبھی نیزہ کبھی ترکش کبھی بھالا
ہر ضرب میں زورِ اسد اللہ دکھایا

لڑتے تھے وہ انبوہ نہ ہوتا تھا کم
ہاں جانے نہ دیتا یہی غل ہوتا تھا ہر دم
شمشیر بکف اکبر ذی جاہ کھڑے تھے
فرماتے تھے اکبرؑ سے یہ رو رو کے بصد یاس
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ ہو پیاس سے بے آس
دُنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی
گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہؑ نے پکارا
چلّائے شہ دیں کہ نہیں صبر کا یارا
جینے کا مزا فرقتِ عبّاسؑ نے کھویا
مُنھ کر کے سوئے نہر وہ پیاسی یہ پکاری
تم خالی ہی لا کر ہمیں دو مشک ہماری
جلد آؤ کہ بے تاب امام دو سرا ہیں
یہ سُن کے ادھر کرتے تھے شہ اشک فشانی
شانوں سے لہو بہنے لگا مشک سے پانی
خوں خواروں کے نرغے میں مگر آ گئے عباسؑ
حضرت کو پکارا مرے آقا مرے آقا
تن زخمی ہے سارا مرے آقا مرے آقا
سقے کی بہشتی کے فدائی کی خبر لو
چلّا کے شہ دیں نے کہا ہائے برادر
بھائی نہ ہوا تم پہ فدا ہائے برادر
افسوس کہ وقفہ نہ کیا چند نفس کا
یہ کہہ کے سوئے نہر جو دوڑے شہ والا
گر پڑتے تھے ملتا تھا جہاں خون کا تھالا
بھائی کے تصوّر میں جو گھبراتے تھے شبیرؑ

امڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ اظلم
واں غش میں سکینہؑ تھی حرم کرتے تھے ماتم
ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے
اب کیا کروں اعدا میں گھرا ہے مرا عباسؑ
آنے نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
مارا ہمیں اُمّت نے دہائی ہے نبیؐ کی
کیوں روتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
سقائے حرم چھوڑتے ہیں ساتھ ہمارا
ہے ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا
دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
بابا کی سُنی جاتی نہیں گریہ و زاری
ہم نے تمہیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں
واں ہو گیا بے دست یداللہ کا جانی
گھوڑے سے نہ گرتا ابھی وہ یوسفِ ثانی
اک گرز لگا سر پہ کہ تیورا گئے عباسؑ
دوڑو مجھے مارا مرے آقا مرے آقا!
بندہ ہوں تمہارا مرے آقا مرے آقا
خادم کی نمک خوار کی بھائی کی خبر لو
تم بھائی سے ہوتے ہو جدا ہائے برادر
لکھی تھی جوانی میں قضا ہائے برادر
ساتھ آج چھٹا جاتا ہے بتیس برس کا
تیورا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے سنبھالا
معلوم نہ ہوتا تھا اندھیرا نہ اُجالا
ہر لاش سے چلّا کے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ

بسمل سے تڑپتے ہوئے جب نہر پر آئے
عباسؑ کوئی آن کے مہماں نظر آئے
سر پیٹتے شبیرؑ جو بالائے سر آئے
اشک آنکھوں میں عباسؑ دلاور کے بھر آئے
زخمی کو جو اُٹھنے کی نہ طاقت تھی زمیں سے
ملنے لگے آنکھیں قدم سرورِ دیں سے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اُٹھاؤ
عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سُناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

یہ کہہ کے گرے لاش پہ پھر با دلِ مضطر
پیشانی کو بوسہ دیا مُنھ رکھ دیا مُنھ پر
زانو پہ رکھا خاک سے سر اُس کا اُٹھا کر
رو رو کے کہا کھولو تو آنکھوں کو برادر
ملنے کے لئے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں عباسؑ
تم دیکھو تو کس حال سے ہم آئے ہیں عباسؑ

غش میں جو سُنی اُس نے صدائے شہِ والا
ہونٹوں کو بھی جنبش ہوئی آنکھوں کو بھی کھولا
آہستہ کہا شہ سے میں صدقے مرے مولا
تعظیم سے معذور ہوں میں اُٹھ نہیں سکتا
یہ داغ زمانے سے چلا ساتھ ہمارے
پانی نہ ملا تن سے کٹے ہاتھ ہمارے

افسوس کہ بن آئی نہ ہم سے کوئی تدبیر
دل زخمی ہے جب سے کہ لگا مشک پہ اک تیر
کہہ دیجو سکینہؑ سے کہ بی بی تری تقدیر
پانی کے نہ لانے میں نہ تھی کچھ مری تقصیر
لب تشنہ رہو تم یہی مرضی تھی خدا کی
اب حشر کے دن دیکھو گی صورت کو چچا کی

یہ کہتے ہی اک موت کی ہچکی اُسے آئی
اور آنکھ بھی نظارۂ عالم سے پھر آئی
گھبرا کے کہا شہ نے یہ کیا کرتے ہو بھائی
کی عرض کہ نزدیک ہے اب وقت جدائی
بے دست برادر کی مدد کیجئے آقا
قبلے کی طرف مجھ کو پھرا دیجئے آقا

شاہد مرے کلمے کے رہیں آپ برادر!
معبود نہیں کوئی بجز خالقِ اکبر
برحق ہے رسولِ عربی حق کا پیمبر
بے فصل ہے احمدؐ کا وصی حیدرِ صفدر
بعد اُن کے حسنؑ مالک و مختار زماں ہیں
اور بعدِ حسنؑ آپ امامِ دو جہاں ہیں

سب آپ پہ روشن ہے عقیدے کا مرے حال
کیجئے گا مدد ہوئے گی جب پُرسشِ اعمال
ہے خوف فشارِ لحد اے فاطمہؑ کے لال!
پر آپ نے آغوش میں پالا ہے کئی سال
نازاں ہوں کہ کام آئیے گا واں مرے مولاؑ
سب مشکلیں ہو جائیں گی آساں مرے مولاؑ

آواز علیؑ آئی کہ اے عابد و زاہد
مقبول خدا ہیں ترے اعمال و عقائد
صدقے ترے اے راہِ الٰہی کے مجاہد
ہیں پنجتن پاک ترے زہد کے شاہد
تشریف رسولِ دوسرا لائیں گے بیٹا
غم کھاؤ نہ تم قبر میں ہم آئیں گے بیٹا

یاں تھا ابھی یہ ذکر کہ برپا ہوا محشر
رونے میں لگے دیکھنے شہ خیمے کو مڑ کر
دیکھا کہ حرم گھر سے نکل آئے ہیں باہر
چلاّتی ہے فضّہ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اب دخترِ سلطانِ مدینہ نہیں تھمتی
عباسؑ سے کہہ دو کہ سکینہؑ نہیں تھمتی

فضّہ کی یہ آواز جو عباسؑ تک آئی
تھرّانے لگا نزع میں وہ شہ کا فدائی
شہؑ سے کہا یاں آتی ہے اب آپ کی جائی
دامن سے مرے مُنھ کو چھپا دیجئے بھائی
یہ کہتے ہی دُنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
مُنھ پھیر لیا شرم سے اور مر گئے عباسؑ

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبّیرؑ پکارے
عباسؑ علی چھوڑ کے جنّت کو سدھارے
سر بھائی کے قدموں سے اُٹھاؤ مرے پیارے
بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمہارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدّق
عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدّق

کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینہ
چلاّتی ہے ڈیوڑھی پہ تمھیں بالی سکینہؑ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلّی کا قرینہ
اس صدمے سے دشوار ہے اُس بچّی کا جینا
یہ مشک جو واں خون میں تر جائے گی بھائی
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی

سر پیٹ کے چلاّنے لگے سیّدِ ابرار
ہے ہے مرے پیارے بھائی مرے غم خوار
اب جوش پہ رقّت ہے انیسؔ جگر افگار
مولاؑ سے یہ کر عرض کہ اے کُل کے مددگار
حسرت ہے یہ آنکھوں سے درِ شاہ کو دیکھوں
عباسؑ فلک جاہ کی درگاہ کو دیکھوں

۱۱ مرثیہ
بند ۱۶۲

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی   ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی
جاسوس کہہ رہے ہیں نہیں راہ پھیر کی   غش آگیا ہے شہ کو یہ ہے وجہ دیر کی
خوشبو ہے دشت بادِ بہاری قریب ہے   ہشیار غافلو کہ سواری قریب ہے

آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے   شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے
دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے   بڑھ کر پرے سے جو اسے روکے وہ مرد ہے
سر بر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے   گھر میں انھیں کے اُتری ہے تیغ آسمان سے

مشہور ہے جہاں میں یہ صفدر وحید دہر   جبّار کے غضب کا نمونہ ہے ان کا قہر
لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر   لاکھوں سے ایک وار میں چھین لیں گے نہر
فرزند ہیں علیؑ کے سرِ کائنات کے   لاشوں کے پُل بندھیں گے کنارے فرات کے

ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے   لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے
لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہے   جو تیغ کا دھنی ہے وہ صفدر قریب ہے
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے   کاٹے انھیں کی تیغ نے پرِ جبرئیل کے

یکتائے روزگار ہے وہ شیرِ حق کا لعل   اک اک جری ہے شیرِ درندہ دمِ جدال
ان سے مقابلے کی بھلا ہے کسے مجال   جرأت وہی ہے غیظ وہی ہے وہی جلال
دکھلائیں گے چلن اسدِ کردگار کا   گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا

رشکِ چمن ہیں سب پہ گلِ سرسبد یہ ہے   آفاق میں نظیر ہزبرِ احد یہ ہے
ذی مرتبت ہے صاحبِ فہم و خرد یہ ہے   عباسؑ نام کیوں نہ ہو کس کا اسد یہ ہے
دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جمال کا   دُرِّ نجف ہے فاطمہ زہراؑ کے لال کا

اللہ رے آمد آمدِ عباسؑ صف شکن   لرزاں تھے کوہ ہلتے تھے دل کانپتا تھا تن
جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن   اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے   گویا مقابلہ ہے جنابِ امیرؑ سے

تھا فوج قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر
تھیں موج کی طرح سب ادھر کی صفیں ادھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
پانی میں تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگیں تھیں منھ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علم دار نوجواں
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
گوشہ اماں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کماں
ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
تیروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا
منھ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

ہل چل یہ تھی کہ گرد سواری عیاں ہوئی
گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
روشن تھا شمع طور سے پرتو حضور کا
خلعت ملا زمینِ مقدس کو نور کا

اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے
صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
اترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے
رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رخِ خلفِ بوتراب کا
دیکھو الٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

نقش سمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال
اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال
یاں ہے وہی عروج نہ ہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے
ابرو سے ماہ رخ سے ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے
رخ سے جلالِ شیر خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منھ پر دلیر کے
چہرہ تو حور کا ہے پہ تیور ہیں شیر کے

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا
چہرے نے حسن صبح صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگ تیغ شجاعت دکھا دیا
قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گلِ فردوس آگئی

ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر
نوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صاد پر
دیدار اس کی فرض عین ہے خوش اعتقاد پر
قرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں حدیدہ کا درِ نجف میں ہے
پتلی نہ جانیو درِ مکنوں صدف میں ہے

اعجاز لب میں چشم میں سحر حلال ہے
پُتلی نہیں ہے چہرۂ یوسفؑ کا خال ہے
تعریف کیا کریں کہ دہن بے مثال ہے
تقسیم جزو لایتجزّے محال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہیں
اسرارِ کردگار میں جائے سخن نہیں

شیریں لبوں کی مدح میں لب ناطقہ ہے بند
لائے گا ہر سخن میں نمک یہ کہاں سے قند
پھیکی جو بات ہو وہ زباں کو نہیں پسند
عالم ہے ان کے شورِ تکلّم سے بہرہ مند
نے قند میں یہ لطف نہ شاخِ نبات میں
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

بے مثل ہیں خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب
دُرِ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
یوسفؑ نے دیکھے تھے یہی اختر میانِ خواب
طالع چمک گئے مہِ کنعاں ملا خطاب
باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

قربان رونق خطِ رخسار سُرخ فام
یہ صبح ہے حلب کی تو گیسو ختن کی شام
واللیل گرد سورۂ والشمس ہے تمام
گویا جنابِ خضرؑ کا ظلمات ہے مقام
تفسیرِ خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجوم مور سلیماںؑ کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے دفترِ قدرت نگار ہے
عنبر فشانیِ قلمِ مشک بار ہے
لاریب فیہ مصحفِ پروردگار ہے
واضح یہ ہے کہ جلد سے خط آشکار ہے
مُنھ دیکھے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
تاریک شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو

روشن اگر زمانہ ہے صبح گلو کا نور
دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
نورِ خدا کا دامنِ گریباں سے ہے ظہور
پروانہ شمعِ حسن پہ جس کے چراغِ طور
بوسوں کو حور رہ گئیں ہیں ہونٹ چاٹ کے
پریوں نے جان دی ہے گلے کاٹ کاٹ کے

شانے سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں
بازو مثالِ دستِ خدا لاجواب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں
ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیضیاب ہیں
اُلٹی ہے آستین جو حیدر کی شان سے
اُگلی ہوئی ہے تیغ یداللہ میان سے

ساعد میں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں
ایذا میں باحواس ہیں فاقوں میں سیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
پنجے کا ان کے ذکر بھلا کیا کہ شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب کیومرث و گیو کا
مُنھ پھر گیا ہے ان کے طمانچے سے دیو کا

طاقت بھی ان کے بازوؤں کا ایک نام ہے
زور ان کا خانہ زاد تہوّر غلام ہے
اقبال ان کے گھر کا مدار المہام ہے
ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہے
ہر دم قشون جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
نصرت کو ان کا غاشیہ بردار کہتے ہیں

فوج ان کی شان و شوکت و اقبال و جاہ ہے
مردانگی غلام جلالت سپاہ ہے
ثابت قدم ہیں پردم تیغ ان کی راہ ہے
جرأت ہے ان کا خشم شجاعت نگاہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشاں چھین لیتے ہیں
سیّد ہیں آن بان پہ یہ جان دیتے ہیں

مرجائیں نامراد یہ ان کی مراد ہے
ناشاد ہوئے جان تو دل ان کا شاد ہے
کم ان کے آگے لشکرِ ابنِ زیاد ہے
جویاں ہے کافروں کے یہ شوقِ جہاد ہے
دُنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں
اللہ و پنجتنؑ کے سوا مانتے نہیں

رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست
لشکر تباہ کردیے فوجوں کو دی شکست
دیکھا ہے شیرِ حق کی لڑائی کا بندوبست
آنکھ ان کی حق نما ہے نظر ان کی حق پرست
روح الامیں پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر
سر ان کے خاک پر ہیں نماز ان کی عرش پر

سینے کا آئینہ ہے کدورت سے پاک صاف
برعکس ان سے جو وہ خدا سے ہے برخلاف
جرأت کا ان کی قاف سے شہرہ ہے تا بہ قاف
سو سو صفوں کو صاف کیا ہے دمِ مصاف
دعویٰ نہ ہو جسے یہ اسے ٹوکتے نہیں
تلوار جب چلی تو سپر روکتے نہیں

اب کس طرح ثباتِ قدم کو کروں رقم
کاغذ پہ رُک گیا ہے صدادے کے یہ قلم
نعلین پائے حضرت عباسؑ کی قسم
ٹل جائے کوہ پر نہ ہٹیں گے جگہ سے ہم
ثابت ہوا کہ قابلِ شرح و بیاں نہیں
خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی رواں نہیں

وصفِ سلاحِ جنگ ہیں اب لُٹ گئی ہے جاں
اے ذہن آج ہے تری تیزی کا امتحاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں
جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع یاں
منزل ابھی ہے دور صفِ کارزار کی
رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی

یہ خود آہنی نہیں فرقِ جناب پر
سرپوشِ نور ہے قدحِ آفتاب پہ
ابر آگیا ہے فرقِ رسالت مآب پر
یا تاج خسروی ہے سرِ بوتراب پر
سایے میں وہ جو آج سعیدِ زمانہ ہے
اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہے

مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے
موسیٰؑ کا ہے یہ قول کہ قندیلِ طور ہے
کشافِ امرِ حق ہے بیاں اس سعید کا
رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد
چار آئینہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد
بن جائے گا اماں کا حصار آئینہ یہی
پیشانی آئینہ رخِ جاں پرور آئینہ
بر میں دل آئینہ جسدِ انور آئینہ
بے حد و بے حساب و شمار آئینہ ہیں یاں
دستانہ ہے کہ تیغ ید اللہ کا نیام
قالب ظفر کا فتح کا گھر زور کا مقام
دنیا میں کوئی ان سے نہ افضل نہ دین میں
یہ شیر نیستانِ ولایت کے ببر ہیں
چپ جانیو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں
ربِ علا کا قہر انھیں کا جلال ہے
روباہ دل ہے شیر ژیاں اُن کے سامنے
پشے سے کم ہیں پیل دماں ان کے سامنے
تن پر زرے ہو کہ خاک کے پیوند ہوتے ہیں
ہے دوش صبحِ عید شبِ قدر ہے سپر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
جو خوبیاں کہ چاہئیں وہ سب حصول ہیں
ہیں وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں
مضموں ہیں مثلِ برق جہندہ شرر فشاں
کیوں کر کوئی لکھے جو مجالِ رقم نہ ہو

حلقوں میں جس کے حور کی پتلی کا نور ہے
داودؑ کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہے
ہاں ترجمہ ہے مصحفِ ربِّ مجید کا
الا عدوے آلِ پیمبر سے ہے عناد
بس پنجتنؑ کا نام سپر ہے دمِ جہاد
جوشن یہی سپر یہی چار آئینہ یہی
دوش آئینہ ہے سینہ مہ پیکر آئینہ
ہر آئینہ سے بہتر و خوشتر ہر آئینہ
چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینہ ہیں یاں
منھ میں کلائی شیر کی یہ ہے انھیں کا کام
پنجے میں ہے جو تیغ تو قبضے میں روم و شام
قوت خدا کے ہاتھ کی ہے آستین میں
بیشے میں شیر حق کے ہے یہ وہ ہزبر ہیں
کڑکیں اگر تو برق ہیں گرجیں تو ابر ہیں
برق ان کی تیغ ہے تو گھٹا ان کی ڈھال ہے
لرزاں ہیں مثلِ پیر جواں ان کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں
قدرت خدا کی یہ ہے ادھر شب اُدھر سحر
گویا دلہن بنی ہوئی ہے لیلیٰ ظفر
معشوق سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں
لکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دمِ بیاں
پیدا صریرِ کلک سے ہے شورِ الاماں
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول
مفتاح فتح ہے در نصرت کو اس سے کھول
جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں سے تول
وہ تیغ ہے خراجِ صفاہاں ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

دلسوز شعلہ خو شرر انداز جاں گداز
خونخوار کج ادا و دل آزار و سرفراز
لشکر کش و شکست رساں و ظفر نواز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
سج اس کی ہے پسند جہاں کو سبھی نہ ہو
معشوق پھر نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

پشتہ وہ اُس کا اور وہ باریکیٔ خمیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر
کس بل میں بے مثال اصالت میں بے نظیر
گیتی نورد بادیہ پیما فلک مسیر
اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کونسا ہے جہاں پر چلی نہیں

چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی آب
کیا تاب ہے کہ لاسکے اُس کے چمک کی تاب
دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ پہ نہ پاوے مفر کہیں
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دمِ صبح سر کہیں

ہے گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
تیغ و سپر ہے یا علم شاہِ سربلند
لیکن کماں نہ ساتھ ہے نہ تیر و نہ کمند
سب حربے دور کے ہیں بہادر کو ناپسند
کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس اک اس میں بھی نوک ہے

صدقے علم کے حضرت عباسؑ کے نثار
شمشاد سبز پوش گلستانِ اقتدار
طوبیٰ شکوہ عرش تجمل فلک وقار
حمزہ کا اقتدار تو جعفر کا افتخار
جھکتا ہے جس سے عرش یہ پایہ اسی کا ہے
ظلِّ خدا پہ دھوپ میں سایہ اسی کا ہے

دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر
دامن ہے بادبانِ جہازِ امامِ دہر
سبزہ بھی اُس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر
پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے
طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ مریمؑ کا ہاتھ ہے

دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اُس کے نور
ذوق جناب خضر پہ روشن ہے شمع طور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور
بے شبہ وہ امام کے ہے نور کا ظہور
اُس کا علم یہ ہے جو شہِ مشرقین ہے
گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

لکھا ہے اب کمیت قلم سرعتِ سمند
آہو شکار شیر طبیعت وغا پسند
نازک مزاج خوش قد و طناز و سربلند
وہ پیش و پس وہ سم وہ کنوتی وہ جوڑ بند
اُتری تھی اک پری فرس تند خو نہ تھا
سرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

تنہا ہے اس شکوہ سے عباسؑ تشنہ لب
اور واں پرے جمائے ہیں سفّاک سب کے سب
تیغیں علم کئے ہے سپاہ وغا طلب
ڈھالوں سے اہلِ شام کی دن ہو گیا ہے شب
سرہنگ روم ورے ہیں وغا پر تلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے ہر اک پرے کے پاس
ہاں صفدرانِ شام خبردار با حواس
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیئے ہراس
بڑھنے نہ پائے حضرت عباسؑ حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک ہے پیاسے کو ٹوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے
مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شور طنطنۂ فوجِ شام ہے
حیدرؑ کے اس نشاں کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مر جائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی

پہونچی جو گوشِ شاہؑ میں یہ شمر کی صدا
اُٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے اے فوج اشقیا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اُجڑ گیا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں اسیرِ محن بھی ہوں
فاقہ بھی تین دن کا ہے تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
سید بھی ہوں غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار
بچپن سے میں ہوں اس پہ فدا مجھ پہ یہ نثار
پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر یہ نامدار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہان کو
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجوان کو

بازو یہی ہے ہاتھ یہی تن کی جاں یہی
قوت یہی عصا یہی تاب و تواں یہی
بھائی یہی پسر یہی راحت نشاں یہی
خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
پانی پلائے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں
ہم تو اسی جوان کے سہارے سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے تو قوت جگر کی ہے — سینے کا ہے سرور ضیا چشم تر کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے — پیری کا آسرا ہے نشانی پدر کی ہے
کیوں کر نہ روؤں روح کا اور تن کا ساتھ ہے — طفلی کی اُلفتیں ہیں لڑکپن کا ساتھ ہے
ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہے — جان ایک ہے دل ایک ہے ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہے — قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی پھر تن میں دم کہاں — بے جاں ہوا یہ جانِ برادر تو ہم کہاں

دُنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی — دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے اور سہارا نہیں کوئی — کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی
پوچھو اُسی سے بھائی سے جس سے جدائی ہو — جب باپ ہو جہان میں پیدا تو بھائی ہو

رو کر جو مستغیث امام بحق ہوئے — غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
جو صاحبِ حیا تھے وہ غرقِ عرق ہوئے — سُن کر صدا حسینؑ کی عباسؑ فق ہوئے
برچھی لگی الم کی دلِ دردناک پر — نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا وہ خوش خرام — دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام — آپ آئے کیا غضب یہ کیا اے فلک مقام
سر پہ عمامہ رکھئے پیمبرؐ کے واسطے — یہ اضطراب بندۂ احقر کے واسطے

پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو — سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے نہ رُلاؤ گلے لگو — لو تم بھی دستِ شوق بڑھاؤ گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں مُنھ سے مُنھ اور لب سے لب ملیں — اب کی جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند — دُنیا میں ہجر کا کسے پہونچا نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند — آتی ہے موت جب تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں تو خوشی ایک دم رہے — تھوڑے دنوں نبیؐ و علیؑ بھی بہم رہے

وہ دل ہے داغ دار جو ہجراں نصیب ہے — کوئی بعید یار سے کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے — اکثر چمن میں پھول نہیں عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں چمن روزگار میں — لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ بہ شوق امام اُمم بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو وہ بحرِ غم بڑھے
دونوں پہ کوہ رنج و غم و یاس گر پڑے
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار
لپٹے رہو ابھی کہ جگر کو نہیں قرار
تم کیا چلے کہ زخمِ جگر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے دستِ شہنشاہ بحر و بر
حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر
تھمتی تھی رقّت ان کی نہ زہراؑ کے جائے کی
عباس رو کے کہتے تھے مولا نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا نہ روئیے
پردے ہیں کچھ نہ آلِ نبیؐ کے خلل پڑے

دل تھا جو شہ کا فرطِ محبت سے بے قرار
بولے یہ کانپ کے عباسؑ باوقار
کیوں کر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
رو کر کہا حسینؑ نے اے جان الوداع
بھائی تمہارے عزم کے قربان الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہ دیں پناہ
ہم شکل مصطفےٰ کو پکارے بہ اشک و آہ
بھولے اُسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
فرما کے یہ چڑھے فرسِ خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابرِ شام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے

عباسؑ اس طرف سے جھکا کر علَم بڑھے
یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے
گردن جھکا کے پاؤں پہ عباسؑ گر پڑے
اے میرے یادگارِ پدر میں ترے نثار
بھیّا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
پھر آج ہم کو داغِ پدر تازہ ہو گیا

چھاتی سے سر لگائے تھے عباسؑ نامور
ہچکی لگی تھی اُن کو ادھر اور انھیں اُدھر
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی
صدقے غلام اے مرے آقا نہ روئیے
سر پیٹتی ہیں فاطمہ زہراؑ نہ روئیے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہؑ نکل پڑے

فرمایا ہم کو گرد تو پھرنے دو ایک بار
بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پر نثار
میں تو سکینہؑ جان کا ادنیٰ غلام ہوں
اچھا سدھارو اے مرے ذی شان الوداع
ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان الوداع
کوثر پہ جائیو تو مجھے یاد کیجیو

تا دیر اس طرف رہی عباسؑ کی نگاہ
آنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بیٹا چچا نثار خبردار باپ سے
نعرہ تھا دم بہ دم کہ تصدق امامؑ پر
غصّے سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
خیبر کے سرکشوں کو علیؑ یاد آ گئے

اے رخشِ خامہ شوخیٔ جولاں گری دکھا
اے نطقِ سحر کار زباں آوری دکھا!
اے شہ سوارِ فوجِ سخن صفدری دکھا
اے زورِ طبع دبدبۂ حیدری دکھا!
سطریں نہیں ورق پہ صفیں کارزار کی
مصرع ہر اک دکھائے بُرش ذوالفقار کی
ہاں اے قلم سروں کی جدائی دکھا مجھے
خندق کی اور احد کی لڑائی دکھا مجھے
دریائے کشت و خوں کی ترائی دکھا مجھے
شمشیر مصطفےٰ کی صفائی دکھا مجھے

دل شق کرے صریرِ قلم کارزار میں
غل ہو کہ شیر گونج رہا ہے کچھار میں
نکلے وہ شعر طبعِ فصاحت شعار سے
فقرے بھی جس کے تیز کہیں ذوالفقار سے
نقطے بھی آب دار دُرِ آب دار سے
مضموں بُرش میں تیز بھی خنجر کی دھار سے
اعدا کے نظم و نسق کی صورت بدل گئی
تیغِ دو دم عرب کے فصیحوں پہ چل گئی

نعرہ یہ تھا کہ ہم درِ دریائے نور ہیں
دُنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں
جرّار ہیں سخی ہیں ولی ہیں غیور ہیں
اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
اب تک ہماری حرب کا سکّہ دلوں پہ ہے

جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے
دم میں قدم اُکھاڑ دیے ہیں پہاڑ کے
روکی ہے تیغ کفر کی بستی اُجاڑ کے
پھینکا ہے گھر سے حق کے بتوں کو اُکھاڑ کے
پڑھ کر درود فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو کعبے کے اندر اذاں ہوئی

در پے ہمیں رہے رہِ حق کی تلاش کے
ٹکڑے تلک جلا دیے کافر کی لاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
کاٹے ہمیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
ناقوس کو اُٹھا کے زمیں پر پٹک دیا
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا

جنگ آزما ہیں صف شکن و قلعہ گیر ہیں
صولت میں دبدبے میں عدیم النظیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سریر ہیں
اس اوج پہ حسینؑ کے در کے فقیر ہیں
رتبے پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامیٔ حضرت پہ ناز ہے

کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رُکے ہیں نہ بھوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سر دے دیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

تب شمرِ نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
غازی پکارا او نجس او مرتد و جہول
سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
تو کیا ہے اور کیا ہے تیرا وہ امیرِ شام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے

یہ کہہ کے لی دلیر نے تلوار میان سے
نکلی جو عندلیب ظفر آشیان سے
دکھلائی شکل قہر خدائے جلیل نے
حملہ دلیر کا غضبِ کردگار تھا
تلوار کوندتی تھی فرس بے قرار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو مُنھ زرد ہوتے تھے

وہ تیغ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
یہ غول بھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ہوش و حواس شمر سیہ رو اُڑا دیے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زانو اُڑا دیے
تھا نورِ چشم شیرِ الٰہی جلال میں

بجلی سی جس پرے کی طرف آ کے پھر گئی
دم میں لہو زمیں پہ برسا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے
غصہ تھا شیر کانپتے تھے بزدلوں کے دل
لوہے کو اُس کے مان گئے جاہلوں کے دل
تھی ماہِ نو یہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی

بیعت اُنھیں تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
لیجو نہ مُنھ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ
گُدّی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو
کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعتِ غلام
او بے ادب یزید کجا اور کجا امام
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

مسکن چھٹا ہمائے سعادت نشان سے
چمکے شرارے پھول جھڑے آسمان سے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لئے پر جبرئیل نے
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
بھاگا کوئی تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا
دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اُڑا دیے
ڈالی کسی نے آنکھ تو ابرو اُڑا دیے
پتلی چھپی ہوئی تھی سیاہی کی ڈھال میں

ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
اللہ رے مُنھ صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے
سینے میں ہو گئے تھے لہو قافلوں کے دل
کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
چمکی تو زخمیوں کے لئے چاندنی ہوئی

لرزاں ہر ایک بانیِ بیداد جور تھا
لشکر تھا بے حواس تباہی کا طور تھا
رُخ زرد تھے سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا
نیزوں کا تھا نہ اوُج نہ ڈھالوں کا دور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں کٹی ہوئی تھیں محلّے اُجاڑ تھے

گر اس طرف بڑھا کسی بے داد گر کا ہاتھ
بالائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
رُکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہاتھ
دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
آدھا فرس پہ جسم تھا آدھا زمین پر

تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں خود سر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
اور معرکے میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں ہل چل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے

سرہنگ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
جو بچ گئے اِدھر سے اُدھر جا کے مر گئے
کتنے جواں سموں کے تلے آ کے مر گئے
پس پس کے سُرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوانِ بدن چُور کر دیے
بیٹوں نے پانوں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

بھڑکا دی آگ صاعقۂ شعلہ ریز نے
چن کر صفوں کو صاف کیا تیغِ تیز نے
کچلا انھیں سمند کی ہر جست و خیز نے
گیتی اُلٹ دی ابنِ علیؑ کی ستیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

تھرّا رہا تھا خون سے مینائے لاجورد
ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد
خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر میں
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر میں

تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہلِ شر
تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
ماتھے علَم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

معروف تھے جہاد میں عباسؑ باوفا
اب کیا سکینہؑ پیاسی ہی مرجائے اے چچا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے
پھکتا ہے سینہ آگ جگر کی بجھائیے
اب رحم کیجئے مری دو دن کی پیاس پر
اعدا کو بار بار نہ جھنجلا کے دیکھئے
کانٹے مری زبان کے اب آکے دیکھئے
صدمہ فراق کا ہے دلِ دردناک پر
عباسؑ نے سُنی جو یہ آواز ناگہاں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیرِ خونچکاں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گرمی میں تھے جو غرقِ عرق سر سے تا بپا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا
دل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہؑ کی
دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شورِ آبشار کا
چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ نیک نام
گر تو ہے تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام
اُٹھتا ہے شورِ گریہ محمدؐ کے آل سے
عباسؑ نے کہا جو یہ بچوں کا حالِ زار
جب نہرِ علقمہ میں در آیا وہ نامدار
جاں بازیٔ سمند پہ غازی نے رو دیا

ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی وغا
اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر دہائی ہے
قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
جیتی ہوں اب تک آپ کے آنے کی آس پر
صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھئے
رونے کو شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھئے
جلد آئیے حسینؑ تڑپتے ہیں خاک پر
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
رخ جانبِ فرات کیا پھیر کر عناں
گھوڑا اُڑا کے شیر سے آئے کچھار میں
سردی سے اس ترائی کے جان آگئی ذرا
صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
عباسؑ نامدار نے اک سرد آہ کی
دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ ارجمند
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا
بس اتنا مضطرب نہ ہو اے اسپِ تیز گام
پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہِ خاص و عام
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہؑ کے حال سے!
گردن ہلا کے رہ گیا اسپِ وفا شعار
پانی سے تھوتھنی کو اُٹھاتا تھا بار بار
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشکِ آب
چلّایا فوج کو عمرِ خانماں خراب
لو مشک لے چلا جگر و جانِ بوتراب
سادات پر بس اب نہ کبھی ہوں گے فتحیاب
گر مشک تا خیامِ شہِ نیک خو گئی
یہ جان لو کہ جان گئی آبرو گئی

یہ شور سُن کے گھاٹ پہ اُمڈی سپاہِ شام
پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجومِ عام
تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حُسام
غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
اب پاس آبرو کا ہے جانوں کا غم نہیں
عباسؑ نامور نہیں یا آج ہم نہیں

تیغِ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا
مجھ کو نہ دور جانیو اے لشکرِ جفا
پہلے نہ رُک سکے تو بھلا اب رکیں گے کیا
یہ گھاٹ تیغ کا ہے خبردار اک ذرا
دیکھیں تو ہاں پرے کو جمائے کھڑے رہو
روکو تو برچھیوں سے ہم آئے کھڑے رہو

یہ سُن کے جوڑنے لگے حلقوں میں واں خدنگ
یاں بادپا ترائی میں تھا صورتِ نہنگ
لپکا جدھر زمانۂ شمشیرِ شعلہ رنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری کماں کی جنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اس کے کاٹ پر
برسا دی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر

تا نصف راہ نہر سے لڑتا گیا دلیر
تودے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
تکتے تھے سوئے خیمۂ شہ منہ کو پھیر پھیر
دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثالِ شیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اُس دیں پناہ کی
بڑھائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی

نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
تھے ایک جان کے لئے دشمن جوان و پیر
برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہِ منیر
منظورِ ظلم سخت تھا ہر بد خصال کو
پتھر شقی لگاتے تھے حیدرؑ کے لال کو

اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
شل ہو گیا تھا بازوئے فرزندِ بوتراب
کہتا تھا ہاتھ اُٹھانے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؑ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مُسکرا کے سوئے آسماں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
اقبال بادشاہ زمین و زماں رہے

واحیف وا دریغ تمنّائے جاں نثار
اور یاں کمیں پہ تھا ابن ورقائے نابکار
آفت پڑی نصیبِ سکینہؑ اُلٹ گیا
اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و علم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
تیغا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا

کٹ کے گرا تھا بازوئے غازی جو زین پر
بے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شعلہ ور
صدقے حواس ابنِ شہِ ذوالفقار کے
بے دست یاں ہوا جو وہ مہرو حسینؑ کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسینؑ کا
ہاں نوبتیں بجاؤ ظفریاب ہم ہوئے

گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
غم تھا کہ گر پڑا علمِ شاہِ حق شناس
آنکھیں لہو تھیں رُخ سے جلال آشکار تھا
ٹھکرا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
اس پہ بھی بڑھ چلا تھا وہ بے دست و تشنہ لب
صدمے سے زرد چہرۂ پُر نور ہو گیا

ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے
دامن سے پونچھتے تھے علم دار نامور
شقّہ مگر علم کا نہ ہووے لہو سے تر
دنیا میں میں رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے

جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
ماری شقی نے دوش پہ ایک تیغ آبدار
لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا
بہتا تھا خون ضعف بھی بڑھتا تھا دم بدم
فریاد والغیاث ستم پر ہوا ستم
وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا

تلوار ادھر لٹک رہی تھی اور ہاتھ اُدھر
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے
واں تھرتھرا کے رہ گیا بازو حسینؑ کا
گھائل ہوا برادرِ خوش رو حسینؑ کا
گویا علیؑ کے دستِ مبارک قلم ہوئے

دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا بہ دردِ یاس
یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنھ میں شکار تھا
چھاتی پہ نیزے رکھ کے انھیں روکتے تھے سب
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز ہے غضب
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چُور ہو گیا

ہر چند چھٹ گیا تھا سرِ دلبرِ علیؑ
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی
آنکھوں سے بہ کے اشک بصد یاس گر پڑے
آئی صدائے شیرِ الٰہی یہ ایک بار
ہے یہ ترے لئے مری گودی میں بے قرار
ہونٹوں پہ دم بہ دم ہے صدا یا حسینؑ کی
جس دم سنا حسینؑ نے یہ نوحۂ پدر
گر کر اٹھے سنبھل کے گرے شاہ بحر و بر
وا حسرتا جوان برادر بچھڑ گیا
زینبؑ نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
ہے ہے کا شور اہل حرم میں بپا ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
دریا پہ سر برہنہ شہ بحر و بر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو باچشم تر چلے
صدمہ ہے ضربِ غم سے دل پاش پاش پر
صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
دست یسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشکِ ماہ
ہے دور یاں سے یا مرا بھائی قریب ہے
القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی میں
پانی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں
گزری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے

تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
ہرنے پہ سر ٹپک دیا جب مشک چھد گئی
پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے
شپیرؑ آ نثار ہوا تجھ پہ جاں نثار
عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نور عین کی
ٹپکا عمامۂ سرِ اقدس کو خاک پر
چلائے ہاتھ اکبرؑ مہرو کا تھام کر
تھامو ہمیں کہ بندِ کمر کا اکھڑ گیا
چلائے اے بہن مرا عاشق جدا ہوا
زہراؑ نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہؑ نکل پڑی
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے پکڑے کمر چلے
یہ بھی چلے ادھر شہِ والا جدھر چلے
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
شہؑ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہیں
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہے
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرورؑ ترائی میں
دیکھا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منہ رکھ کے مُنہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
کیوں تپلیاں پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
ٹھیرو! عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو!
کروٹ کراہ کر مرے آرام جاں نہ لو!
مرجاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسِ نامدار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی
زانوئے پاک نورِ خدا اور سرِ حقیر
ذرّے کو مہر کر دیا اے آسماں سریر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں

رحمت نے رُخ کیا مری جانب حضور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں
مولا کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال
استادہ ہیں یہ حضرت شبیر نکو خصال
تنہا نہیں حضور بھلا کیوں ہراس ہیں

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب
سرِ خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جاں بلب
کس کس کو روکئے کہ یہ اعدا کے ریلے ہیں
راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
دُنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں

اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
عباسؑ میں حسینؑ ہوں دیکھو مجھے ذرا
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے
ساتھی تھکا ہوا ہے رہ کارواں نہ لو!
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو!
بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا

آقا ہزار جانِ گرامی ترے نثار
نکلے جو گُل کے سامنے بلبل کی جانِ زار
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی
عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

لے کر رسولؐ جامِ شرابِ طہور آئے
ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
ہیں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں
یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بصد ملال
یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
اے جانِ فاطمہؑ جگرِ سیّدِ عرب
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ اُمم
اُلفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہہ کے چُپ ہوئے تھے کہ اُٹھا جگر میں درد
لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد
دُنیا سے انتقال علم دار ہو گیا
بھائی کے آگے بھائی تڑپ کے جو مر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اُتر گیا
لیتے تھے بوسے جھُک کے تنِ پاش پاش کے
جھُک کر پکارتے تھے کہ بھیّا صدا سُناؤ
زینبؑ تمہیں بُلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لُو میں ہوا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہِ زماں
لے چلئے گھر میں لاشِ علم دار نوجواں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علیؑ نہ آئے
سینے سے کی حسینؑ نے اک آہ دل خراش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیوں کر اُٹھاؤں لاش
کیوں کر کہوں کہ لاشۂ عم گھر میں لے چلو
اکبرؑ نے جب علم کو اُٹھایا بہ درد و آہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ
ہے جس طرح زمانہ میں اندوہ غم کا ساتھ
اکبرؑ نے عرض کی کہ چلیں اب شہِ زماں
واں بھی مرے لئے وہی ہونا ہے جو یہاں
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر

رُخسار سُرخ سُرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
مُنھ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی اک آہِ سرد
سردار فوج بیکس و ناچار ہو گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبیؐ پہ گزر گیا
چلّاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
اُٹھ اُٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے
سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہ کو دیکھ آؤ
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہ ہو
کیا کچھ خفا ہو سبطِ رسولؐ خدا سے تم
ہم اٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
سایا کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے
رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمے سے بی بیاں
فضّہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے
فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آئے کاش
سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
میّت کے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو
رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
باندھو علم میں مشک بھی اے میرے رشکِ ماہ
اب حشر تک رہا یوں ہیں مشک و علم کا ساتھ
رو کر امامؑ دیں نے کہا جائیں اب کہاں
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہاں
رکھا پسر نے پاؤں پہ سر ہاتھ جوڑ کر

ناچار اُٹھ کے واں سے امامِ اُمم چلے ‏ فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
اکبرؑ تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے ‏ سر ننگے پیچھے سرورِ عالی ہمم چلے
جنگل میں شور نالہ و فریاد و آہ تھا ‏ حضرتؑ کے پیچھے اسپِ علمدارِ شاہ تھا

فضہؓ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر ‏ حضرتؑ کو اُس نے دُور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر ‏ سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
اکبرؑ علم لئے ہیں علیؑ کا نشاں نہیں ‏ کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں ‏ تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
گویا کہ تھا شبیہ علم سر بسر نشاں ‏ ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پُر نور در فشاں
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے ‏ روتا ہے جس طرح کوئی مُنھ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباسؑ کٹ گئے ‏ سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچّوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے ‏ رنگ اُڑ گئے رخوں سے کلیجے اُلٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی ‏ بچّوں سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے ‏ سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
چلّاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے ‏ عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو ‏ لو بی بیو ترائی میں رو آئے شبیر کو

لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار ‏ ہے ہے علیؑ کے لال کی رانڈوں میں تھی پکار
پرچم پہ یوں لچکتا تھا بچہ وہ بار بار ‏ سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا ‏ رایت بھی نخلِ ماتمِ عباسؑ بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال ‏ ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلّاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال ‏ میں سر کو پیٹتی ہوں تمہیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے ‏ مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کے

مرجائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے ‏ وہ کیجئے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے ‏ تھوڑی سی جا مرے لئے پائیں یا رہے
بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا ‏ صاحب کے پائنتی ہو سرہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی
جاگے تمام رات کے تھے نیند آ گئی
صورت تمہیں عروسِ شہادت دکھا گئی
کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے آپ اس میں سوئیں گے

صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی ادھر تو آؤ
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
صورت کوئی پناہ کی میرے لئے بتاؤ
دنیا تو اب اجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

فرمایئے تھا آج کی شب تک ہمارا پیار
اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے مرے منھ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار
کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یادگار
فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب
کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے ہے غضب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو لو جوڑتی ہوں اب
تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اُس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار
زینبؑ نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال میں نثار
لے جایئے علم کو اب اے شاہِ نامدار
ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباسؑ مر نہ جائے

زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
لے کر نشاں کو جائے کہاں اب یہ بے وطن
اب تو نہ فوج ہے نہ علمدار صف شکن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن!
لو یہ نشانیٔ شہ دلدل سوار لو
ٹپکا علم سے کھول لو پنجہ اتار لو

جس دم سنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
سر اٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایت لٹا کے خاک پہ کہنے لگے امامؑ
بس الوداع اے علمِ سیدِ انام
پیاسے گلے کو خنجر خوں خوار چاہیئے
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیئے

پرخوں علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
تکمے کھلے تھے کرتوں کے تھراتے تھے جگر
ماں نے جو طوق اتارے تھے اور کان کے گہر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا!
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

امّاں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گزر گئے
بھیّا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھّے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
رو کے پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر

میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

بس اے انیسؔ بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
مدّاح آلِ پاک نبیؐ تھا وہ خوش کلام
ہو مغفرت خلیقؔ کی یا ربِ ذوالکرام
یارب اُسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام

بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

رباعی

ہے فصلِ عزا جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاءاللہ چشم بد دور انیسؔ
کیا مجمع مومنین ہے؟ کیا مجلس ہے؟

۱۲ مرثیہ بند ۱۶۲

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدّق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اُس علم کی وہ عباسؑ کا جلال
نخلِ زمرّدی کے تلے تھا علیؑ کا لال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آب دار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

تھا پنجتنؑ کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
اعمیٰ کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنا تھا کرن آفتاب کی

قربانِ احتشامِ علم دارِ نامور
رُخ پر جلالت شہِ مرداں تھی سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیِ علم
گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دم بدم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
عالم میں پنجتنؑ کی بزرگی ہے آشکار
یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اے قومِ نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولاؑ کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السّلام سے

غُرفوں سے جھانک کے بولی ہر ایک حور
صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
یارب رہے نگاہِ بد اس کی ضیا سے دور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتنؑ کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حُسن کی سپاہ
دُنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ
جاتی ہے جس کے رُخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چُن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسینؑ کو

شہرہ بہت تھا حُسن میں کنعاں کے ماہ کا
قصّہ سُنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سُنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دُنیا بہشت ہے

ہم شکلِ مصطفےٰ کا ہے کیا حُسن کیا جمال
صبح جبیں ہے اور شبِ گیسو ہے بے مثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو۔ یہ رُخ یہ خال
یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اک گُل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہئے قدرتِ پروردگار ہے

لختِ دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسیں
جس کے چراغِ حُسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلفِ مشک بیز یہ آئینۂ جبیں
سرمایۂ خطا و ختن کائناتِ چیں
رُخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

نامِ خدا ہیں عونؑ و محمدؑ بھی کیا شکیل
اک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رُخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمّت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تُلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

عباسؑ نامور بھی عجب سج کا ہے جواں
نازاں ہے جس کے دوشِ منوّر پہ خود نشاں
حمزہؑ کا رعب صولتِ جعفرؑ۔ علیؑ کی شاں
ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسنؑ کی جاں
کیوں کر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرّے ہیں جس کے سب
سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب
عالی ہمم امامِ امم شاہِ تشنہ لب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزم گاہ میں

کیا فوج تھی حسینؑ کی اُس فوج کے نثار
اک ایک آبروے عرب فخرِ روزگار
جرّار و دیں پناہ نمودار و نام دار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں اُن کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

ایک ایک مُلکِ جرأت و ہمت کا بادشاہ
کیواں خدم سپہر حشم عرشِ بارگاہ
آنکھیں غزالِ رشک مگر شیر کی نگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی

وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے
بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسولِؐ حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبرؑ سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کے
یہ نیمچے نہ لیویں گے دم بے لہو پیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لئے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشا لڑائی کا

بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم کے نہ جائیں
جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
بجلی گرے تو مُنھ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالئے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالئے

کہتے تھے مُسکرا کے یہ زینبؑ کے دونوں لال
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
ہر وقت چاہئے مددِ شیرِ ذوالجلال
نعرے ابھی کریں تو ہے عرصۂ قتال
اُتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چپکے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار
شبّیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آکے عرض کرتے تھے عباسِؑ نامدار
سُنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ نیمچے رُکیں گے بھلا فوجِ شام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان
یہ بھولے بھولے مُنھ یہ جواں مردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
چلتی ہے ذوالفقارِ علیؑ کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھئے حضور
مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رُخ پر جلال شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بس کہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
جوش آگیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصّے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ
پاسِ ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پٹڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائیں گے عمرو شمرِ شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
بل کھا کے رُخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دہل سے بگڑ گئی
مُنہ سُرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصّے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

سُنتے ہی یہ کلامِ جوانانِ نامور
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے نیچے لیے وہ غیرتِ قمر
یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
سرکے نہ پھر دغا میں جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

عباسؑ شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
تیر اُس طرف سے آتے ہیں اب کس لئے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
مولا غلام سے نہیں رُکنے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذنِ کارزار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبرؑ کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

جب روکتا ہوں میں انھیں اے آسماں سریر — کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر — ہنگامِ جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں — بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے — عالم ہے بے خودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں یا علیؑ ولی کا خروش ہے — کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے — ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

حسرت سے کی سوئے رفقا شاہؑ نے نظر — بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہؑ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر — اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا — دربارِ مصطفےٰؐ میں وہی پہلے جائے گا

مژدہ یہ سُن کے شاہؑ ہوئے غازیانِ دیں — اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں — تھرّائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے — فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

اللہ رے جہادِ حبیب و زہیر قین — گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین — مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسینؑ
یوں جا کے روئے اُن کے تنِ پاش پاش پر — جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا — کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا — گہ روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بیک کئی ہاتھوں سے کھو گئے — ٹکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار — شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی کر گئے جعفرؑ کے یادگار — تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر تھی مثلِ علیؑ اختیار میں — پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

نکلے برادرانِ علم دارِ صف شکن — دکھلا دیے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن — لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی — عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

تھا چھوٹے بھائیوں کے لئے مضطرب جو دل — گر شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمہیں بحل — شیرو رُکیں نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقتِ آبرو ہے بڑی جد و کد کرو — ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

اُلٹو پروں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ — ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے اُس پار جا کے آؤ — یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوجِ شام کا — بیٹوں کو پاس چاہیئے بابا کے نام کا

رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دم بہ دم — دولت پدر کی لُٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم — عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم
اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں — صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

بے جاں ہوئے جو راہِ خدا میں وہ شیر نر — حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر — اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے — ستّر دو تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہِ نیک خو — اکبرؑ کی چشمِ تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو — پہلو سے آئے روتے ہوئے شہؑ کے روبرو
نکلی یہ بات جوشِ بکا میں زباں سے — قاسمؑ کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا — سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا — مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو — پہلو میں ابنِ عم کے ہماری بھی لاش ہو

شہؑ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم — خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم — مر مر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی — عباسِ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات — بیکس کے غم گسار تھے یہ یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات — سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگتے میں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے — رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

ہے ان کے اتحاد کا سب سے جُدا مزا
مِلتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بے کس سنبھل گیا
بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
عمر میں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
ان سے نشاں علیؑ کا ہے تم سے ہمارا نام
میّت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام
تربت پہ تم سے گُل ہوں تو دل باغ باغ ہو
کیجو نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش
ہو گا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
اکبرؑ نے سُن کے باپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لئے
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
قاسمؑ کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے ہیں نثار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآبؐ سے

بیٹے کا لطف بھائی کا خط باپ کا مزا
اوجھل یہ آنکھوں سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں
بچھڑا جو ایک دو میں تو پھر ہیں کنارِ گور
جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشمِ بشر ہے کور
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا
گزرے بہارِ عمر کے دن آ گئی خزاں
پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں
گھر مٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
اندھیر ہے جو قبرِ پدر بے چراغ ہو
پھر پدر کرو کفن و گور کی تلاش
دو شخص چاہیے کہ اُٹھائیں ہماری لاش
فرزند پائینتی ہو برادر سرہانے ہو
عباسؑ بول اُٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کیا
باتیں تو ان سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آ گیا
اچھا ہماری لاش کو اکبرؑ اُٹھائیں گے
غصّے میں بھول جاتے ہو بھیّا ہمارا پیار
بے اذنِ جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
پہلے مروں گا اکبرِ عالی جناب سے

صدقہ علیؑ کی روح کا اکبرؑ کو رو گئے
نورِ نگاہِ بانوئے بے پر کو رو گئے
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
شہؑ نے کہا کہ سر تو قدم سے اُٹھائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجئے

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار
بولا یہ پیکِ شاطرِ فوجِ ستم شعار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے

دل ہل گئے سپاہ کے سُنتے ہی یہ خبر
ہل چل میں اُس طرف کے پرے ہو گئے اِدھر
پیچھے ہٹیں صفیں کہ تلاطم عیاں ہوا
ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال
مُنہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے روزِ انقلاب
اُس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے

دے کر قسم شبیہِ پیمبر کو رو گئے
اے آفتابِ دیں مہِ انور کو رو گئے
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں
لیجئے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
اپنی سکینہؑ جان سے جا کر مل آئیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجئے

بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہِ ذی وقار
لو اذنِ جنگ پا چکے عباسِ نامدار
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے
نعرہ یہ دم بدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

کانپے مثالِ بید جوانانِ پُر جگر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا
برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

اُلٹے گا اب زمیں کا ورق ابنِ بوتراب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا
بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
تھے رو سیاہ شام کے سب زرد اک طرف
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
سَو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدرؑ کے لال کے
سرکردہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
اس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار
مضطر ہیں بی بیاں شہِ والا ہیں بے قرار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
مُنھ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشم تر
لُٹتا ہے باپ تم کو سکینہؑ نہیں خبر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
بھائی کے اضطراب میں زینبؑ کا ہے یہ حال
عباسؑ سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال
کیا کہتے ہو سکینہؑ سے مُنھ موڑ موڑ کے
دیکھو تو حالِ سبطِ رسولِ فلک اساس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
عباسؑ کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
اُلٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں
پہونچا ہے فیض سیّد خوش خو کے ہاتھ سے
رخصت طلب ہے شاہ سے اکبرؑ سا لالہ فام
للہ رو کیے نہ اب اے خواہرِ امام
بے کس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پہ پدر نہیں

اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اُس قطار میں
وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
نامرد مُنھ چھپاتے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے
کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
ضربِ علیؑ ہے ضربِ علمدارِ حق شناس
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے
ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباسؑ نامدار
بھائی کے مُنھ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
روتی ہے سوکھی مشک سکینہؑ لئے ہوئے
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
دامن قبا کا ننھّے سے ہاتھوں سے تھام لو
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھُلے ہیں بال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
بھیّا کدھر چلے مرے بھائیؑ کو چھوڑ کے
بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجومِ یاس
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
بازو قوی تمہیں سے ہیں زہراؑ کے لال کے
کیوں کر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
یہ سر ہے اس لئے کہ قدم پر فدا کروں
دُنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکائے سر
تھرا رہی ہے زوجۂ عباسؑ نامور
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
مانع ہے شرم روتی ہے منھ پھیر پھیر کر
موقع نہ رونے کا ہے نہ بول سکتی ہے
حضرت کے منھ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسؑ نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کیسے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عن قریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبرؑ کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے
امداد بہر حضرت شبیرؑ کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے
ٹیکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارا ہے بار بار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بےقرار
آؤ ادب سے دلبر زہراؑ کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا
بیٹھو نہ سر کو روتا ہے فرزند مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمہارا بھی نام ہے

لو پوچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال
دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمہیں
شہؑ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمہیں

صدقے ہیں ابن فاطمہ پر مجھ سے سو غلام
دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امامؑ
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمہیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
آداب شہؑ سے چپ ہیں نہیں کوئی بےقرار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
سو ایسے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

قاسمؑ کو دیکھو جانبِ اکبرؑ کرو نگاہ
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
کیا صابرہ ہے دخترِ شبیرؑ واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اُٹھے آہ کا دھواں
اُف کیجیو نہ مُنھ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چپ رچار ہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؑ کی بڑا نام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کئے جب بہ چشمِ تر
چُپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمّت جھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرتِ عباسؑ نامور
آئے قریبِ لختِ دلِ سیّد البشر
صدمے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نامور
بیتاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر اُدھر
جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینبؑ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؑ کو

سب گھر کی بی بیوں کو کہو میرے پاس آئیں
بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہؑ کو جلد لائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آ کے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مروں گا میں
عباسؑ سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

یہ سُن کے ساری بی بیاں آئیں بحالِ زار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسؑ نامدار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
ہل من مبارز کا اُدھر غل ہے بار بار
ہیں ذرّہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں

لڑکوں نے معرکے میں کئے اپنے اپنے نام
کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ انام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امامؑ
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی کے شیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب
خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
زہراؑ سے بھی حجاب ہے شبرؑ سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتایئے کیسے پھر مُنھ دکھاؤں گا

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا
مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہوں گے یا خفا
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہِ قل کفا
پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا؟
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے
کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے
بخشی ہے سب میں عزّت و توقیر آپ نے
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیئے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیئے

گردن ہلا کے شہؑ نے کہا آہ کیا کروں
مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جانکاہ کیا کروں
چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہؑ دیں پہ سر
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر
یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹّی خراب ہے
اچھا تمہارا کوچ مرا پا تراب ہے

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
سب روئے مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
اک آہِ سرد زوجہ عباسؑ نے بھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لئے
مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لئے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دو دم لئے
نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لئے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

آیا سجا ہوا وہ براقِ سمند سیر
تھا خود فلک پہ اڑنے کو تیار مثلِ طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
الحق سپاہِ شر اُسے روکے تو یہ بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈھے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

وہ زیبِ زین زین کی وہ سازِ وہ پھبن
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دولہن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

رکھا قدم رکاب میں حیدرؑ کے لال نے — نعلینِ پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدرِ زیں کو ضیا خوش جمال نے — دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا — طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی — گرد اُڑ کے غازۂ رُخِ لیلیٰ وشاں بنی
جلوے سے راہِ دشتِ بلا کہکشاں بنی — ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے — نقشِ سمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب — تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب — صولت میں فرد دخترِ جرأت میں انتخاب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں — شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

پہونچے جو دشتِ کیں میں اُڑاتے ہوئے فرس — گھوڑے کو ہاتھ اُٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راس و پیش و پس — نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا — ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

بولے یہ بڑھ کے فوجِ مخالف سے پہلواں — دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں — ہاں آیئے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے — سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال — نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال — اک دم میں چونٹیوں کی طرح ہوں گے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے — لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو — لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو — آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علیؑ کے پسر وار پار ہیں — دریا نہیں کہ رُک گیا ہم ذوالفقار ہیں

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں — شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں — پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
مُنھ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے — لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
جرات جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
ناصر ہیں بارگاہِ فلک بارگاہ کے
بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
اصغرؑ کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہؑ کی جان کے
عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوالِ آب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
شہؑ سے نشانِ فوجِ پیمبرؐ بھی مل گیا
یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے
گھوڑا اُڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
شوکت سوار میں شہِ دلدل سوار کی
چتون وہی غضب وہی بے باکیاں وہی
توڑا وہ مورچہ یہ صف اُلٹی اُدھر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا

دادا شجاع باپ جواں مرد ہم دلیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
بیر الالم میں کود کے تلواریں ماری ہیں
سر کاٹے ہیں پیر کے تیغوں کی آب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے
گرمی میں پیاس سے کئی بچّے ہیں تشنہ لب
کیا وقت ہے حسینؑ کے بچّوں پہ ہے غضب
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے
سقّے بنے ہیں دیکھ کے بچّوں کا اضطراب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا
نیزے اُٹھا کے شیر کے مُنہ پر شریر آئے
گیتی ہلی غضب میں جنابِ امیر آئے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے
یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایا ہزار پر
رف رف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیرِ نر پھرے
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منھ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا
یاں سے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

بے شک تھا ان کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ
پہونچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
شیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغِ دو دم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

چلتا تھا مثلِ برق یمین و یسار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ اُن کے ہزار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغِ دو دستی کے چار ہاتھ
آوازِ شش جہت میں تکبیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

نعرہ جدا صدائے تکبیر و بدہ جدا
گوشے کماں کے دور تھے گوشوں سے زہ جُدا
بکتر جُدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جُدا
نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جُدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اُسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر تیغ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اُٹھ کے تو تیغوں کے بل چلو

نیزے اُدھر قلم تو ادھر برچھیاں قلم
ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
مُنھ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سَن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار
تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چار آئینہ فگار
عاری تھیں منھ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا نہ چلّہ کمان پر

نے وہ علم سیاہ نہ وہ رو سیاہ تھے
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
سب چھاؤنی اُجاڑ محلّے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر کے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے
اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا یہ تیغِ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہے
اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنّات ڈر کے ہاتھوں سے مُنھ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے اک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا

اللہ ری جنگِ شیرِ سلیمانِ کربلا
چونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھُلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بندوبست
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
کیوں سربلند کون ہے اس وقت کون پست؟
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اُڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں

دُنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو مُنھ کی کھائے
کس دبدبے سے جوہرِ تیغِ علیؑ دکھائے
اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہِ آسماں اساس
مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے اُن کے آبِ خضر بھی ہووے تو خاک ہے

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
کہتا تھا مُنھ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباسؑ! آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں تھیں رود نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
کاندھے پہ مشکِ آب تھی پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دم بہ دم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپِ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں دراتے تھے ریت میں

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلّا رہا تھا شمرِ جفا پیشہ و شریر
جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر
رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

سُن کر زباں درازیِ شمرِ ستم شعار
عباسؑ مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
توڑی یہ صف اگر تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
درپئے تھے اک جوان کے دو لاکھ اہلِ شر
کھائے اُدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
کس کس کا وار رَد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سَو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال
لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال
فرزند کو سنبھالئے یا شیرِ ذوالجلال
جا پہونچوں مشک لے کے جو تھوڑی بھی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر
بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر
تیورا گیا علیؑ ولی کا مہِ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رُک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہؑ پہ جھک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سُنو اس طرف کا حال
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی رُخ زرد جی نڈھال
یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر کر اُٹھے تڑپ کے ادھر سے اُدھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

فریاد کرکے دل کبھی تھاما جگر کبھی
پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہراؑ کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے اکبرؑ سے بار بار
شانے دباؤ اے علی اکبرؑ پدر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار
بازو کا زور لے گئے عباسؑ نامدار
واحسرتا کہ بے کس و بے یار ہو گئے
سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

چلاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
پہونچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آکے دیکھ جاؤ
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
عباسؑ ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہؑ نکلتی ہے

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
خیمے میں غش ہے زوجۂ عباسؑ خوش خصال
ڈیوڑھی میں اہلِ بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
پردے سے منھ نکالے ہیں اطفالِ خردسال
لب اُن کے اودے اودے ہیں منھ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
اب پانی لے کے آتے ہیں عباسِؑ نامور
حضرتؑ سے پوچھتی ہے سکینہؑ بچشمِ تر
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے
مانگو دُعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گزری نہ مشک آئے
ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
چلّائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

افشاں ہے سر کے خون کی چھینٹوں سے سب نشاں
عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں
کیوں ہے حسین کون اُٹھائے گا اب نشاں
لاش اُن کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علیؑ کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
آقا تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
گھر لُٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال
ڈیوڑھی سے نکل چند قدم کھولے سر کے بال
چلّائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال
مڑ کر کہا حسینؑ نے عباسِؑ خوش خصال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

خورشیدِ مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
حیدرؑ کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

اکبرؑ کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
اکبرؑ خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

اکبرؑ پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جو لائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
روئیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبرؑ نے شہؑ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا
لیجے یہی ہے لاشِ علمدارِ باوفا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی اُمت نے بے سبب
مرجائیں گے جِلا دو ہمیں مُنھ سے بول کر
کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی

غش میں سُنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور
تڑپا قدم پہ شہؑ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہو گئی

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبی رہی
ہاں روؤ مومنو یہ بُکا کا مقام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السّلام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا

غلطاں لہو میں بازوئے سرورؑ کے ہاتھ پائے
فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
اکبرؑ ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو
رکھا چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
بھیّا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

ریتی پہ دو طرف یہ تمہارا لہو ہے سب
بھیّا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر
ثابت ہوا کہ جلد ہے دُنیا سے اب سفر
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسؑ باوفا
اس پیار کے نثار۔ اس الطاف کے فدا
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکل کشائی کو
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کہو کچھ اور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
تھرّائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی

گودی میں لے کے پاؤں دبانے لگے امام
تھرائی لاش مر گئے عباسؑ تشنہ کام
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی
تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
تاریخ آٹھویں ہے محرّم تمام ہے
جو سال بھر جئے گا وہ پھر شہؑ کو روئے گا

آگے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
سمجھو شریکِ بزم شہِ مشرقین کو
پیٹو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
رخصت طلب ہے باپ سے اکبرؑ سا لالہ فام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہؑ
بس اے انیسؔ روک لے اب خامے کی عناں
آنکھوں سے سامعین کی بھی ہیں اشکِ خوں رواں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتولؑ کو

پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
زہراؑ ابھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امامؑ
خاموش ہیں حسینؑ نہیں کرتے کچھ کلام
ہوتا ہے پنجتنؑ کا کوئی دم میں خاتمہ
یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہوئے گا بیاں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؑ کو

رباعی

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں
اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیسؔ
بند آنکھیں کئے لوگ چلے جاتے ہیں

رباعی

جس شخص کو عقبیٰ کی طلب گاری ہے
دُنیا سے ہمیشہ اسے بیزاری ہے
اک چشم میں کس طرح سمائیں دو نور
غافل! یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

مرثیہ ۱۳
بند ۱۱۲

عباسِ علیؑ قبلۂ اربابِ وفا ہے
خورشیدِ سپہرِ کرم و لطف و عطا ہے
ثابت قدمِ جادۂ تسلیم و رضا ہے
شمشیرِ خدا ہے خلفِ شیرِ خدا ہے
کس شوق سے صدقے ہوا فرزندِ نبیؐ کے
قربان علمدارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

سقائے حرم نام ہے اُس شیرِ ژیاں کا
دِل غم سے بھر آئے نہ کیوں ہر پیر و جواں کا
یہ چاہ تھی کوثر کی یہ شائق تھا جناں کا
قطرہ نہ بہشتی نے پیا آبِ رواں کا
تھے پیاس سے لب خشک پہ دریائے سخا تھا
وہ کر گیا دُنیا میں جو کچھ حقِ وفا تھا

اللہ رے اقبال زہے عزّت و توقیر
ارشاد کریں قوّتِ بازو جسے شبیرؑ
سرتا بہ قدم حیدرِؑ کرّار کی تصویر
ضرغام وغا حامیِ دیں صاحبِ شمشیر
پیدا ہے شجاعت رُخِ گلفام سے اُس کے
شیروں کے جگر کانپتے ہیں نام سے اُس کے

کیا حُسن ہے کیا رعب ہے کیا شیرِ جواں ہے
کیا زور ہے کیا دبدبہ کیا شوکت و شاں ہے
صنّاعیِ حق اس کے سراپا سے عیاں ہے
ہر عضو کی خوبی پہ لطافت نگراں ہے
شیون ہے بپا تعزیہ داروں کے مکاں میں
ذکرِ قد و قامت سے قیامت ہے جہاں میں

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر
شیعوں کی پناہ اور عدو کے لئے شمشیر
وہ مشکلِ لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر
یا حضرت عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر
اعجاز و کرامت اسے کہیے تو بجا ہے
بے دست ہے اور مثلِ علیؑ عقدہ کشا ہے

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیض اُس سے ہوا عام
یہ علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
با سے برکت اور الف اوّلِ اسلام
ہے سینِ سعادت یہ اسی نام کا انجام
یہ اسمِ مقدس تو سعیدِ ازلی ہے
اعلیٰ ہو نہ کیوں کر کہ شریک اس کا علیؑ ہے

شیرانِ جہاں اس کے ہتوّرسے ہیں روباہ
رُتبہ ہے بلند ایسا کہ افلاک ہیں کوتاہ
زور ایسا کہ ہے کوہِ گراں مثلِ پرِ کاہ
رعب ایسا کہ ہوتا ہے یقینِ اسد اللہ
حُسن ایسا کہ خورشید کا مُنھ زرد ہوا ہے
یوسف کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

ساونت ہے اور شیرِ الٰہی کا پسر ہے
جرّار ہے ہنگامِ وغا لاکھ پہ وَر ہے
تیغ اس کی کلیدِ درِ اقبال و ظفر ہے
اور آپ شہِ دیں کی حفاظت کی سپر ہے
یاور ہو تو ایسا ہو جو صفدر ہو تو ایسا
عاشق ہو تو ایسا ہو برادر ہو تو ایسا

جس طرح محمدؐ پہ فدا رہتے تھے حیدرؑ
ان کو بھی اسی طرح سے تھا عشقِ برادر
حضرتؐ کو بھی پیارے تھے یہ بیٹوں کے برابر
جوں سایہ نہ قدموں سے جدا ہوتے تھے دم بھر
فرماتے تھے جان و تنِ شبیرؑ ہے عباسؑ
قوت ہے مری اور مری شمشیر ہے عباسؑ

فرماتے تھے حضرت تو انھیں قوّتِ بازو
اور کہتے تھے یہ ہوں میں غلامِ شہِ خوشخو
حیدرؑ سے مشابہ تھا سراپا جو وہ گلرو
جب دیکھتے تھے شاہؑ تو بھر لاتے تھے آنسو
کہتے تھے نشانی ہے یہ احمدؐ کے وصی کی
یہ میرے مرقع میں ہے تصویر علیؑ کی

کرتے تھے شہِ دیں پہ فدا جانِ گرامی
اللہ نے کی ان پہ محبّت کی تمامی
سروِ چمنِ دیں کے ہوئے عشق میں نامی
گردن میں تھا قمری کی طرح طوقِ غلامی
پروانۂ شمعِ رُخِ شاہِ شہدا تھے
بُلبُل کی طرح سے گلِ زہرا پہ فدا تھے

جس دن سے مدینے سے چلے سیّدِ ابرار
عباسؑ نے کھولے نہ کمر سے کبھی ہتھیار
راتوں کو بھی مانندِ قمر رہتے تھے بیدار
اور خیمے کے چوگرد پھرا کرتے تھے ہشیار
عاشق تھے زبس دوشِ محمدؐ کے مکیں کے
اس پردے میں ہوتے تھے تصدق شہِ دیںؑ کے

فرماتے تھے یہ بارگہِ شاہِ اُمم ہے
کیا رُتبہ میں کچھ خانۂ کعبہ سے یہ کم ہے
اس گھر کا ادب فرض ہے جب تک مرا دم ہے
گرداوریِ خیمہ نہیں طوفِ حرم ہے
یہ احمدؐ مختار کے پیاروں کا مکاں ہے
یہ عرشِ معلّیٰ کے ستاروں کا مکاں ہے

جب متصلِ ماریہ پہونچے شہِ ابرار
اور حُرؔ دلاور سے ہوئی راہ میں تکرار
باگ اُس نے جو پکڑی تھی تو پیدل تھا علمدار
اک ہاتھ میں تھی شہ کی رکاب ایک میں تلوار
تھرّاتے تھے یہ غیظ تھا عباسؑ علی کو
حضرت کے قریب آنے نہ دیتے تھے کسی کو

شہ کہتے تھے شفقت سے چڑھو گھوڑے پہ بھائی
پیدل ہوئے کس واسطے کیا جی میں ہے آئی
کہتے تھے گوارا نہیں حضرت کی جُدائی
ان قدموں سے ملتا چلے آنکھوں کو فدائی
آقا مرا جب راکبِ دوشِ نبویؐ ہو
کیونکر نہ جلو میں مجھے چلنے کی خوشی ہو

میدانِ شہادت میں جو وارد ہوئے سرور
واں گھاٹ پہ اترا ہوا تھا شام کا لشکر
برپا ہوئے ریتی پہ خیامِ شہِ صفدر
پانی نہ کئی دن ہوا پیاسوں کو میسر
عباسؑ کو پانی کے نہ ملنے کا الم تھا
بھائی کی بھی تھی فکر سکینہؑ کا بھی غم تھا

جب روزِ دہم رن میں صف آرا ہوئے اعدا
عباس علیؑ نے بھی پرا فوج کا باندھا
پیغام یہ شہ نے پسرِ سعد کو بھیجا
لشکر سے جُدا ہو کے ادھر چند قدم آ
ہمراہ کسی کو نہ وہاں لاؤں گا میں بھی
کچھ کہنا ہے تنہا ترے پاس آؤں گا میں بھی

سُن کر یہ سخن شاہ کا وہ فوج سے نکلا
ساتھ اس کے غلام ایک تھا اور ایک تھا بیٹا
تنہا چلے پاس اس کے ادھر سے شہِ والا
فرمایا مرے ساتھ کوئی آئے نہ اصلا
پر بھائی کی تنہائی سے گھبراتے تھے عباسؑ
سائے کی طرح پیچھے چلے جاتے تھے عباسؑ

اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ شہنشاہِ خوش اوقات
مڑ کر کہا حضرت نے کہ کیوں آتے ہو تم سات
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اکبرؑ نے کہی بات
اس کا بھی پسر ساتھ ہے اے قبلۂ حاجات
ہم ساتھ نہ کیوں کر ہوں کہ حضرت کے خلف ہیں
باطل کی طرف وہ ہے تو ہم حق کی طرف ہیں

عباسؑ سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
تم ٹھہرو یہیں میں ابھی آتا ہوں برادر
کی عرض علمدار نے تب قدموں پہ گر کر
اُس کا بھی تو ہے ساتھ غلام اے شہِ صفدر
کس طرح چلو میں یہ ہوا خواہ نہ ہوئے
حضرت کا غلام آپ کے ہمراہ نہ ہوئے

اُلفت پہ علمدار کی روئے شہِ ابرار
فرمایا کہ تنہائی مری تجھ پہ ہے دشوار
اُس وقت کہاں ہوئے گا تو اے مرے غمخوار
جب ذبح کرے گا مجھے خنجر سے جفاکار
یہ جسم مرا ظلم کے تیروں سے چھنے گا
تلواریں چلیں گی تو سپر کون بنے گا

فرما کے یہ پیشِ عمرِ سعد گئے شاہ
سمجھایا بہت اُس کو پہ سمجھا نہ وہ گمراہ
حجت ہوئی اتمام پھرے سیدِ ذی جاہ
تیر آنے لگے لشکرِ کفار سے ناگاہ
روکیں سپریں چہروں پہ انصارِ جری نے
اور سینہ سپر کر دیا عباسؑ علی نے

بازارِ اجل گرم تھا چلنے لگی تلوار
مارے گئے مولاؐ کے رفیقانِ وفادار
پھر شہ کے یگانے ہوئے سر دینے پہ تیار
چھلنے لگا تلواروں سے زہراؑ کا وہ گلزار
بے جاں ہوا دولہا بھی جو میدانِ ستم میں
اک حشر تھا کبراؑ کے رنڈاپے کا حرم میں

روتے تھے کھڑے خیمے کے در پر شہِ ابرار
تھی عرض یہی اے خلفِ احمدِ مختار
سب فوج گئی جانبِ کوثر مرے مولاؐ
شہ کہتے تھے مجھ پر ہے عیاں تیری شجاعت
اللہ ری سردار و علمدار کی اُلفت
تھا شہ کا یہ مطلب کہ نہ بھائی سے جُدا ہوں
لپٹاتے تھے چھاتی سے انھیں سبطِ پیمبرؑ
فرماتے تھے شہ ہم کو رُلاؤ نہ برادر
قاسمؑ کی طرح داغ تمہارا بھی سہیں گے
کہتے تو کہا یہ۔ یہ ہوا صدمۂ جاں کاہ
ڈیوڑھی پہ لگے پیٹنے آکر حرمِ شاہ
منگواتو خبر خیمۂ شاہِ شہدا کی
دو بھانجے اور ایک بھتیجہ ہوا بے سر
کیا درد ہے اس وقت کہ بیتاب ہیں سرورؑ
رونے میں کئی بار دمِ سرد بھرا ہے
ہنس کر پسرِ سعدِ ستمگار یہ بولا
سب بچوں میں شبیرؑ سکینہؑ کے ہیں شیدا
دُنیا سے وہ مظلومہ سفر کر گئی ہوگی
تب کہنے لگا شمرِ لعیں یہ نہیں زنہار
آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار
بے وجہ نہیں خیمے میں یہ رونے کا غل ہے
اک لڑکی جو کہتی ہے بصد نالہ و افغاں
بھر لادو مری مشک کو دریا سے میں قرباں
عباسؑ پہ گر کوہِ ستم آج گرے گا

اور لپٹا تھا شبیرؑ کے قدموں سے علمدار
ہے اب تو غلام آپ سے رخصت کا طلبگار
اب دیکھیے خادم کے بھی جوہر مرے مولاؐ
لیکن یہ نہ ہوگا یہ نہ ہوگا کسی صورت
وہ روکتے تھے اور یہ کرتے تھے سماجت
اور اُن کو تمنّا تھی کہ آقا پہ فدا ہوں
یہ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو جھکتے تھے قدم پر
لو جاؤ نہ روکیں گے جو مرضی ہے سو بہتر
اب مُنھ سے بجز شکرِ خدا کچھ نہ کہیں گے
فرمایا تڑپ کر کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
غل سُن کے یہ بولے پسرِ سعد کے ہمراہ
یہ غل ہے کہ ہلتی ہے زمیں کرب و بلا کی
اس طرح مگر روئے نہیں سبطِ پیمبرؑ
آہوں کی صدایاں چلی آتی ہے مکرّر
تو سُن تو کہ فریاد میں کیا درد بھرا ہے
فاقہ تھا کئی دن سے کوئی مر گیا ہوگا
سُنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اس کا
رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی
ہے صابر و شاکر پسرِ احمدِ مختار
ہوتا ہے جدا سبطِ پیمبرؑ سے علمدار
معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے
فریاد ہے میں پیاس سے مرتی ہوں چچا جان
بیٹی شہِ بیکس کی سکینہؑ ہے وہ نادان
بے مشک بھرے نہر سے خالی نہ پھرے گا

یہ ذکر تھا جو فوج میں غل ہو گیا اک بار
کاندھے پہ تو ہے مشک و علم ہاتھ میں تلوار
جب تیغ کھنچی تہلکہ لشکر میں پڑے گا
نورِ رُخِ عباسؑ سے صحرا ہوا روشن
میدانِ بلا خیز ہوا وادیِ ایمن
اللہ نے بخشا تھا عجب رعب نظر کو
بولا کوئی کیا صاحبِ حشمت ہے یہ غازی
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہے یہ غازی
آفاق میں یہ جاہ و حشم کس کے لئے ہے
جعفر کی طرح ولولۂ تیغ زنی ہے
جوں شیرِ خدا قوت خیبر شکنی ہے
اجلالِ محمدؐ رُخِ زیبا سے عیاں ہے
اس کے قد و قامت کا نہیں دہر میں ثانی
شاداب ہے کس حُسن سے گلزارِ جوانی
شوق اس کی قدمبوسی کا ہے چرخِ بریں کو
کیا دوشِ مبارک پہ ہے اوجِ علمِ شاہ
پنجہ سے خجل ہے خورشید و رُخِ ماہ
دیکھو تو حشم بازوئے شاہِ شہدا کا
نور سرِ پُر نور سے ہے خود منوّر
کیا ہاتھوں میں زیبندہ ہے دستانۂ حیدرؑ
قبضہ میں قضا جس کے کماں دوش پر ایسی
نیزہ وہ کہ چار آئینہ فولاد کا توڑے
وہ تیغ کہ دشمن سے کبھی منھ کو نہ موڑے
گھوڑا وہ کہ بجلی کی تڑپ گرد ہوئی ہے

گھوڑے کو اڑاتا ہوا آتا ہے علمدار
آمد میں ہے اک دبدبۂ حیدرِ کرار
کس کا یہ کلیجہ ہے کہ جو اس سے لڑے گا
خورشید نظر آیا چراغِ تہہِ دامن
ہیبت بھی پر ایسی تھی کہ تھرّا گئے دشمن
تھا آنکھ ملانے کا نہ مقدور بشر کو
سر دفترِ اربابِ شجاعت ہے یہ غازی
فوجِ شہِ ابرارؑ کی زینت ہے یہ غازی
لائق یہ علم کے ہے علم اس کے لئے ہے
ہم شوکتِ حمزہ یہ شجاعت کا دھنی ہے
مظلومیِ شبیرؑ ہے خُلقِ حسنی ہے
سب شانِ بزرگوں کی سراپا سے عیاں ہے
پائی یہ کہاں سرو گلستاں نے روانی
شیریں سخنی گلبدنی غنچہ دہانی
کیا دیکھتا ہے رشک سے جھک جھک کے زمیں کو
جنت کی ہوا اُس کے پھریرے کی ہوا خواہ
اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ
سایہ سرِ پُر نور پہ ہے دستِ خدا کا
چار آئینہ کو دیکھ کے حیرت میں ہے لشکر
کڑیاں ہیں زرہ کی کہ ہیں شمشیر کے جوہر
شمشیر کا دم بند ہو جس سے سپر ایسی
مر جائے عدو تیر کماں میں جو یہ جوڑے
پکڑے اجل اُس کو یہ سسکتا جسے چھوڑے
یہ گرم روی ہے کہ ہوا سرد ہوئی ہے

تب شمر سے بولا عمرِ سعدِ بد اختر
نزدیک ہے اٹھ جائیں قدم فوج کے یکسر
تلوار چلی گر تو خدا جانئے کیا ہو
اس نحس نے کی سعد کے بیٹے سے یہ تکرار
ظاہر ہے وفاداریِ عباسِ علمدار
خوں اس کا پسینہ پہ شہِ دیں کے گرے گا
ہیں اہلِ وفا لختِ دلِ حیدرِ صفدر
ان کے نہ ڈگیں پاؤں اگر تن سے کٹے سر
ساونت ہیں نورِ نظرِ شاہِ نجف ہیں
یہ کہہ کے وہ مکار چلا سوئے علمدار
غصے سے کھڑے ہوگئے سب موئے علمدار
ابرو پہ تو بل آگیا شمشیر کی صورت
شعلے کی طرح کانپ گیا ڈر سے وہ ناری
دہشت میں یہ تقریر زباں سے ہوئی جاری
غصے کی نہ باتیں نہ لڑائی کے سخن ہیں
فرمایا علمدار نے کہ کیا ہے وہ پیغام
کرتے ہیں عبث آپ لڑائی کا سرانجام
مشتاق ملاقات کے سب چھوٹے بڑے ہیں
چلئے مرے ہمراہ ادھر کو تو ہے بہتر
سالاری ہے یاں لاکھ جوانوں کی مقرر
جاگیر بھی ہاتھ آئے گی راحت بھی ملے گی
کیوں آپ اُٹھاتے ہیں اُدھر پیاس کی ایذا
واں پانی بھی موجود ہے کھانا بھی مہیّا
زنہار نہیں بغض و حسد اور کسی سے

عباسؑ کے تو رعب سے تھرّاتا ہے لشکر
اس غازی سے کر صلح تو ہے جنگ سے بہتر
کچھ فکر کر ایسی کہ یہ بھائی سے جدا ہو
حاکم ہے ترے حکم سے مجھ کو نہیں انکار
یہ بات نہ مانے گا نہ مانے گا وہ زنہار
ہو جائے گا ٹکڑے پہ نہ بھائی سے پھرے گا
دُنیا کا نہ لالچ ہے انھیں نہ طمعِ زر
یہ سیفِ الٰہی ہیں وفا ان کا ہے جوہر
یہ جس کے طرفدار ہیں بس اُس کی طرف ہیں
اور غیظ سے یاں سُرخ ہوا روئے علمدار
بل کھانے لگے گیسوئے خوشبوئے علمدار
دیکھا طرفِ شمرِ لعیں شیر کی صورت
پیچھے بھی ہٹا اور بڑھا بھی کئی باری
حاکم نے مجھے بھیجا ہے اے عاشقِ باری
سُن لیجئے حضرت کی بھلائی کے سخن ہیں
تب دستِ ادب جوڑ کے بولا وہ خودکام
حضرت کے تو ہے نام کی عاشق سپہِ شام
واں ہاتھوں میں نذریں لئے سردار کھڑے ہیں
واں آپ کی خاطر ہے علمداریِ لشکر
نکلا ہوا ہے کشتیوں میں خلعتِ پُرزر
دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی
افسوس کرے ایسا جواں فاقے پہ فاقا
حاکم تمہیں لشکر کے تمہیں مالکِ دریا
ہم کو تو عداوت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے

فرزندوں کو گر آپ کے ہے تشنہ دہانی
شبیرؑ کی منظور نہیں پیاس بجھانی
احمدؐ سے نہ حیدرؑ سے نہ زہراؑ سے ڈریں گے
اور دل ہے سکینہؑ کی۔ اگر پیاس پہ بیتاب
زینبؑ کی ردا چھینیں گے اور لیویں گے اسباب
رسّی سے بندھا عابدِؑ بیمار چلے گا

عباسؑ نے جس دم یہ سُنی شمر کی تقریر
سر تا بہ قدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ
میں عاشقِ شبیرؑ ہوں میں اہلِ وفا ہوں
اس تفرقہ سازی کا مزا تجھ کو دکھا دوں
جوں حرف غلط دفترِ عالم سے مٹا دوں
واقف نہیں کیا رتبہ سے اولادِ علیؑ کے

تو کیا ہے جفا کار تری فوج ہے کیا مال
اک جان دو قالب ہوں میں اور فاطمہؑ کا لال
مر کر بھی شہِ دیں میں مری جان رہے گی
روشن ہو مرا نام تجھے شمع امامت
ہو بادشہِ یثرب و بطحا کی شہادت
تحقیر ہے یہ منصب و جاگیر نہیں ہے

خلعت ترا کیا چیز ہے او ظالمِ بے پیر
مختار ہیں کوثر کے ہماری ہے یہ توقیر
کچھ حشمت ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہے
مجھ کو تو نہ ہے بھوک نہ ہے تشنہ دہانی
آبِ دمِ شمشیر کی جب ہو گی روانی
دریا کی طرف تیغ پکڑ کر جو جھکیں گے

لے آیئے اُن کو وہ پئیں شوق سے پانی
خلق اُن کا ہے اور خنجرِ بُرّاں کی روانی
پیاسا پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کریں گے
شبیرؑ کے بعد اس کو بھی کر دیویں گے میرآب
پر آپ کی زوجہ کا بھُلا دیں گے نہ آداب
حضرت کا پسر گھوڑے پہ اسوار چلے گا

معلوم ہوا یہ کہ کلیجے پہ لگا تیر
فرمایا زباں بند کر او ظالمِ بے پیر
سر تن سے جدا ہو پہ نہ بھائی سے جُدا ہوں
ہے شرط کہ شمشیر کے شعلے سے جلا دوں
اک حملے میں کیوں شام کے لشکر کو بھگا دوں؟
ظالم مرے مُنہ پر یہ سخن بے ادبی کے

لوں باگ جو گھوڑے کی تو کر دوں ابھی پامال
آقا سے جدائی پسِ مردن بھی ہے اشکال
بھائی پہ مری روح بھی قربان رہے گی
بے سر ہوں وہ اور پہنوں میں سرداری کا خلعت
تب مجھ کو ملے شہر مدینہ کی حکومت
پھر خاک ہے دُنیا میں جو شبیرؑ نہیں ہے

یاں حلۂ فردوس ہے اور دامنِ شبیرؑ
منصب ہے غلامیِ شہ اور خلد ہے جاگیر
واں دولتِ دُنیا ہے تو یاں دولتِ دیں ہے
غم یہ ہے کہ پیاسا ہے یداللہ کا جانی
پی لیویں گے ہم بازوؤں کے زور سے پانی
جوں سیل ہزاروں کے نہ روکے سے رُکیں گے

شہزادۂ عالم تو پیادہ چلے دن بھر
بیٹا مرا اسوار چلے گھوڑے کے اوپر
زہرا کی بہو بیٹیاں بلوے میں کھلے سر
زوجہ مری پردے میں ہو اوڑھے ہوئے چادر
آقا کا نہ دوں ساتھ میں ایسا تو نہیں ہوں
زینبؑ کی وہ لونڈی میں غلامِ شہِ دیں ہوں
فرزندِ گرامی مرا اکبرؑ پہ تصدق
چھوٹا مرا بیٹا علی اصغرؑ پہ تصدق
زوجہ مری شبیرؑ کی خواہر پہ تصدق
سایہ مرا گھر فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
ننھو جانِ گرامی سرِ شبیرؑ کے صدقے
عباسِ علیؑ دخترِ شبیرؑ کے صدقے

واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر
یاں خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہِ دلگیر
خیمے کے قریب اُن کے اک ظالمِ بے پیر
چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوئے شبیرؑ
اس فوج میں فرزندِ امیرِ نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

اکبرؑ سے یہ بولا پسرِ مخبرِ صادق
کاذب ہیں جفاکار ہیں مفسد ہیں فاسق
یہ بات نہیں رتبۂ عباسؑ کے لائق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق
بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسِ علیؑ مجھ سے بُرائی نہ کرے گا

ناموسِ نبیؐ میں بھی یہ چرچا ہوا اک بار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانوں گی میں زنہار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسِ علمدار
کیا ماجرا ہے بی بیو مجھ سے کرو اظہار
ہے دیر سے اک شور بپا لشکرِ کیں میں
وارث مرا کیا قید ہوا لشکرِ کیں میں

بولی یہ سکینہ کہ چچی تم سے کہوں کیا
روتے ہیں کمر پکڑے ہوئے ہاتھوں سے بابا
اور کہتے ہیں آپس میں خوشی ہو کے یہ اعدا
عباس ملا ہم سے شہِ دیں ہوئے تنہا
اس صدمے سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
میں پیاس بھی بھولی ہوں یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
اور سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس
قوت شہِ والا کی انھیں سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے نہ مانوں گی غلط ہے

میں روتی تھی شب کو تو یہ سمجھاتے تھے ہر بار
تم لونڈی ہو اور میں ہوں غلامِ شہِ ابرار
سردار پہ کل ہو گا تصدق یہ علمدار
کچھ اپنے رنڈاپے کا نہ غم کیجیو زنہار
فدیہ ہوں میں اُس کا جو محمدؐ کا خلف ہے
میری بھی سعادت ہے تمہارا بھی شرف ہے

بھائی کو وہ پیارے ہیں انھیں بھائی ہے پیارا
عاشق کبھی معشوق سے کرتے ہیں کنارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
قسمت ہی اُلٹ جائے تو اس کا نہیں چارا
لیکن فلک اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہیں دیکھا

اس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
رُخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہیں گے آن کے سرورؑ
یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

بھیجوں کسے رن میں جو مفصل خبر آئے
کیا وجہ جو گھر میں نہ شہِ بحر و بر آئے
شمر ستم آرا کی نہ اُمید بر آئے
آپ آئیں و یا مشک و علم خوں میں تر آئے
کھل جائے کہ عاشق تھا شہِ ہر دو سرا کا
شہرا ہو جہاں میں مرے والی کی وفا کا

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان میں جاؤ
بیتاب ہوں اے لال خبر باپ کی لاؤ
تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہوں میں بیکس و ناچار
کہتے ہیں عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہیو مری جانب سے بہ تکرار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
وہ تفرقہ انداز ہے مردودِ خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھیں کیا ہے

کچھ پانی کے لانے کی کرو نہر سے تدبیر
حالت ہے سکینہؑ کی بہت پیاس سے تغیر
گہوارے میں دم توڑتا ہے اصغرِؑ بے شیر
کیا مشورہ ہے جنگ میں کیوں کرتے ہو تاخیر
تم صاحبِ شمشیر ہو فرزندِ علیؑ ہو
وہ کام کرو فاطمہؑ کی جس میں خوشی ہو

یہ سنتے ہی نوبادۂ عباسؑ دلاور
خیمے سے چلا ہنسلیاں پہنے ہوئے باہر
ماں کہتی چلی پیچھے کہ جلد آئیو دلبر
گھبرا کے یہ کہتی چلی شبیرؑ کی خواہر
عباسؑ کی ہے خیر عبث روتی ہو بی بی
بچّے کو بھلا ہاتھ سے کیوں کھوتی ہو بی بی

تھا در پہ ہجومِ حرمِ احمدِ مختار
نہوڑائے تھی سر زوجۂ عباسؑ علمدار
کہتا تھا وہ معصوم لئے ہاتھ میں تلوار
کیوں روکا ہے جانے دو سوئے لشکرِ کفار
بابا تو مرے ہوئیں گے سرورؑ پہ تصدق
ہو جاؤں گا میں بھی علی اصغرؑ پہ تصدق

رکھتے ہیں مرے باپ پہ تہمت یہ ستمگر
اس جھوٹ کی دیتا ہوں سزا میں ابھی جا کر
دکھلاؤں گا ان کو میں وفاداری کا جوہر
پوتے ہیں علیؑ کے ہمیں مرنے کا نہیں ڈر
ہم اہل مروت ہیں وفا ختم ہے ہم پر
سر کاٹ کے رکھ دیتے ہیں آقا کے قدم پر

آنکھوں میں بھرے اشک وہ کرتا تھا یہ تقریر
لیتی تھی بلائیں شہِ مظلومؑ کی ہمشیر
منھ چوم کے فرماتی تھی یہ بانوئے دلگیر
صدقے تری جرأت کے میں اے صاحبِ شمشیر
گھر میں چلو کیوں غصّے سے تھراتے ہو پیارے
رُکتے نہیں جب غیظ میں تم آتے ہو پیارے

تہمت کوئی کر سکتا ہے بابا پہ تمہارے
یہ مکر و فریب اہل شقاوت کے ہیں سارے
پھر جائے گا وہ بھائی پہ جو جان کو وارے
بس غصّے کو جانے دو کدھر دھیان ہے پیارے
عباسؑ کا رتبہ شہِ دلگیر سے پوچھو
قدر ان کی وفاداری کی شبیرؑ سے پوچھو

کیا ہوتا ہے کہنے دو اگر کہتے ہیں گمراہ
تم بچے ہو واری ابھی میداں کی نہ لو راہ
یاں ذکر یہ تھا اور ادھر رو رہے تھے شاہ
ناگاہ ہوا شور میانِ صفِ جنگاہ
لو غیظ میں فرزندِ امیرِ عرب آیا
تلوار علمدار نے کھینچی غضب آیا

یہ غل جو سُنا زوجۂ عباسؑ نے اک بار
سُرخی سی ہوئی چاند سے چہرے پہ نمودار
پردے سے لگی دیکھنے رن کو وہ دل افگار
دیکھا کہ علمدار سے ہے چل رہی تلوار
سب نے کہا لو دیکھو دغا ہے کہ وفا ہے
بھائی کو علمدار نے چھوڑا تو یہ کیا ہے

میداں میں چمکتی ہے یہ کس شیر کی شمشیر
کس کا ہے یہ نعرہ کہ نثارِ سرِ شبیرؑ
اس وقت نہیں کرتے خوشی ظالمِ بے پیر
بخشا کسے منصب کسے دی خلعت و جاگیر
چھوڑی ہے علمداری تو وہ اوج کہاں ہے
سردار گیا فوج کا پھر فوج کہاں ہے

یہ کہتی تھی اور اشک تھے رخسار پہ جاری
ساتھ اس کے حرم کرتے تھے سب گریہ و زاری
پھر سبطِ پیمبرؑ کو یہ ڈیوڑھی سے پکاری
کس شان سے لڑتا ہے غلام آپ کا واری
عباسؑ کے ہاتھوں کی صفائی کو تو دیکھو
لاکھوں سے اکیلے کی لڑائی کو تو دیکھو

تھا مجھ کو تردد کہ ہوئی جنگ میں کیوں دیر
حضرت نے کیا منع کہ اعدا نے لیا گھیر
دشمن سے ملی آنکھ تو رُکتے نہیں پھر شیر
کیا وجہ جو عباسؑ نے کھینچی نہیں شمشیر
اب مٹ گئے دھڑکے کہ دغا کرتے ہیں عباسؑ
جو حق ہے غلامی کا ادا کرتے ہیں عباس

کیا آپ کی اُلفت ہے اس اُلفت کے میں قرباں
بیٹے کا خیال ان کو نہ اس دم ہے مرا دھیاں
لڑنے میں بھی جاری ہے زباں سے یہی ہر آں
نقشِ قدمِ شہ پہ تصدّق ہے مری جاں
لاکھوں میں وہ تنہا ہیں یہ لونڈی ہے قلق میں
صدقے گئی کچھ کیجیے دعا بھائی کے حق میں

شہ بولے دعا کرتا ہے سینے میں مرا دل
آساں کرے اللہ مرے بھائی کی مشکل
صادق ہے محبت میں وفاداری میں کامل
کس شوق سے طے کرتا ہے یہ عشق کی منزل
بھائی کا مرے ذکرِ وفا کرتی ہیں زہراؑ
سر کھولے ہوئے اس کی دعا کرتی ہیں زہراؑ

محبوب خدا ہیں ترے شوہر کے ثنا خواں
ہیں اُس کی شجاعت کے معترف شہِ مرداں
فرماتے ہیں رو کر کہ میں عباسؑ کے قرباں
اور جعفر و حمزہ بھی ہیں شرمندۂ احساں
عباسؑ سے سب ساکنِ افلاک خوشی ہیں
راضی ہے خدا پنجتنؑ پاک خوشی ہیں

کس سے کہوں اس دم ہے جو صدمہ مرے دل پر
افسوس بچھڑتا ہے برادر سے برادر
وہ لڑتا ہے چلتے ہیں جگر پر مرے خنجر
بھائی کی محبت پہ فدا سبطِ پیمبرؐ
دو روز کی اس بھوک کے اس پیاس کے صدقے
شبیرؑ وفاداریِ عباسؑ کے صدقے

اُس نے کہا یہ منھ سے نہ فرمایئے شاہا
عباسؑ غلام آپ کا آپ اُس کے ہیں آقا
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں مولاؑ
بانوؑ کو سہاگن رکھے حق ہے یہ تمنّا
دُنیا میں رہیں آپ سلامت یہ دُعا ہے
عباسؑ سے شہؑ ہوئیں تصدّق تو بجا ہے

یاں ذکر یہ تھا اور اُدھر فوج سے لڑتا
پہونچا پسر شیرِ الٰہی لبِ دریا
جو گرد سے سب فوج ستمگر ہوئی اک جا
سقّائے سکینہؑ کے لئے گھاٹ کو روکا
تلواریں چمکتی تھیں علم سُرخ کھلے تھے
دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تُلے تھے

جس وقت کہ شبدیز کو غازی نے اُڑایا
بجلی سا تڑپ کر صفِ اعدا میں در آیا
جس جس پہ پڑا تیغِ علمدارؑ کا سایا
آکر ملک الموت نے بے سر اُسے پایا
وہ فرق پہ چمکی کہ اجل سر پہ کھڑی تھی
دریا کا کسے ہوش تھا جانوں کی پڑی تھی

اعدا کے تو رُخ مڑ گئے اور تیغوں کی دھاریں
سب ٹوٹ گئیں برچھیوں والوں کی قطاریں
کہتے تھے ستمگر کسے روکیں کسے ماریں
قابو میں چڑھے اپنے تو سر تن سے اُتاریں
ہنگام وغا شیر کو ٹوکا ہے کسی نے
گرتی ہوئی بجلی کو بھی روکا ہے کسی نے؟

تانے ہوئے نیزوں کو سوارانِ جفا کار
جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں کماندار
تلواریں اپنی ہاتھوں میں کھینچے ہوئے خونخوار
صف برچھیوں والوں کی بھی خونریزی کو تیار
غل تھا کہ علمدارِ حسینؑ آنے نہ پائے
سقائے حرم نہر تلک جانے نہ پائے

عباسؑ پکارے کہ ہم آتے ہیں خبردار
رہوار کی اب باگ اُٹھاتے ہیں خبردار
جنگِ اسداللہ دکھاتے ہیں خبردار
پانی کے لئے نہر پہ جاتے ہیں خبردار
ہاں دیکھیں ذرا تیغِ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو!

پائی تھی عجب ہاتھ نے غازی کے صفائی
بس صاف تھی وہ جو کہ تہِ تیغ صف آئی
اعدا کو نظر ضربتِ شاہِ نجف آئی
جوں سیلِ فنا پھر نہ رکی جس طرف آئی
شعلہ تھی شرارہ تھی قیامت تھی بلا تھی
شمشیر تھی یا برق تھی یا قہرِ خدا تھی

جوں موج گریزاں ہوئی فوجِ ستم آرا
اعدا نے کیا گھاٹ سے دریا کے کنارا
وہ ڈوب مرے جن کو نہ تھا جنگ کا یارا
سرداروں کو چن چن کے علمدارؑ نے مارا
اک دم میں نہ پیدل نہ سواروں کا پرا تھا
خالی تھیں صفیں دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

سقائے سکینہؑ کو جو دریا نظر آیا
جوں شیر ترائی سے وہ پانی میں در آیا
سمجھی یہ ہر اک ماہی دریا قمر آیا
یا شمسِ فلک بامِ فلک سے اتر آیا
ہوتی تھی چکاچوند یہ لہروں میں جھلک تھی
دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

اللہ رے عکسِ رخِ عباسؑ کا سایا
دریا میں ملا آن کے اک حسن کا دریا
حیرانی سے پانی ہوا آئینے کا تختا
قطرہ ہر اک اس بحر کا تھا گوہرِ یکتا
پر تشنگی شاہ سے مغموم تھے عباس
تھے نہر میں اور پانی سے محروم تھے عباس

چھوڑ آئے تھے بن پانی سکینہؑ کو جو بیتاب
خود پیاسے رہے اور کیا مشک کو سیراب
دریا سے چلا جس گھڑی وہ گوہرِ نایاب
گرد آگئی پھر فوجِ ستم صورتِ گرداب
نہ تیر نہ شمشیر کے پھل نے اُسے روکا
اعدا سے نہ رکتا پہ اجل نے اُسے روکا

کیا کیا نہ لڑے مشک کو کیا کیا نہ بچایا
گہ چھاتی تلے زیرِ سپرگاہ چھپایا
جھک کر کبھی دامانِ زرہ اس پہ اُڑھایا
وہ تیر لگا سینے پہ جو مشک پہ آیا
پانی کے لئے خون میں تر ہو گئے عباس
تلوار جب آئی تو سپر ہو گئے عباس

حفظِ علم شاہ بھی مشکیزے کا بھی دھیان
دونوں کو بچانا بھی لڑائی کا بھی ساماں
یہ ایک اِدھر لاکھ اُدھر دشمنِ ایماں
تشنہ بھی گرسنہ بھی کئی دن سے وہ ذیشاں
مجروح تھا سر تیروں سے چھاتی بھی چھنی تھی
اس پر بھی وہی زور وہی صف شکنی تھی

مشکیزے کو لئے نکلا تھا لڑ بھڑ کے وہ مہرو
پر گھات میں لپٹے چلے آتے تھے جفاجو
تلواروں کے وار اس پہ کئے پا کے جو قابو
ہیہات کہ شانوں سے قلم ہو گئے بازو
ہمّت کے سبب سنبھلے رہے خانۂ زیں پر
جب مشک چھدی گر پڑے عباسؑ زمیں پر

پانی جو بہا مشک سے آنسو ہوئے جاری
چلّا کے کہا ہائے سکینہؑ کئی باری
رن میں دہلِ فتح بجانے لگے ناری
سُن کر کہا حضرت نے کمر ٹوٹی ہماری
بھائی کا جو صدمہ دلِ مضطر نے اُٹھایا
غش کھا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے اُٹھایا

چلّائی یہ زینبؑ کہ غضب ہو گیا لوگو
بھائی کے الم میں نہ جئیں گے شہِ خوش خو
عباسؑ کی زوجہ نے کہا پیٹ کے سر کو
بیوہ ہوئی پرسا مرے وارث کا مجھے دو
اب سچ ہے کہ حضرت سے جدا ہو گیا بھائی
لو صاحبو بھائی پہ فدا ہو گیا بھائی

دریا کی طرف پیٹتے روتے چلے سرورؑ
تھا وردِ زباں ہائے اخی ہائے برادر!
جاتے تھے کمر باپ کی تھامے ہوئے اکبرؑ
ریتی میں عجب حال سے پہونچے شہِ صفدر
ہر گام پہ گر پڑتے تھے یہ زور گھٹا تھا
عمامہ نہ تھا سر پہ۔ گریبان پھٹا تھا

ناگاہ علمدار کا لاشہ نظر آیا
اک بھائی کو اک بھائی تڑپتا نظر آیا
آلودۂ خوں چہرۂ زیبا نظر آیا
چلّائے کہ ہے ہے مجھے یہ کیا نظر آیا
عاشق مرے تو ہو گیا شبیرؑ کے صدقے
شبیرؑ تری خوں بھری تصویر کے صدقے

یہ کہہ کے گرے لاش پہ اور روئے لپٹ کر
چومے کبھی شانے کبھی منھ رکھ دیا منھ پر
عباسؑ نے کھولے نہ مگر دیدۂ انور
سر زانو پہ تب لے کے یہ کہنے لگے سرورؑ
کیا شرم ہے کیوں آنکھیں نہیں کھولتے بھائی
ہم روتے ہیں تم منھ سے نہیں بولتے بھائی

آہستہ سے کہنے لگا وہ شہ کا فدائی
ہمراہ سکینہؑ تو نہیں آپ کے آئی
اور دوسرے اس شرم سے ہے آنکھ چرائی
کچھ شمر کی باتوں سے مکدّر نہ ہوں بھائی
شہ بولے یہ کھولو میں ان آنکھوں پہ فدا ہوں
لے ساتھ سکینہؑ ہے نہ میں تم سے خفا ہوں

یہ سُنتے ہی عباسؑ نے آنکھوں کو کیا وا
پھر شہ سے کہا سوئے علم کر کے اشارا
رخصت ہے ہماری کہ کوئی دم میں مریں گے
اکبرؑ کے حوالے اسے کیجیے تو ہے بہتر
عباسؑ سے کہنے لگے شبیرؑ یہ رو کر
سر کٹ کے سرِ نیزہ علم ہوئیں گے بھائی
رونے لگے یہ کہہ کے شہ یثرب و بطحا
کیا دیکھتے ہیں پھیر کے مُنھ کو شہِ والا
لب خشک ہیں رُخ گردِ یتیمی سے اَٹا ہے
اس بچے کو گھبرا کے یہ شبیرؑ پکارے
عباسؑ نے کی عرض کہ میں صدقے تمہارے
روتا تھا یہ جب گود میں مادر کی دیا تھا
سر پیٹتا ہاتھوں سے وہ معصوم جو پہونچا
ہر چند چھڑاتے تھے اُسے سیّدِ والا
کہتا تھا پسر صدقے یہ کیا حال ہے بابا
ہاتھوں میں اُٹھا لیتا ہوں میں دونوں کٹے ہاتھ
ریتی سے ذرا اُٹھیے تو اے قبلۂ حاجات
پانی نہ ملا گھر میں نہیں جاؤں گا بیٹا
تم رو رو کے ہم کو نہ کڑھاؤ مرے دلبر
سمجھائیو سر پیٹ کے روئیں گی جو مادر
جو گزری ہے مجھ پہ وہ سُنا دیجیو بیٹا
یہ کہہ کے عجب درد سے عباسؑ نے کی آہ
بیٹا تو لگا پیٹنے اور رونے لگے شاہؑ
مصروفِ بکا روحِ شہِ عقدہ کشا تھی

سوئے پسرِ فاطمہؑ کس پیار سے دیکھا
اس اپنی امانت کو اُٹھا لیجیے آقا
اب حشر کے دن پھر اسے کاندھے پہ دھریں گے
لائق ہے علمداری کے ہمشکلِ پیمبرؐ
اب مجھ کو عَلم چاہیئے دُنیا میں نہ لشکر
دُنیا میں عَلم ہوگا نہ ہم ہوئیں گے بھائی
جو آئی یہ آواز کہ ہے ہے مرے بابا
سر ننگے چلا آتا ہے عباسؑ کا بیٹا
دُر ڈھلتا ہے۔ کرتے کا گریبان پھٹا ہے
کیوں چھوڑ کے مادر کو چلے آئے ہو پیارے
پھر دیکھ لیں آنے دو اسے پاس ہمارے
چلتے ہوئے میں نے اسے کم پیار کیا تھا
عباسؑ علی کے تن مجروح سے لپٹا
لیکن نہ جدا ہوتا تھا بابا سے وہ بچّا
گھر میں چلو اماں کا بُرا حال ہے بابا
اور آپ کو تھامے چلیں گے شاہ خوش اوقات
عباسؑ نے بیٹے سے رو کر یہ کہی بات
مُنھ اپنا سکینہؑ کو نہ دکھلاؤں گا بیٹا
گو میں نہیں شبیرؑ سا آقا تو ہے سر پہ
اور حال مرا پوچھے جو شبیرؑ کی دختر
تیروں سے چھدی مشک دکھا دیجیو بیٹا
جان ہو گئی تن سے سفری آہ کے ہمراہ
ہمشکل پیمبرؐ نے کیا نالۂ جاں کاہ
لاشے کے قریب گریۂ زہراؑ کی صدا تھی

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
کر عرض کہ یا حضرتِ عباس علمدار
آقا تو مرا آپ سا ہو کُل کا مددگار
اور ہوئے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار
خادم کا جو مطلب ہے وہ اب جلد روا ہو
تم عقدہ کُشا ہو پسرِ عقدہ کُشا ہو

سلام

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخواں پیدا ہوئے

علم خالق کا خزانہ ہے میان کاف و نوں
ایک کُن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی پر نہ اپنی کچھ کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

جانِ حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے" نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

بود و نابود علی اصغر کا کیا کیجئے بیاں
بے زباں دُنیا سے اُٹھے۔ بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے" واغربتا!
موت لے آئی کہاں ان کو" کہاں پیدا ہوئے

احتیاط جسم کیا انجام کو سوچو انیسؔ
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

۱۴ مرثیہ بند ۱۲۱

کیا بحر ہے وہ بحر کنارا نہیں جس کا
کیا رنج ہے وہ رنج کہ یارا نہیں جس کا
کیا دُکھ ہے قلق دل کو گوارا نہیں جس کا
کس تیغ کا ہے زخم کہ چارا نہیں جس کا
صابر بھی تڑپتے ہیں وہ کیا رنج و الم ہے
اک داغ ہے اولاد کا اک بھائی کا غم ہے

دشمن سے بھی دُنیا میں برادر نہ جدا ہو
لشکر کی جو زینت ہو وہ صفدر نہ جدا ہو
جاں تن سے نکل جائے پہ دلبر نہ جدا ہو
وابستہ ہو دم جس سے وہ دم بھر نہ جدا ہو
دولت ہے بڑی بیٹے کا اور بھائی کا جینا
انساں کے لئے موت ہے تنہائی کا جینا

بیکار ہے وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا
کیا صبر کرے قلب یہ قابو نہیں جس کا
کون اُس کا ہے پھر زینتِ پہلو نہیں جس کا
ہستی کا چمن خار ہے گلرو نہیں جس کا
جب صرفِ خزاں گلشنِ اولاد کو دیکھے
برچھی اُسے لگتی ہے جو شمشاد کو دیکھے

ہر غم سے زمانے میں فزوں تر ہیں یہ دو غم
سو داغ کے سو غم کے برابر ہیں یہ دو غم
کٹتا ہے جگر جس سے وہ خنجر ہیں یہ دو غم
موت اس کی ہو جس شخص کے دل پر ہیں یہ دو غم
سب دُکھ ہوں پہ خالق یہ جدائی نہ دکھائے
داغ اپنا کسی بھائی کو بھائی نہ دکھائے

ہوتا ہے بہت نیک پسر باپ کو پیارا
پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھ کا تارا
کر دیتا ہے یہ داغ کلیجے کو دو پارا
بھائی ہے مگر زیست کا بھائی کی سہارا
مرجائے پسر تو ہے پھر اُمید پسر کی
بھائی نہ جدا ہو کہ نشانی ہے پدر کی

جس شخص پہ یہ رنج و الم ہو وہی جانے
دل جس کا تہِ تیغِ دو دم ہو وہی جانے
تیغوں سے چمن جس کا قلم ہو وہی جانے
جس دردرسیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے
مظلوم سے باعث نفسِ سرد کا پوچھو
گر پوچھو تو بسمل سے مزا درد کا پوچھو

حضرت نے یہ دو داغ سہے دل پہ برابر
اک فرقتِ عباسؑ اور اک رحلتِ اکبرؑ
بھائی بھی وہ بھائی کہ جو تھا ثانیِ حیدرؑ
فرزند وہ فرزند کہ تصویرِ پیمبرؑ
آنکھوں سے نہاں جانے والے ہوئے دونوں
مقتول جواں گود کے پالے ہوئے دونوں

بھائی کو وہ اب نہر پہ روئیں کہ پسر کو
ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
توڑا ہے علمدارؑ کے ماتم نے کمر کو
چھوڑا ہے جواں بیٹے نے پیری میں پدر کو
فوجِ غم و اندوہ میں شبیرؑ گھرے ہیں
اک جان پہ دو کوہِ الم ساتھ گرے ہیں

دو آفتیں بالائے سر آئی ہیں غضب ہے
دو تیغیں جگر تک اُتر آئی ہیں غضب ہے
دو برچھیاں اک دل میں در آئی ہیں غضب ہے
دو پیاروں کی لاشیں نظر آئی ہیں غضب ہے
جینا غمِ جاں کاہ میں مشکل ہے بشر کا
پتھر کا کلیجہ تو نہیں دل ہے بشر کا

ہیں خاک نشیں زیرِ علم حضرتِ شبیرؑ
اور سامنے ہے خوں میں بھری بیٹے کی تصویر
وارث کو سنبھالے ہوئے ہے بانوئے دلگیر
جب پیٹتے ہیں ہاتھ پکڑ لیتی ہے ہمشیر
فرماتے ہیں صدمے ہیں بڑے بھائی کے غم کے
للہ تڑپنے دو ہمیں گردِ علم کے

تقدیر نے بھائی کو مرے ہاتھ سے کھویا
رونے دو کہ جی بھر کے ابھی میں نہیں رویا
وہ شیر ترائی میں مجھے چھوڑ کے سویا
سر پر سے مرے آج علیؑ اُٹھ گئے گویا
ہے داغ بڑے بھائی کے مر جانے کا مجھ کو
کیوں روکتی ہو چین نہیں آنے کا مجھ کو

عاشق مرے بچپن کا سدھارا میں نہ روؤں
اعدا نے مرے شیر کو مارا میں نہ روؤں
آنکھوں سے نہاں ہو گیا تارا میں نہ روؤں
لوٹا گیا لشکر مرا سارا میں نہ روؤں
پھٹ جائے جگر جس کا وہ بے پر نہیں روتا
کیا بھائی کے ماتم میں برادر نہیں روتا

مرتا میں تو کیا مجھ کو نہ روتا مرا بھائی
جیتا جو مرے مرنے میں ہوتا مرا بھائی
ماتم میں مرے جان کو کھوتا مرا بھائی
پہلو میں مری لاش کے سوتا مرا بھائی
خوں اس کا بہا چشم کو پرنم نہ کروں میں
ہے ہے یہ غم ایسا ہے کہ ماتم نہ کروں میں

مُنھ رونے کو ڈھانپو صفِ ماتم کو بچھاؤ
پُرسا مجھے دو بین کرو خاک اُڑاؤ
بھابی سے کہو زیرِ علم رونے کو آؤ
مجھ تک کوئی عباسؑ کے فرزند کو لاؤ
اب مُنھ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
روئے گا حسینؑ اپنے بھتیجے سے لپٹ کر

غش ہو گئے کہہ کر یہ سخن حضرتِ شبیرؑ
ہوش آیا تو چپکے سے یہ کہنے لگی ہمشیر
قربان گئی دیکھ کے حال آپ کا تغئیر
فرزند کو رو سکتی نہیں بانوئے دلگیر
تصویر سی پاس آپ کے حیرت میں کھڑی ہے
تنہا علی اکبرؑ کی مرے لاش پڑی ہے

دل ماں کا ہے کس طرح کلیجے کو سنبھالے
پر اب تو اسے آپ کے جینے کے ہیں لالے
یہ سمجھی ہے بے جا نہیں واللہ بجا ہے
عباسؑ کو روتے ہیں جو آپ اے شہِ ابرار
فرزند کے لاشے کو بھی دیکھا نہیں زنہار
کہتی ہے غش آتے ہیں شہِ جن و بشر کو
بانوؑ کی طرف دیکھ کے کہنے لگے سرور
کلثومؑ کے ہمراہ اُٹھیں زینبؑ مضطر
حضرت نے کہا اب مرے دلبند کو رو لو!
آغوش میں لو لاش جواں بیٹے کی بانو
ہو جائے گی اب شکل نہاں بیٹے کی بانو
کس پیاس میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں
دل کھول کے رو لو کہ یہ اولاد کا غم ہے
مظلوم کا ماتم ہے یہ بے کس کا الم ہے
کیوں کر انھیں یہ تشنہ دہاں باپ نہ روئے
مجبور ہے ان سے پدرِ بے کس و بے پر
لے جائیں کہاں لاشۂ ہمشکلِ پیمبرؐ
تابوت بھی اُٹھوا نہیں سکتا پدر اُن کا
یہ کہتے ہی حضرت پہ جو رقّت ہوئی طاری
فرزند کا مُنھ کھول کے بانو یہ پکاری
رونے بھی نہ دیتے تھے سو جی کھوتے ہیں شبیرؑ
بس سو چکے اُٹھو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
کیا ہو گیا تم کو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
غفلت تمھیں ایسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے

مر جائے وہ اٹھارہ برس تک جسے پالے
کہتی ہے خدا کو کوکھ کو زہراؑ کی بچالے
وارث کا غم اولاد کے ماتم سے سوا ہے
بے تاب ہے بسمل کی طرح وہ جگر افگار
ہے لب پہ یہی ہائے علمدار علمدار
تھامو انھیں لوگو میں نہ روؤں گی پسر کو
لے آئے کوئی زیرِ علم لاشۂ اکبرؑ
نزدیک علم لا کے رکھی لاش زمیں پر
عباسؑ کو بس رو چکیں فرزند کو روؤ
پھر پاؤ گی تصویر کہاں بیٹے کی بانو
بس آخری رخصت ہے یہ ماں بیٹے کی بانو
کس شان سے چھاتی پہ سناں کھائے پڑے ہیں
بانو تمھیں روحِ علی اکبرؑ کی قسم ہے
ہم بھی انھیں رو لیویں کہ وقفہ کوئی دم ہے
دادی سے کہیں گے ہمیں ماں باپ نہ روئے
دو روز کے پیاسے مرے گھر سے گئے اکبرؑ
ساماں کفن کا ہے نہ ہے قبر میسّر
کس عالمِ غربت میں ہوا ہے سفر اُن کا
مُنھ رکھ دیا چھاتی پہ پسر کے کئی باری
اُٹھتے نہیں تم باپ کے سمجھانے کو واری
صدقے گئی تم سوتے ہو اور روتے ہیں شبیرؑ
آواز مجھے دو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
ہے ہے مرے کم گو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
نیند آج یہ کیسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے

بیٹا علی اکبرؑ مجھے ماں کہہ کے پکارو
ہتھیار سجو باپ کے ہمراہ سدھارو
واری میں پریشان ہوں گیسو تو سنوارو
مر جائے گی ماں ہاتھ تو سینے سے اتارو
دن ڈھل گیا اب کون سے سونے کا محل ہے
یہ نیند جوانی کی ہے یا خوابِ اجل ہے

صدقے گئی سنتے نہیں شاید مرا رونا
بازو میں ہلاتی ہوں خفا مجھ سے نہ ہونا
اٹھو تو بچھا دے یہ ماں نرم بچھونا
اب چونکو میں صدقے گئی پھر چین سے سونا
ہے فرش کی جا خاک تنِ زار کے نیچے
تکیہ تو دھرو چاند سے رخسار کے نیچے

ایسی تو نہ غافل تھی کبھی نیند تمہاری
گر ہوتا تھا کوئی تو چونک اٹھتے تھے واری
اب سوتے ہو اور گرد ہے یہ گریہ و زاری
کیوں کر تمہیں چونکائے یہ ماں درد کی ماری
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بیٹا
معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم مر گئے بیٹا

اب گھر میں مرے کس کی دلھن آئے گی اکبرؑ
ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنائے گی اکبرؑ
تصویر یہ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی اکبرؑ
زہراؑ کی بہو تم کو کہاں پائے گی اکبرؑ
معلوم نہ تھا یہ کہ جواں ہو کے مرو گے
چھوڑا ہمیں اب قبر کو آباد کرو گے

کیا شکل یہ اے غنچہ دہاں ماں کو دکھائی
نکلی ہوئی ہونٹوں پہ زباں ماں کو دکھائی
تم نے نہ دلھن اے مری جاں ماں کو دکھائی
ایامِ بہاری میں خزاں ماں کو دکھائی
دادی کی ملاقات کے شائق ہوئے بیٹا
موت آ گئی جب بیاہ کے لائق ہوئے بیٹا

اب سوؤ گے مٹی کے تلے اے علی اکبرؑ
اماں کی مرادوں کے پلے اے علی اکبرؑ
دنیا میں نہ پھولے نہ پھلے اے علی اکبرؑ
سبزے کے نکلتے ہی چلے اے علی اکبرؑ
برچھی لگی یہ نخلِ تمنا میں پھل آیا
خط بھی نہ بھرا تھا کہ پیامِ اجل آیا

ہے ہے مرے ارمان بھرے پیاس کے مارے
ہے ہے مری پیری کے عصا آنکھوں کے تارے
اس دارِ فنا سے مری جاں تم تو سدھارے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارے
ساتھ اپنے مزا زیست کا لیتے گئے واری
ہے ہے مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری

یاں حشر بپا تھا کہ پکارے کئی خونخوار
ہیں دیر سے مقتل میں صفیں فوج کی تیار
بس رو چکے اب جنگ کو آئیں شہِ ابرار
ہو جائے نہ بے پردگیِ عترتِ اطہار
گر روکتی ہیں بی بیاں زہراؑ کے پسر کو
ہم آ کے وہیں کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو

اُٹھے یہ صدا سُن کے شہِ صابر و شاکر
بانوؑ کو سُنایا کہ خدا حافظ و ناصر
اب دیر کا موقع نہیں حاکم کی طلب ہے
کفّار ہیں وہ بے ادبی ان سے نہیں دور
یاں آنے کا لے نام کسی کا تھا یہ مقدور
سُنتا یہ سخن صاحبِ شمشیر ہمارا

ہر بی بی کا رنگ اُڑ گیا سنتے ہی یہ تقریر
سر پیٹ کے ہاتھوں سے گری خاک پہ ہمشیر
گودی سے رکھا خاک پہ دلبند کا لاشہ
گر کر قدمِ شہ پہ کہا اے شہِ عالی
کی موت نے لونڈی کی بھری گود تو خالی
وارث شہِ والا کے سوا کوئی نہیں ہے

اک بار جو تکلیف اسیری کی اُٹھائی
زہرا کی بہو جانتی ہے ساری خدائی
ان قدموں سے چھوٹی تو کدھر جائے گی بانوؑ
بچّوں کا ہے ساتھ اے مرے سیّد مرے سرورؑ
فرقت میں سکینہؑ کو قرار آئے گا کیوں کر
نادان ہے بچی تو سنبھلنے کی نہیں یہ

حضرت نے کہا سب کا مددگار خدا ہے
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار خدا ہے
اولادِ علیؑ عقدہ کشائی کے لئے ہے
میں کون ہوں جس کے لیے یہ گریہ و زاری
یہ فیض اسی کا تھا مرے ہاتھ سے جاری
عورت کا رنڈاپا بھی گزر جاتا ہے صاحب

زینبؑ سے کہا لاؤ بہن خلعتِ آخر
بیٹی سے کہا ہوتا ہے رخصت یہ مسافر
نامحرم اگر خیمے میں آئے تو غضب ہے
ہے آلِ محمدؐ کی تباہی اُنھیں منظور
عباسؑ کے مرجانے سے ہم ہو گئے مجبور
جو چاہیں کہیں قتل ہوا شیر ہمارا

ثابت ہوا سب پر کہ چلے مرنے کو شبیرؑ
اکبرؑ کا بھی غم بھول گئی بانوئے دلگیر
سر ننگے اُٹھی چھوڑ کے فرزند کا لاشہ
سر پر مرے کیسی یہ بلا چرخ نے ڈالی
چھوڑو نہ مجھے اے مرے آقا مرے والی
میں غیر ہوں اس گھر میں مرا کوئی نہیں ہے

تقدیر مری گھر میں علیؑ کے مجھے لائی
جس دن سے ہوا وصل نہ دیکھی تھی جدائی
اب کی جو ہوئی قید تو مرجائے گی بانوؑ
اک لال ہے بیمار تو اک رانڈ ہے دختر
اس چاند سی چھاتی پہ وہ سونے کی ہے خوگر
صدقے گئی لونڈی سے تو ملنے کی نہیں یہ

حمد اور پرستش کا سزاوار خدا ہے
چھن جائے ردا سر سے تو ستّار خدا ہے
یہ قید تو اُمّت کی رہائی کے لئے ہے
مظلوم غریب الغربا بندۂ باریؑ
وارث وہی مالک وہی عزّت کا تمہاری
شوہر کے لئے کیا کوئی مرجاتا ہے صاحب

دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند
لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کی پابند
مر جاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند
چلتے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولادِ حسنؑ کو

کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اُٹھ گئے بھائی
پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی
وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دُنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

سجادؑ ہو کبراؑ ہو سکینہؑ ہو کہ صغراؑ
بندے ہیں سب اُس کے وہی مختار ہے سب کا
ہوگا وہی جو جس کے مقدّر میں ہے لکھا
ہمشکلِ نبیؐ مر گئے تب ہم نے کیا کیا
جلدی میں وصیّت کے سخن ہو نہیں سکتے
فرزند جواں مر گیا ہم رو نہیں سکتے

جیتا ہے ہمیشہ کوئی اس دارِ محن میں
یہ روح ہے مہماں کوئی دن خانۂ تن میں
ہے آج بہار اور خزاں کل ہے چمن میں
ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر شام کو دن بنیں چراغِ سحری ہیں
ہر صبح کو دن آتے ہیں اور دن سفری ہیں

جاری ہے سدا حکم تغیری و بحالی
موہوم ہے جاہ و حشمِ ملکی و مالی
گھر ہوتا ہے آباد کوئی اور کوئی خالی
ہو جاتی ہے عورت کوئی بے وارث و والی
آباد کوئی ہوتا ہے لٹ جاتا ہے کوئی
پھنستا ہے کوئی قید میں چھُٹ جاتا ہے کوئی

اس باغ میں بے زر ہے کوئی اور کوئی زردار
صحت سے کوئی، صورتِ نرگس کوئی بیمار
آزاد ہے گر سرو تو قمری ہے گرفتار
گل ہیں جو چمن میں کسی جا گہ تو کہیں خار
اشکوں سے رُخِ گل کو سدا دھوتی ہے شبنم
غنچے تو ہنسے دیتے ہیں اور روتی ہے شبنم

شادی ہے کسی شخص کو غم کھاتا ہے کوئی
خلعت کوئی پاتا ہے کفن پاتا ہے کوئی
آتا ہے جہاں میں کوئی اور جاتا ہے کوئی
کھلتا ہے کوئی پھول تو مرجھاتا ہے کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسا نہیں دم کا
دُنیا بھی مرقع ہے عجب شادی و غم کا

گہ تختۂ تابوت ہے گہ مسندِ شاہی
اک آتا ہے دُنیا میں تو اک ہوتا ہے راہی
بس خیر ہے جب تک کہ رہے فضلِ الٰہی
کچھ بن نہیں پڑتا ہے جو آتی ہے تباہی
سلطان بھی کفن کے لئے محتاج ہوئے ہیں
لاکھوں گھر اسی طرح سے تاراج ہوئے ہیں

آرام کی جا گہ نہیں یہ غم کدۂ دہر
ویراں وہ نظر آتے ہیں آباد تھے جو شہر
گھر سینکڑوں ڈوبے ہیں یہ دریا ہے وہ پر قہر
شیرینیِ دنیا ہے مسافر کے لئے زہر
زندہ ہے اگر آج بھروسا نہیں کل کا
چکھے گا ہر اک ذائقہ تلخیِ اجل کا

ٹھرائے نہ کس طرح مسافر کا تنِ زار
وہ جرم کی پرسش و نکیرین کی گفتار
نہ راحلہ نہ زاد نہ رہبر نہ مددگار
وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شبِ تار
غفلت ہے اسے موت کا دھڑکا نہیں جس کو
درپیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو

کام آئیں گے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال
وہ کیا ہیں کہ جو ساتھ نہ چھوڑیں گے بہر حال
نے ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زر و مال
اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال
ہمدرد بہ جز بےکسی و یاس نہ ہوگا
سوئیں گے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہوگا

سب جیتے ہی جی تک ہیں برادر ہوں کہ فرزند
کیا رشتہ پھر اُس سے جو ہوا خاک کا پیوند
ہر شخص پہ کھُل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
پر ہم سے تو پہلے ہی جُدا ہو گئے دلبند
کیا قبر میں ہوئے گا خبر آہ نہیں ہے
زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہے

فرمایا کہ یہ شبیرؑ کو رقت بہت آئی
گردان کے دامانِ قبا لاش اُٹھائی
اک غل جو ہوا لٹتی ہے زہرا کی کمائی
غش ہو گئی مخدومۂ کونین کی جائی
سمجھا کہ ہر اک رانڈ کو آقا نکل آئے
لاشہ لئے باہر شہِ والا نکل آئے

دو گام چلے تھے کہ ہوئی تیروں کی بوچھار
میّت پہ بھی پیکانِ ستم لگ گئے دو چار
فرزند کے لاشے سے یہ بولے شہِ ابرار
ورثہ نہیں عمو کا ملا اے مرے دلدار
عادی ہیں لڑکپن سے ہم اس رنج و محن کے
مارے تھے یونہی تیر جنازے پہ حسنؑ کے

یہ کہتے ہوئے لاش کو مقتل میں جو لائے
میّت کو رکھا خاک پہ اور اشک بہائے
چلّائے کہ ہے گرم زمیں اے مرے جائے
بتلاؤ پدر کون سی جا تم کو سُلائے
فرمایا کہ لایا ہوں چھڑا کر اسے ماں سے
اے خاک خبردار مرے راحتِ جاں سے

برباد نہ کیجو یہ بضاعت ہے ہماری
راحت اسے دیجو کہ یہ راحت ہے ہماری
اے ارضِ مقدس یہ امانت ہے ہماری
۱۸ اٹھارہ برس کی یہی دولت ہے ہماری
تربت کی جگہ چاہئے بے جان کی خاطر
خاطر سے مری کیجیو مہمان کی خاطر

سب گھر ترا ہو جائے گا اس چاند سے روشن
بن جائے گا صحرائے بلا وادیِ ایمن

لُوں چلتی ہے اس دھوپ میں عریاں نہ رہے تن
اے دشتِ پُر آشوب اُٹھا اپنا دامن

شیریں سخن و گل بدن و غنچہ دہن ہے
لازم ہے ترحم کہ یہ محتاجِ کفن ہے

ہاتھ آئے گا ایسا نہ تجھے پھر گہرِ پاک
رشتہ میں یہ اس کے ہے جو ہے سیدِ لولاک

رُتبے کو ترے دیکھ کے جُھک جائیں گے افلاک
آنکھوں پہ رکھیں گے ملائک تجھے اے خاک

اعجازِ مسیحا کے نظر آئیں گے تجھ سے
بیمار زمانے کے شفا پائیں گے تجھ سے

شبیرؑ کے سینے کا مکیں تجھ کو ملا ہے
فرزندِ شہِ عرش نشیں تجھ کو ملا ہے

اے خاک عجب دُرِ ثمیں تجھ کو ملا ہے
خاتم کا سلیماں کے نگیں تجھ کو ملا ہے

جیتا اسے قسمت نے نہ پھیرا مرے گھر میں
رونق ترے گھر میں ہے اندھیرا مرے گھر میں

سُن سُن کے یہ پُر درد کلام شہِ ابرار
کہتے ہیں کہ مقتل کی زمیں ہل گئی اک بار

پیدا ہوئی آواز کہ اے خلق کے سردار
لال آپ کا یاں سوئے زہے طالعِ بیدار

یوں رکھوں گی آرام سے اس نورِ نظر کو
ماں چھاتی پہ جس طرح سُلاتی ہے پسر کو

ہے فخر کی جا آپ کا لال اور مرا گھر
مولا کبھی بے چین نہ ہوں گے علی اکبرؑ

ہے ہے صدفِ قبر کہاں اور یہ گوہر
اب تک تو اُلٹ جاتی میں یا سبطِ پیمبرؐ

لیتی عوض اس قتل کا بیداد گروں سے
جبریلِ امیں نے مجھے روکا ہے پروں سے

گر جانتی دُنیا میں کبھی آئے گا یہ دن
زنہار نہ پانی پہ کبھی ہوتی میں ساکن

حیدر ہوئے اگر مرے ہر امر کے ضامن
ہے ہے نہ اس آفت کی خبر تھی مجھے لیکن

زہراؑ کا پسر پانی سے محروم رہے گا
خوں مجھ پہ محمدؐ کے نواسے کا بہے گا

سب جانتے ہیں نوحؑ کی اُمت کی تباہی
طوفان ہوا امداد جو اللہ سے چاہی

سب دیتے ہیں حضرت کی غریبی پہ گواہی
مجبور ہوں میں اے پسرِ شیرِ الٰہی

برباد یہ ناری ہوں تو کچھ دور نہیں ہے
ثابت ہوا حضرت ہی کو منظور نہیں ہے

کروٹ میں اگر لوں تو ابھی زلزلہ آجائے
شق ہوں تو ابھی مجھ میں یہ سب فوج سما جائے

ایک ایک کو ہر غار دہن کھول کے کھا جائے
اعدا کا پرا قعرِ جہنم میں چلا جائے

طوق آتشِ سوزاں کے ہوں اور اُن کے گلے ہوں
قاروں کا خزانہ تو ہو اوپر یہ تلے ہوں

حضرت نے کہا بندہ پہ ہے فضلِ الٰہی
سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
میری نہ فقیری نہ کسی اور کی شاہی
ہاں ہاں مجھے منظور نہیں ان کی تباہی
مہلت ابھی دے تو انھیں گو بے ادبی کی
وہ نوحؑ کی اُمت تھی یہ اُمت ہے نبیؐ کی

یہ کہہ کے فرس تک گئے غمگین و الم ناک
کچھ عرض کو تب آئی ہوا اُڑنے لگی خاک
حضرت سے کہا اے پسرِ سیدِ لولاک
ہو حکم تو اس فوج کا قصہ ہی کروں پاک
تن روح سے خالی ہوں دہن خاک سے بھر جائیں
آندھی ابھی یوں آئے کہ ٹکرا کے یہ مر جائیں

بھر کر نفسِ سرد یہ بولے شہِ ذی جاہ
پانی یہ نہ دیں میں تو ہوں ان سب کا ہوا خواہ
ان ناریوں نے خاک کیا گھر کو مرے آہ
برباد ہو اُمت یہ گوارا نہیں واللہ
مشکل نہیں کچھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
کھائیں گے ہمیں برچھیاں اس گرم ہوا میں

یہ کہہ کے ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر
خاتم پہ نگیں جیسے ہو اور نقش نگیں پر
پرتو سے بچھی چادرِ مہتاب زمیں پر
بوسہ دیا نصرت نے رکابِ شہِ دیں پر
جبریل و سرافیل سپر داری کو آئے
اقبال و حشم غاشیہ داری کو آئے

ہمت یہ پکاری کہ زہے عزم زہے شاں
ہاں ابنِ یداللہ ترے ہاتھ ہے میداں
چلائے علیؑ واہ یہ جرات ہے مری جاں
زہراؑ نے صدا دی تری تنہائی کے قرباں
گھوڑے پہ شہادت کے ہو تم تو تگ و دو میں
محبوبِ خدا ساتھ ہیں سر ننگے جلو میں

پیشانیِ پُر نور سے تھا رن میں اُجالا
رُخ اور خطِ رخسار یہ مہتاب وہ ہالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے مالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے نہ کیوں ہوش اُڑیں اہلِ حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی پہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیوں کر نہ مہ و خور سحر و شام
ہے حُسن کی آتش سے بھبھوکا رُخِ گلفام
خال اور خطِ شبیرؑ وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو تو دیکھو کہ عجب شوکت و شاں ہے
شبیرؑ کے یہ حُسن کے لشکر کا نشاں ہے

یک جا جو مناسب تھے دو مردمِ بیمار
صانع نے اُٹھائی ہے عجب نور کی دیوار
لک شاخ سے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
یا یہ الفِ ماہِ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
گویا ورقِ زر پہ کلی گُل کی دھری ہے

آتی ہے ثنائے دُرِ دنداں جو زباں پر
تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس ان کا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

دل کونسا گردن کی صفا پر نہیں قرباں
مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
گویا کہ ہلالِ شبِ اوّل ہے گریباں
شانوں سے نشانِ اسدِ حق ہے نمایاں
حیراں ہے نظر دوشِ مبارک پہ کماں ہے
یا قوس میں خورشیدِ جہاں تاب نہاں ہے

ہیں بازوئے شبیرؑ کہ شاخِ شجرِ حُسن
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظرِ حُسن
گھر حُسن کا سینہ ہے تو شانے ہیں دَرِ حُسن
طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حُسن
ان ہاتھوں سے ہم دست کفِ حور نہیں ہے
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک
درپیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
تعویذِ شفا نقشِ کفِ پائے مبارک
جس جا گزر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرشِ بریں کے
احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے

جب ظہر تلک لُٹ گئی سرکارِ حسینی
راہی سوئے جنّت ہوئے انصارِ حسینی
خالی رفقا سے ہوا دربارِ حسینی
مارا گیا دریا پہ علمدارِ حسینی
نہ مونس و یاور نہ مددگار تھا کوئی
ہمراہ نہ پیدل تھا نہ اسوار تھا کوئی

اس وقت بھی مولا پہ عجب شوکت و شاں تھی
تصویرِ غم و درد سراپا سے عیاں تھی
مُنھ زرد تھے نیلے تھے لب اور خشک زباں تھی
تھرّائے ہوئے ہاتھوں میں گھوڑے کی عناں تھی
نسبت ہے مہِ نو سے قدِ راست کے خم کو
آنکھوں سے رکابوں نے سنبھالا ہے قدم کو

لپٹے تھے جو لاشے سے پسر کے کئی باری
خونِ علی اکبرؑ سے قبا سُرخ تھی ساری
تھا گھوڑے پہ اس رنگ سے وہ عاشقِ باری
جس طرح سے جائے کسی دولھا کی سواری
معلوم یہ ہوتا تھا کہ بچھڑے ہیں دولھن سے
آجاتی تھی پھولوں کی مہک صاف بدن سے

افروختہ تھا چہرۂ نورانیِ شبیرؑ
روشن تھی رُخِ مہر سے پیشانیِ شبیرؑ
زلفوں سے نمایاں تھی پریشانیِ شبیرؑ
تھرّاتے تھے سب سُن کے رجز خوانیِ شبیرؑ
نعرہ تھا کہ میں نام و نشانِ ابؑ و جد ہوں
روباہ ہیں سب میں اسدِ حق کا اسد ہوں

دو نور کے دریا جو ملاقی ہوئے اک بار
پیدا کیا اللہ نے مجھ سا دُرِ شہوار
وہ شمس و قمر عرشِ خدا کے ہیں جو سیّار
ہیں جن کی ضیا سے مہ و خور مطلعِ انوار
روشن ہے شرف خلق پہ جن دونوں کے گھر کا
میں اخترِ تابندہ ہوں اُن شمس و قمر کا

وہ نخل کہ جس نخل کی ہے اصل نبوت
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے فرع ولایت
وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امامت
وہ نخل کہ جس نخل کے سائے میں ہے جنت
میوہ بھی اُسی کا ہوں اُسی کا گلِ تر ہوں
شیعہ مرے برگ اس کے ہیں میں اس کا ثمر ہوں

میں عطرِ گلِ سرسبد باغِ جہاں ہوں
پانی ہو دلِ سنگ وہ اعجاز بیاں ہوں
کاذب نہیں میں مخبرِ صادق کی زباں ہوں
کوثر کا تو مختار ہوں پر تشنہ دہاں ہوں
سب کے لئے رحمت ہوں عنایت ہوں خدا کی
کھوؤ نہ مجھے تم میں امانت ہوں خدا کی

زہرا مری مادر ہے مرا باپ علیؑ ہے
احمدؐ کا بھی وہ دوست خدا کا بھی ولی ہے
فرزند ید اللہ شجاعِ ازلی ہے
یہ تیغ وہ ہے جو سرِ مرحب پہ چلی ہے
کیا منہ ہے جو وار اس کا رکے فوجِ ستم سے
جبریل کے پر جلتے ہیں اس برقِ دودم سے

دعویٰ ہو جسے تیغِ شرربار کو روکے
ضربِ خلفِ حیدرِ کرّار کو روکے
ہاں بڑھ کے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے
بجلی کو وہ روکے جو مرے وار کو روکے
گردوں پہ نہ ٹھہرے گی زمیں سے نہ رُکے گی
تم کیا ہو پرِ روحِ امیں سے نہ رُکے گی

لو تیغِ شرربار نکلتی ہے خبردار
لو ضرب مری فوج پہ چلتی ہے خبردار
لو زہر یہ ناگن اب اُگلتی ہے خبردار
لو تیغِ علیؑ رنگ بدلتی ہے خبردار
بخشا نہ اثر میری کسی بات نے تم کو
سنبھلو کہ لیا مرگِ مفاجات نے تم کو

یہ سُنتے ہی لشکر تو ہوا سب تہ و بالا
اور آپ نے قبضے پہ ادھر ہاتھ کو ڈالا
کاٹھی سے کھنچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
غل تھا کہ وہ منہ ناگ نے بانبی سے نکالا
کاٹا جسے پھر کب اُسے یارائے سخن ہے
دیکھو کہ زبانیں تو ہیں دو ایک دہن ہے

یہ کاٹ کے ہر صف کو نکل جائے گی سن سے
لشکر پہ خزاں لائے گی جو ہر کے چمن سے
زہر اس کا چڑھے گا تو نہ اُترے گا بدن سے
اژدر ہے نکلتے ہیں شرر اس کے دہن سے
زور اس سے کسی کا تہِ گردوں نہ چلے گا
جس دم یہ چلے گی کوئی افسوں نہ چلے گا

صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
ڈر سے جو اڑے کبک تو جنگل سے اُڑے مور
آمد میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
ناگاہ بیاباں میں لگی برق چمکنے
دہشت سے دلیروں کی لگی آنکھ جھپکنے
پڑنے لگی اعدا پہ جو ضربت شہِ دیں کی
بجلی کی تڑپ اسپِ تگاور نے دکھائی
اور آنکھ ہر اک فرد کو جوہر نے دکھائی
تیر ایک طرف تیر فگن ایک طرف تھے
چمکی صفتِ برق جو شمشیر سرانداز
گوشے میں چھپا سہم کے ہر خانہ برانداز
گھبرا گئے چلّے کدھر اور تیر کہاں کے
تھے موت کے حلقے میں کماں دار نظر بند
نیزے کا کوئی باندھتا تھا پڑھ کے اگر بند
سب بند کھُلے ناخنِ شمشیرِ قضا سے
جانوں کا ابھی نرخ نہ زنہار کھلا تھا
ہر زخم کا مُنھ صورتِ سوفار کھُلا تھا
زخم اُن کو زبس تیغِ شرر دم کے لگے تھے
سب فوج کو نظروں میں زبس تول لیا تھا
تلوار نے بھاگے ہوؤں کو رول لیا تھا
خونِ تنِ اعدا سے زمیں لال ہوئی تھی
کیا تاب جو کشتے کی کوئی لاش اُٹھائے
کیا مُنھ تھا جو کوئی سرِ پرخاش اُٹھائے
آنکھوں میں چکاچوند تھی اُس برقِ دوسر سے

جس شور سے بہرام کی تھرّانے لگی گور
صفدر کے قدم بڑھتے ہی اعدا کا گھٹا زور
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے
روکا سپرِ مہر کو چہرے پہ فلک نے
دیکھا زرہِ جسم کو تھرّا کے سمک نے
خم ہو گئی لنگر سے کمر گاوِ زمیں کی
تصویرِ اجل تیغِ دوپیکر نے دکھائی
قوت اسداللہ کی سرور نے دکھائی
سر ایک طرف جمع تھے تن ایک طرف تھے
اندازِ وغا بھول گئے سب قدر انداز
رُخ پھر گئے بھاگے صفتِ تیرِ در انداز
خود اہلِ خطا پھنس گئے حلقوں میں کماں کے
تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طائرِ پربند
وا کرتا تھا ہر بند کو حیدر کا جگر بند
باقی کوئی رہتی ہے گرہ عقدہ کشا سے
سر بک رہے تھے موت کا بازار کھُلا تھا
دروازہ اجل کا پئے کفّار کھُلا تھا
ناری سبھی رستے پہ جہنّم کے لگے تھے
گویا پئے چورنگ انھیں مول لیا تھا
صفدر نے درِ فتح و ظفر کھول لیا تھا
تلوار کلیدِ درِ اقبال ہوئی تھی
پرزے ہو وہ خود جو تنِ صد پاش اُٹھائے
کس طرح نظر مہر پہ خفاش اُٹھائے
مُنھ ڈھانپا تھا ہر ایک سیہ رو نے سپر سے

پنہاں تھے زرہ میں جو سیہ کاروں کے اندام
یوں کاٹ کے کڑیوں کو نکل آتی تھی صمصام
وہ تیغ زرہ پوشوں کی کیا فوج پہ بھیڑے
جس وقت چمکتی تھی وہ پرکالۂ آتش
ہر غول میں گردن کو جھکا لیتے تھے سرکش
ہشیار صدا دیتے تھے جاگو اجل آئی

چار آئنہ کو آٹھ جو کر دیتی تھی تلوار
تھا شور کہ صابون میں رکتا ہے کہیں تار
آفاق میں ثانی نہیں اس برقِ دو سر کا
گہ غرب کی جانب تو سوئے شرق کبھی تھی
گہ زیرِ فرس اور بسرِ فرق کبھی تھی
بے دست ستمگاروں کے دستے نظر آئے

تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوجِ ستمگر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
رخ پھر گئے سب کے تہ و بالا ہوا لشکر
انبار ہیں کشتوں کے صفیں ہو گئیں بے سر
پردہ نہ کبھی فاش کیا اُمتِ بد کا

صاف اُس سے عیاں ہوتے تھے معنی ودودام
جس طرح سے ماہی کو نہ ہو دام میں آرام
دریا پہ گرے برق تو کیا موج پہ بھیڑے
ہو جاتے تھے چار آئنہ والے بھی مشوش
اک ہوش میں رہتا تھا تو ہو جاتے تھے دس غش
ہر صف میں یہ تھا شور کہ بھاگو اجل آئی

ششتدر تھا کوئی اور کوئی حیراں کوئی ناچار
سر خاک پہ برساتی ہے یہ برقِ شرر بار
شمشیر تو یہ ہاتھ یداللہ کے پسر کا
اور خاک میں دنبالہ تلک غرق کبھی تھی
پانی تھی کبھی ابر کبھی برق کبھی تھی
ہر ضرب میں سر تن سے برستے نظر آئے

آندھی سے اُٹھے جیسے سمندر میں تلاطم
واں بحر میں ہل چل تھی ادھر بر میں تلاطم
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں پانی میں تھمی ہے
گھبرا کے پکارا پسرِ سعدِ ستمگر
اب رحم کا ہنگام ہے یا سبطِ پیمبرؑ
مشہور ہے عالم میں کرم آپ کے جد کا

سو بار لعینوں نے کیا قتل کا آہنگ
شکوہ نہ کیا جب دُرِ دنداں پہ لگا سنگ
حضرت میں بھی خو بوئے شہنشاہِ عرب ہے
حضرت نے یہ ارشاد کیا روک کے تلوار
تنہا میں کئی لاکھ ترے ساتھ ستمگار
ہاں ظلم رسولوں پہ بھی ہر چند ہوا ہے

اُس رحمتِ حق نے کبھی اس طرح کی جنگ
گردن میں ردا ڈال کے کھینچا نہ ہوئے تنگ
کھلتا نہیں اس غیظ کا کیا آج سبب ہے
انصاف کر انصاف کر اے ظالمِ غدّار
اُمت نے دیئے ہیں کسی مرسل کو یہ آزار
پانی تو کسی پر نہیں یوں بند ہوا ہے

بے دست ہوا کس کا مرا بھائی سا بھائی
چھاتی پہ سناں کس کے جواں بیٹے نے کھائی
غربت میں لُٹی کون سے مرسل کی کمائی
اک دن میں ہوئی کس کے بھرے گھر کی صفائی
یوں باغ کٹا خنجر و شمشیر سے کس کا
شش ماہہ پسر قتل ہوا تیر سے کس کا

اس ظلم پہ کچھ حرف نہیں مُنھ سے نکالا
میرا ہی تھا یہ کام کہ غصے کو سنبھالا
لڑتا میں تو تھا کون مرا روکنے والا؟
اک حملے میں تھا دفترِ عالم تہ و بالا
ہوتا ابھی نازل غضب اس لشکرِ کیں پر
ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر

کہتے ہیں جسے غیظ وہ اب تک نہیں آیا
جو حکمِ خدا تھا سو بجا اس کو میں لایا
ان ہاتھوں نے کب زورِ یداللہ دکھایا
ڈرتا ہے عبث جنگ سے لے ہاتھ اُٹھایا
چرچا رہے اس کا بھی کہ مظلوم نے جاں دی
طالب جو اماں کا ہے تو لے تجھ کو اماں دی

روکوں نہ ابھی ہاتھ کو تھا دل میں مرے
دشمن ہے مگر رحم کیا حال پہ تیرے
لے فوج سے کہہ دے کہ پھر آ کر مجھے گھیرے
قاتل کو بُلا جلد چھُری حلق پہ پھیرے
جرأت کو تو دیکھا پسرِ شیرِ خدا کی
مظلومی بھی اب دیکھ غریب الغربا کی

کیا حلم ہے کیا صبر نثارِ شہِ دلگیر
خوں پونچھ کے مولا نے رکھی میاں میں شمشیر
خوش ہو کے پھرے دور سے بھاگے ہوئے بے پیر
پہلو پہ چلیں برچھیاں چھاتی پہ لگے تیر
کپڑے ہوئے سب سُرخ شہِ تشنہ گلو کے
ہر زخم سے چھوٹے لگے فوارے لہو کے

تیروں کے جہاں زخم تھے واں پڑتی تھی تلوار
تلوار کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
تھے برچھیوں کے زخم پہ پیکانِ ستم پار
باہم تھے بدن پہ لبِ زخم اور لبِ سوفار
دھاریں تھیں لہو کی رُخِ پاکِ شہِ دیں پر
پیوست ہوئے تھے کئی تیر اک جبیں پر

جن انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی
کٹ کٹ کے اُنھیں ہو گئی ہاتھوں سے جُدائی
خوں سے نظر آتی تھی کفِ دستِ حنائی
گلدستۂ فردوس تھی مجروح کلائی
تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیرِ عدو کے
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں دریا میں لہو کے

پہلو پہ لگاتا تھا جو نیزہ کوئی بے پیر
دل تھام کے جھکتے تھے فرس پر شہِ دلگیر
غل ہوتا تھا لو گرتے ہیں اب خاک پہ شبیرؑ
سرپیٹ کے پردے سے نکل آتی تھی ہمشیر
گھبرا کے ہر اک گام پہ گرتی تھی سکینہؑ
بسمل کی طرح لوٹتی پھرتی تھی سکینہؑ

کہتی تھی یہ ماں کرتے کے دامن کو پکڑ کر
ننھے سے اٹھا ہاتھ یہ کہتی تھی وہ دختر
کیوں روکتی ہو تیغ و تبر کھانے دو مجھ کو
اس خوں میں بھری چاند سی صورت کے میں واری
سر پیٹ کے کرتی ہوں جو میں گریہ و زاری
نرغہ ہے لعینوں کا ادھر آ نہیں سکتے

بابا تو ہمیں پیار سے چھاتی پہ سلائیں
اب دل کو یہ امید نہیں ہے کہ وہ آئیں
رہوار سے گر کر شہ والا نہ ملیں گے
ماں کہتی تھی واں تیر ستم چلتے ہیں واری
کہتی تھی مچل کر یہی وہ پیاس کی ماری
اس وقت اگر روکو گی مجھ خستہ جگر کو

دیکھو مجھے روکو گے تو پچھتاؤ گے لوگو
گر ذبح ہوئے وہ تو کدھر جاؤ گے لوگو
فریاد مری سن کے تڑپ جائیں گے بابا
پردے سے کئی بار تڑپ کر نکل آئی
شبیرؑ کو چلائی وہ دے دے کے دہائی
یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا

روئے یہ صدا بیٹی کی سن کر شہِ ذی جاہ
اک تیر سہ شعبہ جو لگا سینے پہ ناگاہ
تھا دھیان کہ مل لیویں اگر آئے سکینہؑ
اس دم نہ سکینہؑ کو رہا ضبط کا یارا
دیکھو تو کہ اس وقت بھی ہے دھیان ہمارا
گرتے ہوئے ہاتھوں سے جگر تھام لیا ہے

للّٰلہ نہ جا رن میں نہ جا اے مری دلبر
تم دیکھو تو ہے ہے یہ ستم ہوتا ہے کس پر
رہوار سے گرتے ہیں پدر جانے دو مجھ کو
بھولی نہیں اس دم بھی انھیں یاد ہماری
مڑ مڑ کے ادھر دیکھ چکے ہیں کئی باری
مجھ تک مرے مظلوم پدر آ نہیں سکتے

ہم ایسے برے وقت میں پاس ان کے نہ جائیں
اماں مجھے لے آنے دو بابا کی بلائیں
جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے
سادات کے بچّوں کے بھی دشمن ہیں یہ ناری
جانے دو مجھے جان نہیں باپ سے پیاری
اچھا میں تمہیں لوگوں سے پھر لوں گی پدر کو

پھر لال کو زہراؑ کے کہاں پاؤ گے لوگو
کیا داغ یتیمی مجھے دکھلاؤ گے لوگو
زخمی بھی جو ہوں گے تو چلے آئیں گے بابا
چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
کچھ بس نہیں مجبور ہے یہ آپ کی جائی
بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا

نزدیک تھا خیمے پہ نہ جانے کی ملی راہ
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند ید اللہ
بھر کر نفس سرد کہا ہائے سکینہؑ
چلائی کہ اماں مجھے بابا نے پکارا
اک دم مری فرقت نہیں بابا کو گوارا
کس درد سے بابا نے مرا نام لیا ہے

یہ کہہ کے لگی دیکھنے پردے کو اُٹھا کر
دیکھی وہ قیامت کہ نہ دیکھے کوئی دختر
تھا سینۂ اقدس پہ لعیں حلق پہ خنجر
اُمّت کی دُعا مانگتے تھے سبطِ پیمبرؐ
چلاّئی سکینہؑ کہ جگر پھٹتا ہے امّاں
ہے ہے مرے بابا کا گلا کٹتا ہے امّاں
یاں رہ گئی سر پیٹتی وہ بے کس و مضطر
واں کٹ گیا شمشیرِ ستم سے سرِ سرورؑ
خاموش انیسؔ اب کہ چھری چلتی ہے لیکن
تا حشر نہ کم ہوگا غمِ سبطِ پیمبرؐ
جب تک کہ زمیں پر فلکِ پیر رہے گا
ہر گھر میں یونہی ماتمِ شبیرؑ رہے گا

رباعی

ہشیار! کہ وقت سازو برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلئے! اب چوبدارِ مرگ آیا ہے

رباعی

اک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں حُبِّ ساقیِ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیمانہ ہے

رباعی

خامشی میں یاں لذتِ گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عینِ بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

۱۵ مرثیہ ۱۴۲ بند

اے مومنو مرنے کے لئے جاتے ہیں اکبر
سوکھے ہوئے لب باپ کو دکھلاتے ہیں اکبر
کچھ بن نہیں آتا ہے شہ جن و بشر کو
دشوار ہے ہمشکل پیمبر کی جدائی
بانو کی یہ اٹھارہ برس کی ہے کمائی
پہلے علی اکبر سے یہ ناشاد مرے گی
ہے داغ عجب یہ فلک پیر دکھاتا
ہے شاہ کی پیری کا عصا ہاتھ سے جاتا
گرتا ہے فلک غم کا شہ جن و بشر پر
لب خشک ہیں تر اشکوں سے آنکھیں ہیں کمر خم
بانو کا جدا رنج ہے بیٹی کا جدا غم
بیٹے سے بچھڑنا ہے مصیبت یہ بڑی ہے
اکبر کی یہ ہے عرض کہ میداں کی رضا دو
بابا مری الفت کو بس اب دل سے اٹھا دو
کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے
اب لطف ہے کیا جینے کا سب کٹ چکا لشکر
عباس علمدار گئے جانب کوثر
بعد اب نہ مرے آہ و بکا کیجیے بابا
ہے میرے سوا کون جو ہو آپ پہ قرباں
فرماتے ہیں حضرت کہ نہ ہو گا کسی عنواں
جب لاش مری رن سے اٹھا لائیو بیٹا

مادر سے جدا ہونے کا غم کھاتے ہیں اکبر
شہ روتے ہیں سر پاؤں پہ ٹکراتے ہیں اکبر
گہ دیکھتے ہیں بانو کو اور گاہ پسر کو
فرماتے ہیں پہلے مجھے کیوں موت نہ آئی
حسرت بھی کوئی اس کی نکلنے نہیں پائی
کس طرح جواں بیٹے کو ماں صبر کرے گی
بابا سے برابر کے پسر کو ہے چھڑاتا
اک عمر کی دولت پہ زوال آج ہے آتا
خاموش ہیں اور برچھیاں چلتی ہیں جگر پر
قاسم کی جدائی کا قلق بھائی کا ماتم
ہیں سخت تردد میں شہنشاہ دو عالم
اک جان عجب طرح کی آفت میں پڑی ہے
رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو
اماں سے بھی رخصت ہمیں مرنے کی دلا دو
زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے
کام آئے پھوپھی زاد چچا زاد برادر
نام اپنا ہو روشن جو کٹے شمع صفت سر
اکبر کو بھی امت پہ فدا کیجیے بابا
عابد ہی سو بیمار ہے اصغر ہے سو ناداں
اے جان پدر پہلے ہمیں ہونے دو بے جاں
پھر شوق سے مرنے کے لیے جائیو بیٹا

بیکس کی رفاقت کو نہ چھوڑو مرے جانی
گو پیاس بہت ہے تجھے اے یوسفِ ثانی
بابا سے جدا ہونا گوارا نہ کرو تم

اس واسطے پالا تھا تجھے اے مرے دلدار
دم آنکھوں میں جب آئے تو دیکھیں ترا دیدار
مختار ہو گھر بار کے عاقل ہو جواں ہو

ماں باپ کا مرنا تو ہے میراث مری جاں
ہوئے گا نہ مجھ کو یہ گوارا کسی عنواں
تم جیتے رہو روح مری شاد رہے گی

سُن کر یہ سخن شاہ کا رونے لگے اکبر
میں زندہ رہوں آپ کے تن پر سے کٹے سر
حضرت کی جدائی کا نہ میں داغ سہوں گا

کہنے لگے سُن کر یہ سُخن سیدِ ابرار
پھر گرنے لگا باپ کے قدموں پہ وہ دلدار
فرمایا کہ رُلواؤ نہ مجھ سوختہ جاں کو

بانو بھی کھڑی دور سے سنتی تھی یہ تقریر
کیا ذکر مرا کرتے ہو کیا ہوتی ہے تدبیر
آتی ہے خزاں باغ اُجڑتا ہے ہمارا

میں چاہتا ہوں لال رہے تیرا سلامت
مجھ سے تو یہ رُکتے نہیں جاتے کسی صورت
کیونکہ کہوں میں ایسی کمائی کو مٹا دو

بانو نے کہا آپ کی کیا امر ہیں ہم مرضی
پیارے علی اکبر ہیں تو امت بھی ہے پیاری
منظور ہے سر اپنا تہِ تیغ دھروں میں

پیری میں اُٹھے گا نہ ترا داغِ جوانی
ہم نے بھی تو دو روز سے پایا نہیں پانی
کوثر کے لیے ہم سے کنارا نہ کرو تم

مظلوم پدر کے دمِ آخر ہو مددگار
مرجائیں تو تم قبر کرو باپ کی تیار
فرزندِ پیمبرؐ کے بھی فاتحہ خواں ہو

سو باپ تو جیتا رہے فرزند ہو بے جاں
مرنے کو بھی جانے دوں اکبرؑ سوئے میداں
اور بانوئے مغموم بھی آباد رہے گی

کی عرض کہ فریاد ہے یا سبطِ پیمبرؐ
اے قبلۂ دیں ہو یہ گوارا مجھے کیونکر
صدقے نہ ہوا گر تو کہیں کا نہ رہوں گا

بیٹا تری تقریر سے ہم ہو گئے لاچار
لپٹا کے گلے سے شہِ والا نے کیا پیار
اچھا! یہی مرضی ہے تو راضی کرو ماں کو

سرور سے لگی کہنے کہ اے حضرتِ شبیرؑ
شہ نے کہا بے آس ہمیں کرتی ہے تقدیر
فرزند جواں ہم سے بچھڑتا ہے ہمارا

بانو تری دولت یہ مگر آتی ہے آفت
اب تم سے طلب کرتے ہیں یہ مرنے کی رخصت
تم چاہو رضا دو انھیں چاہے نہ رضا دو

حضرت نے کہا جس میں ہو اُمت کی بھلائی
صدقے کیا بھائی کو محبت ہو یہ اُن کی
میدان میں پہلے علی اکبرؑ سے مروں میں

سُن کر یہ سخن رونے لگی بانوئے ناشاد
چلائی کہ لٹتی ہوں میں فریاد ہے فریاد
دوڑو وارے لوگو مرا گھر ہوتا ہے برباد
مرجاؤں تو ہوں قیدِ غم و رنج سے آزاد
تدبیر کرو کچھ مرا گھر لُٹتا ہے لوگو!
پردیس میں مادر سے پسر چھٹتا ہے لوگو!

سرور سے مرا راج ہے اکبرؑ سے ہے اقبال
وہ فاطمہؑ کا لال ہے یہ بانو کا ہے لال
بیٹے کو جو رخصت دوں تو ہے دل کا عجب حال
اور روکوں تو زہراؑ کا چمن ہوتا ہے پامال
ہر طرح کمر غم سے اُکھڑ جائے گی میری
یہ مانگ دیا کوکھ اُجڑ جائے گی میری

رو کر کہا اکبرؑ نے کہ اے مادرِ غمخوار
مانگو یہ دُعا زندہ رہیں سیدِ ابرار
اب دودھ ہمیں بخشو کہ ہیں مرنے پہ تیار
اس پیاس میں ہیں جامِ شہادت کے طلبگار
کوکھ اپنی بچانے کا نہ ساماں کرو اماں
زہراؑ کے پسر پر ہمیں قرباں کرو اماں

بانو نے کہا صبر تو آتا نہیں واری
تم نے تو چھری ماں کے کلیجے پہ ہے ماری
مر جاؤں گی اے لال میں فرقت میں تمہاری
خیر اب یہی مطلب ہے تو منگواؤ سواری
پر میں کوئی حسرت تو نکالوں علی اکبرؑ
آؤ تمہیں دولھا تو بنا لوں علی اکبرؑ

اکبرؑ نے کہا اس سے ہو کیا فائدہ اماں
غم ہوگا زیادہ تمہیں یہ دیکھ کے اماں!
اُٹھ جائیں گے ہم خلق سے ناشاد و پُرارماں
بہتر تو یہ ہے چاک کرو میرا گریباں
نہ جوڑا نہ سہرا، نہ دولھن چاہیے مجھ کو
اب گوشۂ قبر اور کفن چاہیے مجھ کو

لاشے کو اُٹھانے کا جو ساماں ہو میسر
سہرا مرے تابوت پہ تم باندھیو مادر
یاد آؤں گا جس وقت تو رونا یہی کہہ کر
ہے ہے مرے ناشاد و پُر ارماں علی اکبر
باندھی ہے کمر گلشنِ ہستی کے سفر پر
بس ہے یہی شادی کہ تصدق ہوں پدر پر

کہہ کر یہ سخن ماں کو کیا آخری مجرا
ناموسِ محمدؐ میں قیامت ہوئی برپا
روتا ہوا ہمشکلِ نبیؐ خیمے سے نکلا
شہ نے کہا اے لال خدا کو تمہیں سونپا
فرقت تری قسمت مجھے دکھلاتی ہے بیٹا
تم جاتے نہیں جان چلی جاتی ہے بیٹا

اکبرؑ سوئے جنگاہ چلے چھڑ کے رہوار
اور رہ گئے دل تھام کے در پر شہِ ابرار
تھا مستعدِ جنگ زبس لشکرِ کفار
میداں میں پہونچا تھا کہ چلنے لگی تلوار
تھے روکتے اس فوج کے ریلے علی اکبر
لڑتے تھے ہزاروں سے اکیلے علی اکبر

تھے غول زرہ پوشوں کے کھینچے ہوئے شمشیر
پڑتے تھے کمین گاہ سے باراں کی طرح تیر
تانے ہوئے نیزوں کو پس پشت تھے بے پیر
اور بیچ میں تھے تیغ بکف اکبرؑ دلگیر
دکھلا دیا تھا جنگ شہنشاہ نجف کو
جب کرتے تھے حملہ تو الٹ دیتے تھے صف کو

واں معرکہ آرا تھے جناب علی اکبرؑ
روتے تھے کھڑے سبط نبیؐ خیمے کے در پر
غل ہوتا جو میداں میں تو کہتے تھے تڑپ کر
اے بار خدا اٹھتی ہے تصویر پیمبرؐ
تو صبر عطا کر کہ نہ فریاد کروں میں
بھولوں علی اکبرؑ کو تجھے یاد کروں میں

یارب علی اکبر یہ ہے بچپن سے مرا پیار
سو آگے مرے برچھیاں کھاتا ہے یہ دلدار
اٹھارہ برس پالا ہے اُلفت سے ہوں ناچار
ہے مرگ جواں بیٹے کی شبیرؑ پہ دشوار
تیغوں سے بچاتا نہیں میں اپنے جگر کو
کرتا ہوں فدا نانا کی اُمت پہ پسر کو

تھی شہ کی وہ شکل اور تھا یہ بانو کا نقشا
روتی تھی کھڑی تھامے ہوئے خیمے کا پردا
کہتی تھی کہ اے بیبیو ہے ہے میں کروں کیا
آنکھوں سے ہے کچھ اب تو دکھائی نہیں دیتا
فرزند مرا گھر گیا ہے فوج ستم میں
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجا کوئی دم میں

پردے سے اٹھا کر کبھی سرور کو سناتی
اب خیمے سے سر ننگے ہوں میں بھی چلی آتی
ہے مامتا کی آنچ کلیجے کو جلاتی
کچھ ایسا قلق ہے کہ پھٹی جاتی ہے چھاتی
زندہ علی اکبرؑ کو میں پھر پاؤں گی صاحب
بیٹا نہیں ملنے کا تو مر جاؤں گی صاحب

فضہ سے یہ کہتی تھی کہ میداں کی طرف جا
احسان ترا ہوئے گا اکبرؑ کو بلا لا
کہیو کہ چلو خیمے میں واں حشر ہے برپا
مادر کو اٹھا لو گے تو پھر آن کے لڑنا
صدمہ نہ جدائی کا اٹھا مر گئی بانو!
جلدی چلو دنیا سے سفر کر گئی بانو!

یہ حشر تھا جو رن سے صدا آئی یہ ناگاہ
گھوڑے سے پسر گر پڑا جلد آئیے یا شاہ
اکبرؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہ ذی جاہ
مقتل میں نظر آیا نہ وہ چودھویں کا ماہ
گھبرائے ہوئے چاروں طرف پھرتے تھے شبیرؑ
بسمل کی طرح اُٹھتے تھے اور گرتے تھے شبیرؑ

دل پکڑے ہوئے ہاتھوں سے گہ نہر پہ جاتے
روتے ہوئے جوں ابر کبھی واں سے پھر آتے
اعدا کو کبھی ہاتھ اُٹھا کر یہ سُناتے
کیا بُغض ہے لاشہ نہیں اکبرؑ کا بتاتے
دریا میں جو لاشے کو بہایا ہو تو کہہ دو
اس چاند کو مٹی میں چھپایا ہو تو کہہ دو

جو لاش نظر آتی تھی کہتے تھے یہ جھک کر
آئی نہ صدا کچھ تو یہ فرماتے تھے رو کر
صورت نظر آنے کی نہیں نورِ نظر کی
حضرتؑ کے رُلانے کو عدو کہتے تھے ہنس کر
تن ٹکڑے ہوئے تیغوں سے خنجر سے کٹا سر
جیتا تو نہ وہ ماہِ لقا ہاتھ لگے گا

شہ کہتے تھے بیٹے کا پتا مجھ کو بتا دو
جلتا ہے کلیجہ اُسے چھاتی سے لگا دو
مادر کو بھی اک عشق ہے اس نورِ نظر سے
اکبر کا پتہ جب کہ کسی نے نہ بتایا
فرزند کو جنگل میں تڑپتا ہوا پایا
اٹھارہ[۱۸] برس بعد ہمیں چھوڑتے ہو آہ

بیٹا میں موا جاتا ہوں آواز سُناؤ
برچھی کا کہاں زخم لگا مجھ کو بتاؤ
بچپن میں پھرا ہوں تمہیں کاندھے پہ بٹھا کر
آغوش میں یہ کہہ کے جو اکبرؑ کو اُٹھایا
تب کوٹ کے چھاتی یہ شہِ دیں نے سُنایا
لوٹا مجھے اُمت نے محمدؐ کی "دغا سے

اکبرؑ نے سُنی غش میں جو یہ باپ کی زاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری
کبرا کو سکینہ کو برادر کو نہ دیکھا
یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدرؑ
دادی مری پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر
ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی

قربان میں گر تم ہو تو بولو علی اکبرؑ
آنکھوں سے بصارت بھی گئی وائے مقدر
کاہے کو بتائے گا کوئی لاش پسر کی
یا شاہ کسے ڈھونڈھتے ہو مر گئے اکبر
مُردے کا تفحص ہے عبث یا شہِ صفدر
لاشے پہ جو پہنچو گے تو کیا ہاتھ لگے گا

سید ہوں دُعا دوں گا میں لاشہ ہی دکھا دو
اب یوسفِ گم گشتہ کو بابا سے ملا دو
بیٹا نہ ملے گا تو نکل آئے گی گھر سے
صحرا کو چلا حیدرِ کرار کا جایا
چلائے کہ کیا حال ہے بیٹا پدر آیا
بیٹا پڑے اس خاک پہ دم توڑتے ہو آہ

ہم آئے گلے ملنے کو ہاتھوں کو اُٹھاؤ
گر اُٹھ نہیں سکتے تو مری گود میں آؤ
لے جاؤں گا اب لاش کو چھاتی سے لگا کر
اور زخم کلیجے کا پسر کے نظر آیا
یہ حال ہے فرزند کا فریاد خدایا
کاٹا ہے کلیجے کو مرے تیغِ جفا سے

بیتابیٔ شبیرؑ پہ آنسو ہوئے جاری
جینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا
کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبرؑ
آتی ہے صدا گریۂ محبوبِ خدا کی

یہ کہتے تھے جو درد اُٹھا چھاتی میں ناگہ
اک آہ کی اور گلشن فردوس کی لی راہ
لب تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
اے لال کہاں سے تمہیں اب ڈھونڈ کے لاؤں
پوچھے مجھیں بانو تو میں کیا میں اس کو بتاؤں
ماتم میں ہمیں اپنے رُلایا علی اکبر
خاموش انیسؔ اب کہ ہوئی شدت زاری
رو رو کے دعا مانگ کہ اے ایزد باری
میں واسطہ دیتا ہوں حسینؑ ابن علیؑ کا

آغوش میں بابا کے تڑپنے لگا وہ مہ
چلائے کلیجے کو پکڑ کر شہ ذی جاہ
یہ باپ تو جیتا رہا تم مر گئے بیٹا!
بتلاؤ تو کس منہ سے میں اب خیمے میں جاؤں
مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سناؤں
تم نے مرا لاشا نہ اُٹھایا علی اکبر
خامے کے بھی آنسو ہیں غم شاہ میں جاری
کر رحم کہ مجھ پہ الم و رنج ہے طاری
محتاج نہ کیجو مجھے دنیا میں کسی کا

رُباعی

کس دن مضمون نو کا نقشا اُترا
پُر درد معانی کا نہ چہرا اُترا
ممبر سے ہم اُترے نئے مضموں پڑھ کر
ان کے لئے گویا منّ و سلوا اُترا

رُباعی

کانپا نہ جگر نہ دل نہ چہرا اُترا
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا
ساحل یہ نہ جس کے ٹھہرے یاروں کے قدم
دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

مرثیہ ۱۶
بند ۵۴

ہم صورت محبوبِ خدا تھے علی اکبر
شبیر کی پیری کے عصا تھے علی اکبر
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علی اکبر
اور بانو کی آنکھوں کی ضیا تھے علی اکبر
جلوہ رُخِ پرنور پہ تھا نورِ نبیؐ کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہراؑ و علیؑ کا

محبوبِ دلِ خلق ہے شبیر کا جانی
سب ایک زباں تھے کہ یہ ہے یوسفِ ثانی
جن لوگوں نے دیکھی تھی محمدؐ کی جوانی
کہتے تھے زہے خامۂ قدرت کی روانی
ایسا تو حسیں غرب سے تا شرق نہیں ہے
احمدؐ ہیں اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے

کیا حُسن ہے دیکھو تو رُخِ پاک کی توقیر
نے ماہ میں یہ ضو ہے نہ یہ مہر میں تنویر
نازاں نہ ہو کیونکر قلمِ صانعِ تقدیر
کھینچی ہے محمدؐ سے شہنشاہ کی تصویر
جن و ملک و حور میں افسانہ ہے اس کا
نورِ رُخِ خورشید بھی پروانہ ہے اس کا

اس طرح کا محبوب پسر جس کو خدا دے
کیونکر وہ پدر بیٹے کو مرنے کی رضا دے
کس طرح سے مال و دولتِ اولاد لٹا دے
یہ آگ جو بھڑکے تو کلیجے کو جلا دے
فرزند جواں کوئی بشر کھو نہیں سکتا
یہ صبر بجز ابنِ علیؑ ہو نہیں سکتا

اٹھارہ برس رنج اُٹھا کر جسے پالیں
کس طرح سے داغ اس کی جوانی کا اٹھا لیں
بس ہووے تو آپ اس کے عوض برچھیاں کھالیں
ناچار ہیں کس طرح کلیجے کو سنبھالیں
واں رحم دلِ فوجِ جفا جو میں نہیں ہے
یاں دل کا یہ عالم ہے کہ قابو میں نہیں ہے

فرزند کا منہ دیکھ کے فرماتے ہیں سرورؑ
عباس نہیں مر گئے، ہم مر گئے اکبر
دشمن کو بھی یہ داغ دکھائے نہ مقدر
پہونچا گئے بھائی کو لبِ گور برادر
بابا کے عوض عترتِ حیدر کو سنبھالو
ہم مرنے کو جاتے ہیں تم اب گھر کو سنبھالو

کہتا ہے پسر آپ سے کیونکر نہ جُدا ہوں
حضرت پہ تصدق ہوں سب اور یہ فدا ہوں
مشہور ہوں ہم صورتِ محبوبِ خدا ہوں
رخصت مجھے دیجے کہ شریکِ شہدا ہوں
گھر جانے کو فرمایئے اس دم نہ پسر سے
جب آپ نہ ہوں گھر میں تو کیا کام ہے گھر سے

شہ نے کہا کس طرح کہوں مرنے کو جاؤ
اے لال رضا مرنے کی مادر سے تو لاؤ
پوچھا بھی ہے دونوں سے جو مرنے کو چلے ہو
یہ سن کے گئے خیمے میں روتے ہوئے اکبر
رنگ اُڑ گیا بیتاب ہوئی شاہ کی خواہر
کیا ظلم ہوا ایسا جو یوں روتے ہو بیٹا
اکبر نے کہا روؤں نہ کیونکر غضب آیا
سر دینے کو جاتا ہے ید اللہ کا پیارا
فرماتے ہیں میداں کی اجازت نہ ملے گی
ماں سمجھی کہ میری ہی طرف ہے یہ اشارا
بھیجوں تو مجھے بے اجل اس داغ نے مارا
کیونکر کوئی کوہ غمِ ہجراں کا اُٹھائے
یہ ذکر تھا جو خیمے میں آئے شہِ عالم
شہ نے کہا باقی کوئی مونس ہے نہ ہمدم
ہم شکلِ نبی بعد مرے تھامے گا گھر کو
ہے شادیِ اکبر کا نہایت مجھے ارماں
نوشاہ بنے گا جو مرے بعد یہ ذی شاں
جس وقت قدم مسندِ شاہی پہ دھریں گے
اس لال کی جس وقت دُلھن بیاہ کے لانا
میری بھی طرف سے اُسے چھاتی سے لگانا
جب آن کے وہ گھٹنوں تربت پہ چلے گا
یہ سُن کے جگر ہو گیا اکبر کا دو پارا
رخصت مجھے بابا سے دلا دیجے خدارا
جس طرح ہو اس کام میں کد کیجیے اماں

میں آنکھوں سے دیکھا کروں تم برچھیاں کھاؤ
زینب کو تو راضی کرو آنسو نہ بہاؤ
رخصت تمھیں دے کون کہ نازوں کے پلے ہو
ناموسِ رسولِ عربی ہو گئے مضطر
بانو نے کہا خیر تو ہے اے مرے دلبر
ان آنکھوں کے ماں صدقے ہو کیوں روتے ہو بیٹا
اب اُٹھتا ہے سر پر سے مرے باپ کا سایا
کیں منّتیں پر اذنِ دغا میں نے نہ پایا
بے مرضیٔ مادر تجھے رخصت نہ ملے گی
پردے میں طلب کرتا ہے رخصت مرا پیارا
روکوں تو جُدائی نہیں حضرت کی گوارا
ان دونوں سے پہلے مجھے اللہ اُٹھا لے
بس دوڑ کے قدموں پہ گری بانوئے پُرغم
روکو نہ کہ اب جاتے ہیں مرنے کے لیے ہم
میں چھوڑ چلا ہوں علی اکبر سے پسر کو
جاؤ جو وطن میں تو کرو بیاہ کا ساماں
ہوئیں گے نہ ہم روح مگر ہوئے گی قرباں
اکبر بھی یقیں ہے کہ ہمیں یاد کریں گے
بانو یہ رہے یاد ہمیں بھول نہ جانا
پوتا ہو تو مرقد پہ ہمارے اُسے لانا
ان چھوٹے سے تلووں سے حسین آنکھیں ملے گا
مادر سے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو اشارا
ان باتوں کے سُننے کا مجھے اب نہیں یارا
فرزند کی مشکل میں مدد کیجیے اماں

ماں کانپ گئی بی بیاں رونے لگیں ساری
بانو نے کہا شہ سے یہ لونڈی گئی واری
رخصت انھیں کیوں دیتے نہیں سوچئے کیا ہو
تم رہتے سلامت تو یہ بیاہ ان کا رچاتی
کس چاہ سے چھوٹی سی دلھن بیاہ کے لاتی
وہ کیجے جو ہے قصد مرے راحت جاں کا
اب تو یہ خوشی ہے کہ یہ کام آپ کے آئیں
صاحب کے پسینے پہ لہو اپنا گرائیں
رو رو کے کئی بار مرے پاؤں پڑے تھے
یہ سنتے ہی قدموں پہ گرے اکبرؑ ذی جاہ
بابا یہ ہے دشوار جدائی تری واللہ
عرصہ نہیں کچھ زیست سے گھبراتے ہیں ہم بھی
یہ کہہ کے جو فرزند سے روئے شہ مظلوم
کہنے لگے ہمشکل نبیؐ شہ کے قدم چوم
ماں بولی ہمیں شکل دکھاؤ گے نہ اکبرؑ
گھبرا کے کہا بیٹے کے دامن کو پکڑ کر
بانو سے یہ کہنے لگے رو کر علی اکبرؑ
دانستہ عزیزوں کو بھلاتا نہیں کوئی
شہ روتے رہے بانو بھی کرتی رہی زاری
مقتل کی زمیں حسن سے روشن ہوئی ساری
ثابت ہوا اس کو رخ روشن کی چمک سے
میداں میں یہ غل تھا کہ صدا شاہ کی آئی
ثانی تھا یہ بیٹا تو ہوئی اس سے جدائی
ہم شکل پیمبرؐ سے یہ دلبند ہے میرا

گھبرا کے بھی زینبؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
اکبر نہیں جینے کے جدائی میں تمھاری
کچھ ان کی ہے تقصیر کہ لونڈی سے خفا ہو
اور باندھ کے سہرا انھیں نوشاہ بناتی
واللہ اب اس ذکر سے شق ہوتی ہے چھاتی
جب آپ نہ ہوں کیسی خوشی بیاہ کہاں کا
حضرت کی حفاظت کریں اور برچھیاں کھائیں
تو بخش چکی دودھ بھی سر دینے کو جائیں
یہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھے کھڑے تھے
چھاتی سے لگا بیٹے کو فرمانے لگے شاہ
خیر اب یہی مرضی ہے تو میدان کی لو راہ
تم آگے چلو پیچھے چلے آتے ہیں ہم بھی
خیمے میں جواں بیٹے کی رخصت کی ہوئی دھوم
رکھے گا دم نزع نہ دیدار سے محروم
صدقے گئی کیا گھر میں پھر آؤ گے نہ اکبرؑ
پھر آنے کا وعدہ تو کرو لے مرے دلبر
مہلت جو اجل دے تو پھر آ جاویں گے مادر
واں جانا ہے جس جا سے پھر آتا نہیں کوئی
میدان میں پہونچی علی اکبرؑ کی سواری
اک نور جو چمکا تو متحیر ہوئے ناری
خورشید زمیں پر اتر آیا ہے فلک سے
اب دلبر زہراؑ کا بھتیجا ہے نہ بھائی
یارو مجھے دیتا نہیں آنکھوں سے دکھائی
اٹھارہ برس کا یہی فرزند ہے میرا

اے ظالمو یہ ہے مری پیری کا سہارا
بانو کا بھی پیارا ہے یہ میرا بھی ہے پیارا
قدموں پہ گرو اس کے اگر پاس ادب ہے
ہو صاحب اولاد تو نیزے نہ سنبھالو
بیٹوں کی قسم ہے تمہیں اے برچھیوں والو
بے کس ہے تمہیں اور تو کیا دیوے گا شبیرؑ
یہ ذکر تھا رن میں جو قیامت ہوئی برپا
تلواریں چمکنے لگیں مینھ تیروں کا برسا
غل تھا کہ کبھی ایسی لڑائی نہیں دیکھی
لاکھوں میں عجب شان سے لڑتا تھا وہ صفدر
گھوڑے سے اتر لاشوں میں چھپتے تھے ستمگر
بیٹے کی صدا جس گھڑی سن پاتے تھے شبیرؑ
تا دیر تو سنتے رہے تلواروں کی جھنکار
لشکر میں ستم گاروں کے یہ غل ہوا اک بار
لو سید مظلوم کے دلدار کو مارا
یہ سنتے ہی گھبرا کے گرے خاک پہ شبیرؑ
اٹھے جو سنبھل کر تو یہ کرنے لگے تقریر
یاں لٹ گئے آباد ہم آئے تھے وطن سے
تنہا ہوئے آخر نہ رہا کوئی سہارا
پیری میں کیا جسم کی قوت نے کنارا
مشکل میں مدد باپ کی کرتا علی اکبرؑ
یہ کہتے ہوئے آئے عجب حال سے رن میں
آنکھوں میں بھرے اشک زباں خشک دہن میں
پایا نہ کسی جا پہ جو اس رشک قمر کو

مر جاؤں گا میں جیتے جی گر اس کو بھی مارا
تصویر ہے اس کی جو پیمبرؐ ہے تمہارا
احمدؐ کی نشانی کا مٹانا تو غضب ہے
زخمی مرا دل ہوتا ہے اے برچھیوں والو!
اس داغ سے بابا کے کلیجے کو بچا لو
بچ جائے گا اکبرؑ تو دعا دیوے گا شبیرؑ
ہر سمت سے اکبرؑ پہ کیا فوج نے نرغا
اکبرؑ نے بھی لے نام علی تیغ کو کھینچا
یہ تیغ کی بارش یہ صفائی نہیں دیکھی
دو چار ہی حملوں میں صفیں ہو گئیں ابتر
اک برق گری جس پہ پڑی ضربت اکبرؑ
سجدے کے لئے خاک پہ جھک جاتے تھے شبیرؑ
تکتے تھے پہ اکبرؑ نظر آتا تھا نہ زنہار
برچھی علی اکبرؑ کے کلیجے سے ہوئی پار
مارا اسے کیا احمد مختار کو مارا
واں چھاتی پہ برچھی لگی یاں دل پہ لگا تیر
تقدیر میں تھا داغ پسر واہ ری تقدیر
بیٹے کو اسی واسطے لائے تھے وطن سے
فریاد کہ اکبرؑ کو ستم گاروں نے مارا
تھا جس کا سہارا وہی دنیا سے سدھارا
ہم جیتے کوئی دن جو نہ مرتا علی اکبرؑ
لغزش جو قدم میں تھی تو رعشہ تھا بدن پر
جوں شیر ترائی میں کبھی اور کبھی بن میں
گھبرائے ہوئے ڈھونڈھتے پھرتے تھے پسر کو

اتنے میں یہ پر درد صدا دور سے آئی ؛
اے قبلۂ کونین بڑی دیر لگائی ؛
بیٹے نے انی برچھی کی چھاتی پہ ہے کھائی
مل لیجیے آ کر کہ ہے درپیش جدائی
غش طاری ہے آنکھوں کو بھی کھولا نہیں جاتا
یہ درد ہے سینے میں کہ بولا نہیں جاتا ؛

آوازِ پسر سنتے ہی دوڑے شہ ذی شاں
دیکھا کہ ہے فرزند جواں خون میں غلطاں
لاشے سے لپٹ کر کہا بابا ترے قرباں
کیا حال ہے کھایا ہے کہاں زخم مری جاں
رخ زرد ہے سر تا بہ قدم خوں میں بھرے ہو
مجھ سے تو کہو چھاتی پہ کیوں ہاتھ دھرے ہو

یہ سنتے ہی دم میں علی اکبرؑ کے دم آیا
بابا کی طرف پیار سے ہاتھوں کو بڑھایا
مجروح سناں سینے کو بیٹے کے جو پایا
سر پیٹ کے چلایا کہ فریاد خدایا
دلبند محمدؐ کے جگر بند کو مارا
اٹھارہ برس کے مرے فرزند کو مارا

اکبرؑ نے کہا صبر کرو اے شہ عالم ؛
ہم آپ کی آغوش میں مہماں ہیں کوئی دم
بندے کو تو کچھ مرگ جوانی کا نہیں غم
افسوس کہ حضرت رہے بے مونس و ہمدم
دشمن ہے ہر اک دشمن دیں آپ کی جاں کا
تنہائی ہے اور سامنا دو لاکھ جواں کا

یہ کہتے ہی تیور علی اکبرؑ نے پھرائے
ہمراہ دم سرد کے آنسو نکل آئے
سر پیٹ کے شبیرؑ سخن لب پہ یہ لائے
آغوش سے بابا کی چلے بانو کے جائے
کیا بولتے دنیا سے سفر کر گئے اکبر
سوکھی ہوئی دکھلا کے زباں مر گئے اکبر

اس درد سے روتے تھے پسر کو شہ والا
افلاک کو جنبش تھی زمیں تھی تہ و بالا
لکھا ہے کہ جب مر گیا وہ گیسوؤں والا
تقدیر نے اک بی بی کو خیمے سے نکالا
تھا نور سے چہرے کے گماں بنت نبیؐ کا
رفتار میں انداز تھا رفتار علیؑ کا

تھے بال تو بکھرے ہوئے اور جسم میں رعشا
اشک آنکھوں میں اور صدموں سے فق چاند سا چہرا
چلاتی تھی پکڑے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا
مارا گیا اٹھارہ برس کا مرا بیٹا ؛
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے ماہ لقا کی
میں لٹ گئی اس بن میں دہائی ہے خدا کی

ہے ہے مرے پیارے مرے جانی علی اکبرؑ
ہے ہے مرے نانا کی نشانی علی اکبرؑ
ہے ہے نہ میسر ہوا پانی علی اکبرؑ
برباد ہوئی تیری جوانی علی اکبرؑ
بن بیاہے تم اس دارِ فنا سے گئے واری
پانی نہ ملا خلق سے پیاسے گئے واری

زینبؑ کی صدا سُن کے اٹھے سیدِ ابرار — خیمے میں اسے لے گئے با دیدۂ خوں بار
یہ جائے خموشی ہے انیسؔ جگر افگار — حق سے یہ دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
بر لا مری اُمید کو سرورؑ کا تصدّق — اکبرؑ کا تصدّق، علی اصغرؑ کا تصدّق

سلام

آ گئے جو بزمِ عزا میں رو گئے — مجرئی وہ فردِ عصیاں دھو گئے
یاد آیا دامنِ مادر کا چین — پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے
اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر — سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے
موت آتی ہے مجبّا الفراق — آج وعدے سب برابر ہو گئے
ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات — جان لے کر آئے بے جاں ہو گئے
عالمِ فانی میں کیا تم کو ملا — اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے
راحت آبادِ عدم ہے خوب جا — پھر نہ آئے وہ جہاں سے جو گئے
ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر — دست و پا عابدؑ کے ٹھنڈے ہو گئے
چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق — لعل سی جاں اپنی اصغرؑ کھو گئے
خون گردن سے جو نکلا گرم گرم — بھر کے آہِ سرد ٹھنڈے ہو گئے
آ کے تربت پر پکارے شاہِ دیں — ہائے آج اصغرؑ اکیلے ہو گئے

عالمِ پیری میں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

۱۷ مرثیہ بند ۱۰۴

جس دم شرف اندوز شہادت ہوئے عباسؑ
آقا کے قدم چوم کے رخصت ہوئے عباسؑ
تصویر جو نظروں سے چھپی شیرِ خدا کی
اکبرؑ سے کہا جانِ پدر ہم نہ جئیں گے
پائیں گے نہ اس داغ کا مرہم نہ جئیں گے
بھائی کو نہ بھائی سے جدا کیجیو بیٹا

اس وقت ہے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
زینت مرے لشکر کی مرے گھر کا اجالا
مرتے ہوئے جس وقت مجھے پیار کیا تھا
فرمایا تھا اس میری امانت سے خبردار
ہے ہے مرا شیدا مری راحت کا طلبگار
اب خلق میں ترسیں گے زیارت کو علیؑ کی

یہ قتل ہوئے اور نہ سکینہ کی بجھی پیاس
اس کو یہ توقع تھی کہ اب آتے ہیں عباسؑ
ماتم کا جو حق ہے وہ ادا ہو نہیں سکتا
پانی بھی بہا خوں بھی بہا جسم سے سارا
گھوڑے سے گرا خاک پہ ہے ہے مرا پیارا
اس بھائی پہ قربان نہ ہم ہو گئے ہے ہے

اس نے مرے بچوں کے لیے مشک اٹھائی
افسوس ہے پہلے نہ ہماری اجل آئی
عباسؑ کے مرتے ہی اجل پیشِ نظر ہے

غل تھا کہ نثارِ سرِ حضرت ہوئے عباسؑ
جعفر کی طرح داخلِ جنت ہوئے عباسؑ
صدمے سے کمر جھک گئی شاہِ شہدا کی
جینے نہیں دیوے گا یہ غم ہم نہ جئیں گے
بے دم ہوئے عباسؑ اب اک دم نہ جئیں گے
میری بھی یہیں قبر بنا دیجیو بیٹا :

اس طرح کا ملتا ہے کوئی چاہنے والا
بھائی بھی وہ بھائی جسے آغوش میں پالا
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیا تھا.
اے لعل کسے ملتا ہے ایسا دُرِ شہوار
دنیا سے گیا ہائے علمدارِ خوش اطوار
ہم ہاتھوں سے کھو بیٹھے امانت کو علیؑ کی

ڈیوڑھی پہ کھڑی نہر کو تکتی ہے بصد یاس
سُن پایا تو مر جائے گی وہ بیکس و بے آس
عباسؑ کو چلّا کے بھی میں رو نہیں سکتا
جب کٹ گئے بازو ہمیں اس وقت پکارا
نیزہ مری چھاتی پہ نہ جلّاد نے مارا
پہلے مرے بازو نہ قلم ہو گئے ہے ہے

دریا پہ لٹے حیدرِ صفدر کی کمائی :
ہم جیتے ہیں اور قتل ہوا شیر سا بھائی
بابا کو سنبھالو کہ ہمارا بھی سفر ہے :

بچپن سے کبھی منھ مری خدمت سے نہ موڑا
اس عالم پیری میں کمر کو مری توڑا
کھیتی ہوئی پامال لٹا باغ علی کا
عاشق تھے برادر کا علم دیکھ نہ سکتے
تیغوں سے مرے ہاتھ قلم دیکھ نہ سکتے
کچھ رنج نہ تقدیر برادر میں لکھا تھا

کیا کیا نہ مرے امر میں کی شمر سے تقریر
سو بیٹے نثار قدم حضرت شبیرؑ
سالک نے بھی چھوڑا ہے کہیں راہ خدا کو
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قمری کو بجز سرو چمن کون ہے پیارا
سر تن سے جدا ہو یہ یہ جانا نہ جدا ہو

کعبے کو کوئی چھوڑ کے جاتا ہے سوئے دیر
دوزخ میں جلے کوئی کہ جنت کی کرے سیر
کون اور مرا خلق میں بھائی سے سوا ہے
اے شمر امام ازلی ہے مرا آقا
سیدؐ ہے ولی ابن ولی ہے مرا آقا
منھ قبلۂ ایماں سے بھی موڑا ہے کسی نے

فرزند محمدؐ ہے مرا مالک و مختار
کہہ دیں تو ابھی کو دپڑوں آگ میں اک بار
رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو ان کا
عباس سا دل سوز میں پاؤں گا کہاں ہائے
بے دست ہوا حیدرؑ صفدر کا نشاں ہائے
اس زیست سے آجائے اجل کاش ہماری

قدموں پہ جھکے گاہ کبھی ہاتھوں کو جوڑا
بتیس برس بعد ہمیں بھائی نے چھوڑا
تازہ ہوا پھر آج ہمیں آج علیؑ کا
جو دیکھتے ہیں ہم وہ ستم دیکھ نہ سکتے
وہ ہم کو تہ تیغ دو دم دیکھ نہ سکتے
یہ داغ ہمارے ہی مقدر میں لکھا تھا

کس غصے سے کہتے تھے کہ او ظالم بے پیر
کیا مال ہے سالاری و سرداری و جاگیر
قبلے سے پھر آتا ہے رخ قبلہ نما کو
بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا
گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اتارا
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

ہوں قتل تو ہو جائے مرا خاتمہ بالخیر
منصف ہو عزیز اپنے کہاں اور کہاں غیر
یا حضرت شبیر ہیں یا شیر خدا ہے
لخت دل زہراؑ و علی ہے مرا آقا
شمع حرم لم یزلی ہے مرا آقا
آقا کو برے وقت میں چھوڑا ہے کسی نے

فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں ہوا
گر حکم وغا دوں تو کروں لاکھوں سے پیکار
بندہ ہوں تو ان کا جو برادر ہوں تو ان کا
یوں مجھ سے چھٹا ہائے مرا مرتبہ دال ہائے
سوتا ہے ترائی میں مرا شیر جواں ہائے
عباسؑ کے پہلو میں رہے لاش ہماری

یہ کہہ کے تڑپتے تھے ادھر سیدِ ابرار
تھا شور کہ دریا پہ ہوا قتل علمدار
اب وہ نہیں جس سے ہمیں اندیشۂ جاں تھا
اس سرو سے تھی رونق گلزار شجاعت
دکھلا گیا وہ شیر جو تھے کارِ شجاعت
سب یوں تو بہادر ہیں پہ یہ طور نہیں ہے

اب دیر ہے کیا گھیر کے شبیرؑ کو مارو
جو بھاگے ہیں عباسؑ سے اُن کو بھی پکارو
عباسؑ کو مارا انھیں بے سر نہیں کرتے
فرزند محمدؐ کا گلا کاٹنے جاؤ!
ہاں قبر میں خاتونِ قیامت کو رُلاؤ
بے یار و مددگار شہنشاہِ اُمم ہیں!

بہتر نہیں یہ لاف و گزاف اے سپہ شام
پوتا ہوں علیؑ کا علی اکبرؑ ہے مرا نام
اکبرؑ سا ابھی صاحبِ شمشیر ہے باقی
گھبرا کے لگے دیکھنے مُنھ بیٹے کا شبیرؑ
بہتر ہے مناسب ہے مرے قتل کی تدبیر
اک بھائی مَرے ایک جِئے سخت اَلم ہے

مظلوم کے فرزند ہو غصے میں نہ آؤ
یہ مشک و علم لے کے تم اب خیمے میں جاؤ
تیغوں سے نہ بابا کو بچانے کو اب آنا
اکبرؑ تمہیں دُنیا میں رکھے خالق اکبر
زینبؑ نہیں خیمے سے نکلنے کی کھلے سر
جب شیر سے آؤگے تو ہٹ جائیں گے اعدا

اور واں دہل فتح بجاتے تھے ستم گار
فرزند ید اللہ کے بازو ہوئے بے کار
بس فوجِ حسینی میں یہی ایک جواں تھا
چہرے سے عیاں ہوتے تھے آثارِ شجاعت
اب سرد ہوئی گرمیٔ بازارِ شجاعت
ویسا تو اولو العزم کوئی اور نہیں ہے

ہاں ابنِ ید اللہ کا سر تن سے اُتارو
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے یارو
سب کھینچ کے تیغیں یہ مُہم سر نہیں کرتے
شمعِ لحدِ شیرِ الٰہی کو بجھاؤ!
روکے گا کوئی تم کو یہ خاطر میں نہ لاؤ
ہم شکلِ پیمبرؐ نے پکارا ابھی ہم ہیں

کٹ جاؤگے جس وقت چلے گی مری صمصام
تنہا نہیں مخدومۂ عالم کا گل اندام
اک شیر ہوا قتل تو اک شیر ہے باقی
فرمایا کہ کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں بے پیر
رکھ دے گا حسینؑ اپنا گلا خود تہِ شمشیر
عباسؑ کے ماتم میں کسے جان کا غم ہے

بابا کے لئے آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
گھر لُٹنے نہ دو چادرِ زینبؑ کو بچاؤ
آنا تو مری لاش اُٹھانے کو اب آنا
تم ہوگے تو بچ جائے گا لُٹنے سے مرا گھر
غربت میں ہمیں غسل و کفن ہوگا میسر
گھوڑے نہ مری لاش پہ دوڑائیں گے اعدا

تھرا گئے سُن کر یہ سُخن اکبرؑ ذی جاہ
میں آپ پہ دیکھوں ستم لشکر گمراہ
حضرت کو قسم دیتا ہوں محبوب خدا کی
کس طرح غلام آپ کو یاں چھوڑ کے جائے
کٹوا کے گلا آپ زمانے سے گزر جائے
بے سر دیئے ممکن ہے کہ قدموں سے جدا ہوں
رخصت کا جو اکبرؑ نے سخن منہ سے نکالا
فق ہو گئے گویا کہ لگا قلب پہ بھالا
حالت ہوئی تغیر شہنشاہ زمن کی :
فرمایا تڑپ کر کہ یہ کیا کہتے ہو پیارے
جن سے مجھے قوت تھی وہ دنیا سے سدھارے
فرزند جواں باپ کی قوت کا سبب ہے
تصویر ید اللہ کو ان ہاتھوں سے کھویا
وہ قتل ہوا کیا ہمیں اب مر گئے گویا
اب خالی ہے تصویر پیمبرؐ مرے گھر سے
امت پہ فدا کر چکے شبرؑ کے پسر کو
اب بھائی کو روؤں کہ برابر کے پسر کو
مقتل میں مرے قتل کی باری نہیں آتی
حضرت کا سخن سن کے دل اکبر کا بھر آیا
آداب سے سر پائے مبارک پہ جھکایا
خیمے کی طرف فوج ستم جاتی ہے بابا
ایسا نہ ہو خیمے میں دھنسے لشکر ناری
عموؑ کی تو داخل ہوئی جنت میں سواری
ایسے نہیں بچھڑے ہیں کہ پھر آن ملیں گے

کی عرض یہ بندے سے نہ فرمائیے یا شاہ !
اس دن کو زمانے میں نہ رکھے مجھے اللہ
اب مجھ کو رضا دیجئے میدان وغا کی
بچپن سے جو قدموں سے نہ چھوٹا وہ کدھر جائے
اٹھارہ برس تک جسے پالا ہے وہ مر جائے
غیر آپ پہ قربان ہوں اور ہم نہ فدا ہوں
صدمے سے ہوا شہ کا کلیجہ تہ و بالا
ہاتھوں سے کمر چھوڑ دی اور دل کو سنبھالا
کی آہ اک ایسی کہ زمیں ہل گئی رن کی ۔
کیا تم بھی نہیں رہنے کے اب پاس ہمارے
بتلاؤ یہ مظلوم جئے کس کے سہارے
پیری کا عصا ہاتھ سے چھوٹا تو غضب ہے
جاگا ہوا راتوں کا اب آرام سے کھویا
جی بھر کے ابھی بھائی کو اپنے نہیں رویا
بھائی سے جدا ہو کے بچھڑتا ہوں پسر سے
گھیرے ہے اجل بانوئے بے پر کے پسر کو
سب چھوڑ چلے جاتے ہیں حیدرؑ کے پسر کو
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی
خوناب جگر نرگسی آنکھوں سے بہایا
کی عرض کہ حق سر پہ رکھے آپ کا سایا
رونے کی سکینہؑ کے صدا آتی ہے بابا
ناموس کی عزت کو رکھے ایزد باری
اب تا بہ کجا لاش پہ یہ گریہ و زاری
محشر کے سوا اب نہ چچا جان ملیں گے

سنتا ہوں کہ خیمے میں غش آیا ہے پھوپی کو
دکھلائے خدا داغ نہ وارث کا کسی کو
عمو ہی کا دم غش میں بھی بھرتی ہے سکینہ
آگے ہوئے اکبرؑ علم و مشک کو لے کر

مڑ مڑ کے سوئے لاش یہ چلاتے تھے اکبرؑ
ہم چاک گریباں کئے جاتے ہیں بھائی
تنہا ہمیں تمہیں چھوڑ کے خیمے میں نہ جاتا
خنجر سے گلا ہیں بھی نہیں اپنا کٹاتا

کم حشر کے دن سے یہ تلاطم نہیں بھائی
بتلاؤ سکینہ تمہیں پوچھے تو کہوں کیا
خیمے میں جو ہے چاند سا فرزند تمہارا
تم نہر سے کوثر کے کنارے گئے عباسؑ

ناگاہ صدا حیدرؑ صفدر کی یہ آئی
مخدومہ عالم نے یہ آواز سنائی
سایہ تن بے دست پہ چادر کا کئے ہوں
تم جاؤ کہ زینبؑ نہ کھلے سر نکل آئے

عباسؑ کے فرزند کو چھاتی سے لگائے
اس سن میں وہ لوٹی گئی غم کھاتی ہوں میں بھی
مادر کی صدا سن کے چلے خیمے کو سرور
غل پڑ گیا لو مشک و علم لاتے ہیں اکبرؑ

فضہ نے کہا ہاں وہ خوش اطوار نہیں ہے
زینبؑ نے کہا دیکھ تو ہے بھائی کا کیا حال
صدمے سے کمر خم ہے اور آنکھوں پہ ہے رومال
گرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا شہ دیں سے

اب چل کے وہیں روئیں گے عباس علیؑ کو
عباسؑ کا پرسا ابھی دینا ہے چچی کو
اب دیکھئے بچتی ہے کہ مرتی ہے سکینہ
اور بکڑے کمر پیچھے چلے سبط پیمبرؐ

اللہ کو سونپا ترے لاشے کو برادر
اکبرؑ ہمیں خیمے میں لئے جاتے ہیں بھائی
شرمندہ ہوں بھاوج کو منھ اپنا نہ دکھاتا
روتی ہے سکینہؑ مجھے کچھ بن نہیں آتا

خیمے میں علم جاتا ہے اور تم نہیں بھائی
سمجھاؤں میں کس بی بی کو دوں کس کو دلاسا
کیا اس سے کہوں جب کہے کیا ہو گئے بابا
میں کہہ نہیں سکنے کا کہ مارے گئے عباسؑ

میں پاس ہوں بیٹا نہیں تنہا ترا بھائی
موجود ہے یاں احمدؐ مختار کی جائی
میں لاشۂ عباسؑ کو گودی میں لئے ہوں
مارا گیا بھائی صف ماتم کو بچھائے

بیوہ ہوئی بھاوج اسے رنڈسالہ بٹھائے
پرسا اسے دینے کے لئے آتی ہوں میں بھی
یاں جمع تھے ڈیوڑھی پہ حرم کھولے ہوئے سر
زینبؑ نے کہا کیا نہیں عباسؑ دلاور

سردار تو آتا ہے علمدار نہیں ہے
وہ بولی کہ ہے خاک بسر فاطمہؑ کا لعل
چلاتے ہیں عباسؑ علمدار خوش اقبال
اکبرؑ جو اٹھاتے ہیں تو اٹھتے ہیں زمیں سے

فضہ سے یہ سنتا تھا کہ بس پڑ گیا ماتم
عباسِ علمدار کی زوجہ میں نہ تھا دم
وہ کہتی تھی وارث مرا کام آیا ہے لوگو!
روتے ہوئے اتنے میں امامِ اُمم آئے
زینب سے کہا لو بہن اسبابِ غم آئے
پہونچا لبِ کوثر تو علمدار ہمارا!
گاڑا جو علم صحن میں غم چھا گیا سب پر
دامانِ علم خونِ علمدار سے تھا تر
سر پیٹ کے ہاتھوں سے بلکتی تھی سکینہ
صدمہ تھا عجب بی بیوں کی جانِ حزیں پر
جب خون پھریرے سے ٹپکتا تھا زمیں پر
پھاڑا تھا گریباں جو شہنشاہِ اُمم نے
ہلتا تھا ہوا سے کبھی دامن کبھی پرچم
چلاتی تھی یوں زوجۂ عباسؑ بصد غم
صورت بھی سکینہ کو دکھاتے نہیں صاحب
کیا خوش تھے کہ ہاتھ آئے علمداری سرور
صاحب مرے آقا پہ تصدق ہے مرا سر
ہے ہے شہِ والا کی کمر توڑ گئے تم!
گھبرا گیا غل سُن کے یہ عباسؑ کا دلبر
گردن میں تو تھیں ہنسلیاں اور کانوں میں گوہر
کہتا تھا کدھر مجھ سے نہاں ہیں مرے بابا
کہتی ہیں پھوپی کس کو کہ ہے ہے مرے بھائی
بیکس ہے کوئی لاش ہے جس کی نہیں آئی
بیتاب ہے دل سینے میں گھبراتے ہیں اماں

سر پیٹتی خیمے میں گئی زینبؑ پُر غم
سب بی بیاں حلقے میں لیے تھیں اسے باہم
میں سمجھی رنڈاپے کا پیام آیا ہے لوگو!
پیچھے علی اکبرؑ لیے مشک و علم آئے
لشکر کی جو رونق تھی اُسے کھو کے ہم آئے
دُنیا میں نہیں کوئی بھی غم خوار ہمارا
سب بی بیوں نے زیرِ علم کھول دیئے سر
اک شور پڑا ہائے علمدارِ دلاور
تیروں سے چھدی مشک کو تکتی تھی سکینہؑ
چھائی تھی اداسی علمِ سرورِ دیں پر
گرتا تھا فلکِ غم کا شہِ عرش نشیں پر
ماتم کے لیے ہاتھ نکالا تھا عَلم نے
عباسؑ کی بو اس سے چلی آتی تھی پیہم
ہے ہے مرے والی مرے مونس مرے ہمدم
گھر میں علم آیا ہے تم آتے نہیں صاحب
کہتی تھی یہ آنکھوں سے پھریرے کو لگا کر
بھائی نے مجھے آج کیا ثانیِ جعفر
جنت میں سدھارے یہ علم چھوڑ گئے تم
رُخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینے میں تھرتھر
اس بھیڑ میں بابا کو لگا ڈھونڈھنے آ کر
اماں کسے روتی ہیں کہاں ہیں مرے بابا
حضرت تو سلامت ہیں ہوئی کس سے جدائی
دریا پہ تو بابا نے بڑی دیر لگائی
بابا کی خبر لینے کو ہم جاتے ہیں اماں

تنہا پہ ہزاروں کی چڑھائی نہ ہوئی ہو
بربادی داللہ کی کمائی نہ ہوئی ہو
کیوں لاکے علم صحن میں گاڑا ہے چچا نے
ماں بولی کہ تم کس لئے گھبراتے ہو واری
وہ کہتا تھا کیونکر نہ کریں گریہ وزاری
تنہا کبھی گھر میں شہ والا نہیں آئے
کاندھے پہ جسے رکھ کے گئے تھے مرے بابا
بو آتی ہے بابا کی تڑپتا ہے کلیجا
گر اُن پہ نہیں تیر چلے فوج عدو سے
یہ سنتے ہی سب بی بیوں نے شور مچایا
اور پھاڑ کے کرتے کا گریباں یہ سنایا
بیٹو کہ علمدار سفر کر گیا بیٹا!
سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ معصوم پکارا
اب آس رکھیں کس کی رہا کون ہمارا
اب بیکسی و غم کی گھٹا چھا گئی ہم پر
بے جاں مرے بابا ہوئے وا حسرتا و دردا
ہم ہیں بے پدر کیا ہوئے وا حسرتا و دردا
رونے کو نہ ہوگا تن صد پاش پہ کوئی
عمو تو مرے باپ کا لاشہ بھی نہ لائے
دریا کی ترائی کی کوئی راہ بتائے
تربت میں ابھی تو نہ گڑے ہوویں گے بابا
معصوم کے اس بین سے برپا ہوا کہرام
اب صبر کرو صبر یہ ہے صبر کا ہنگام
پرسا مرا دے کر سر شہ ابرار کو رونا

دریا پہ کہیں اُن سے لڑائی نہ ہوئی ہو
بابا کے سر و تن میں جدائی نہ ہوئی ہو
کیوں اپنے گریبان کو پھاڑا ہے کسی نے
عباسؑ کی میداں سے اب آئے گی سواری
اب تن سے نکل جانے کو ہے جان ہماری
یہ کیا کہ علم آیا ہے بابا نہیں آئے
اماں یہ وہی ہے علم سید والا
تبلاؤ تو یہ مشک سکینہ کی نہیں ہے
یہ بنر علم سرخ ہوا کس کے لہو سے
زینبؑ نے اسے زیر علم لاکے بٹھایا
عریاں کر دسر کو کہ اٹھا باپ کا سایا
ماں رانڈ ہوئی باپ ترا مر گیا بیٹا!
فرمایا ہے اعدا نے مرے باپ کو مارا
جو پالنے والا تھا وہ دنیا سے سدھارا
بچپن میں یتیمی میں بلا آ گئی ہم پر
بن بھائی کے آقا ہوئے وا حسرتا و دردا
ہم بیکس و تنہا ہوئے وا حسرتا و دردا
چل کر ہمیں قربان کرے لاش پہ کوئی
وہ چاند سی تصویر ہمیں کوئی دکھائے
لاشے پہ پدر کے یہ پسر رونے کو جائے
جلتی ہوئی ریتی پہ پڑے ہوویں گے بابا
یوں کہنے لگے بی بیوں سے اکبر گلفام
در پیش ہمیں بھی ہے شہادت کا سرانجام
اب ساتھ ہمیں اور علمدار کو رونا

گھبرا کے یہ بانوئے دل افگار پکاری
اکبرؑ نے کہا جان نہیں باپ سے پیاری
روکو گی اگر ہم کو تو لُٹ جاؤ گی اماں
ہے سبطِ پیمبرؐ پہ عجب صدمۂ جانکاہ
منت سے کرو عرض کہ اے ابنِ یداللہ
یاں صبح سے خاتونِ جناں روتی ہے اماں

بانو نے کہا مجھ کو نہ سمجھاؤ بلا لوں
کھوؤں اُسے اٹھارہ برس تک جسے پالوں
ٹھہرو کہ دم اکھڑا ہوا سینے میں ٹھہر جائے
ممکن ہے کوئی دولتِ اولاد کو کھوئے
اکبرؑ نے کہا حشر بپا خیمے میں ہوئے
پر دل میں جو ٹھانی ہے وہ کر جائیں گے ہم بھی

روکا جو ہمیں سیدِ اکرم کو بھی روکو
لختِ دلِ مخدومۂ عالم کو بھی روکو
یہ کہہ کے گرا قدموں پہ ہم شکلِ پیمبرؐ
خوش ہو کے چلا خیمے سے بانو کا وہ دلدار
اعدا سے کہا جا کے کہ اے فرقۂ اشرار
جوہر جو ہیں اُن میں وہ زمانے پہ عیاں ہیں

آفاق میں ہوتے نہ اگر پنجتنِ پاک
کس شخص کے نانا کا لقب ہے شہِ لولاک
اللہ و محمدؐ کے جو پیارے ہیں تو یہ ہیں
سب خلق پہ احسان ہیں شہِ عرش نشیں کے
تلوار سے پر کاٹے ہیں جبریلِ امیں کے
بچپن سے ہیں اللہ کی سرکار کے مالک

اماں نہیں جینے کی یہ کیا کہتے ہو واری
اب قطع کریں آپ محبت کو ہماری
زہراؑ کے جگر بند سے چھٹ جاؤ گی اماں
خود لے کے چلو مجھ کو حضورِ شہِ ذی جاہ
بھیجو علی اکبرؑ کو میانِ صفِ جنگاہ
اولاد اسی دن کے لئے ہوتی ہے اماں

کیونکر تری رخصت کا سخن منہ سے نکالوں
میں دل کو سنبھالوں کہ کلیجے کو سنبھالوں
ایسی نہ کرو بات کہ مادر ابھی مر جائے
ماں جیتی رہے اور پسر قبر میں سوئے
تم روؤ نہ بیٹے کے لئے فاطمہ روئے
بابا نہیں جینے کے تو مر جائیں گے ہم بھی

زاری نہ کرو دیدۂ پُرنم کو بھی روکو
بابا کو اگر روک سکو ہم کو بھی روکو
مادر نے کہا خیر! سدھارو علی اکبرؑ
سب رہ گئے روتے حرمِ سیدِ ابرار
بابا مرے شبیرؑ ہیں کونین کے مختار
تیغ ان پہ نہ کھینچو کہ یہ خود سیفِ زباں ہیں

فرماتا ہے خالق، نہ زمیں ہوتی نہ افلاک
جب نورِ خدا اٹھ گیا پھر کیا ہے بجز خاک
بالائے زمیں عرش کے تارے ہیں تو یہ ہیں
ماحی ہیں یہی کفر کے بانی یہی دیں کے
چاہیں تو الٹ دیں ابھی طبقوں کو زمیں کے
کونین کے مختار ہیں تلوار کے مالک

وہ کون تھا شمشیر جسے عرش سے آئی
کفار کے لشکر پہ ظفر کس نے ہے پائی
سر کس سے ہوئی خیبر و خندق کی لڑائی
کس شخص نے ہے کفر کی بنیاد مٹائی
رائج ہوا دیں کس شہ ذی جاہ کے گھر سے
بُت کس نے نکلوا دیئے اللہ کے گھر سے

اصنام پرستی کو زبوں کر دیا کس نے
سر لات و عزیٰ کا نگوں کر دیا کس نے
اسلام کے رتبے کو فزوں کر دیا کس نے
شیروں کا جگر خوف سے خوں کر دیا کس نے
باطل کے سوا حق کا کہو نام کہاں تھا
یہ دین یہ آئین یہ اسلام کہاں تھا

یہ فیض اسی گھر سے ہوا خلق پہ جاری
لازم ہے عداوت تمہیں یا شکر گزاری
نازل نہ کہیں ہو غضب ایزد باری
چلتی ہے تو رُکتی نہیں تلوار ہماری
ہم وہ ہیں کہ تنہا ہی ہزاروں سے لڑے ہیں
یہ صبر کے جوہر ہیں کہ خاموش کھڑے ہیں

سُن کر یہ سُخن کہنے لگے ظلم کے بانی
مشہور ہے تم لوگوں کی اعجاز بیانی
بابا کے لئے کھوتے ہو کیوں اپنی جوانی
تم پی لو، پہ ہم دیں گے نہ شبیرؑ کو پانی
پانی نہ تمہیں دیں تو بڑی بے ادبی ہو
آتا ہے ہمیں رحم کہ ہم شکل نبیؐ ہو

اعدا سے یہ سُن کر وہ دلاور ہوا برہم
فرمایا کدھر دھیان ہے اے فرقۂ ظالم
بابا کو تو پانی نہ ملے اور پئیں ہم
اکبرؑ کی جوانی ہے نثار شہ عالم
حضرت سے کبھی جان کو پیارا نہ کروں گا
جینے کے لئے ننگ گوارا نہ کروں گا

لو میان سے لیتا ہوں میں تلوار خبردار
اب گرتی ہے یہ برق شرربار خبردار
عرصہ نہیں چلتا ہے مرا وار خبردار
آیا میں، خبردار، خبردار، خبردار!
ان بازوؤں میں زور ہے خیبر شکنی کا
روکے مجھے دعویٰ ہو جسے تیغ زنی کا

لشکر کی صفیں آکے نقیبوں نے جمائیں
دریائے بلاخیز کی موجیں نظر آئیں
اس طرح نہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں
تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں
کثرت کے سبب سائے کو جا گہہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں چیں بہ جبیں تھی

یہ نازیوں سے گرم ہوا قتل کا میداں
ملبوس بدن پھینک کے تیغیں ہوئیں عریاں
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجر براں
اور صورت اژدر تھیں سنانیں شرر افشاں
اُٹھا تھا دھواں یہ کہ سیہ رنگ علم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

اطباقِ فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے
خاروں کو جو کاوش تھی ید اللہ کے گل سے

ہر صف سے چلے تیرِ ستم تشنہ دہاں پر
بڑھ بڑھ کے ستم گاروں نے بھالوں کو سنبھالا
تلوار کو اکبرؑ نے کمر سے جو نکالا
غصے میں جو ابنِ خلفِ شاہِ نجف تھا
لشکر میں در آئے علی اکبرؑ صفتِ شیر
بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
چیدہ جو بہادر تھے وہ بے جاں ہوئے دم میں
یوں تیغ نے سرناریوں کے تن سے اُتارے
تلوار تھی یا برق کے انداز تھے سارے
قبضے میں اسی صاحبِ جوہر کے قضا تھی
ایک ایک قدم سر پہ سر اور لاش پہ تھی لاش
ٹھیرے نہ قدم اُن کے جو تھے برسرِ پرخاش
بجلی کی تڑپ فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
حلقے میں اگر ل کے کمانداروں نے گھیرا
فرمایا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
مُہلت نہ کسی کو ملی اُس برقِ اجل سے
بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا
سر کٹ کے گرا جس کا اُسے ٹاپ سے توڑا
اڑتا ہوا یوں فوج کے انبوہ سے نکلا
یہ صف ہوئی پامال تو اس صف میں در آیا
یاں سے جو گیا واں تو ادھر سے ادھر آیا
اُڑنے میں مہک گُل کی تنِ صاف سے آئی

تھراتا تھا دل رعد کا آوازِ دُہل سے
برگشتہ تھے ہم شکل شہنشاہِ رُسل سے
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر
اور قبضے پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
دہشت سے ہوا عالمِ بالا تہ و بالا
العظمۃ للہ کا غُل چار طرف تھا:
بجلی سی چلی شام کے بادل پہ جو شمشیر
لاشوں کے چپ و راس نظر آنے لگے ڈھیر
دس بیس صفیں بجھ گئیں میدانِ ستم میں
جس طرح اُڑیں شعلۂ آتش کے شرارے
اک ضرب سے مرتا تھا تو دس خوف کے مارے
آئی وہ ادھر کو تو اُدھر جان ہوا تھی
ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش
مُند جاتی تھیں آنکھیں جو جاتی تھی تلوار
رُخ واں سے جگر گوشۂ سرور نے نہ پھیرا
مقتل میں ہوا ابر کی ڈھالوں سے اندھیرا
ہر شان کماں قطع ہوئی تیغ کے پھل سے
تھا سایۂ زلفِ علی اکبرؑ اُسے کوڑا
ماتھے پہ لگے تیر، پہ مُنھ اُس نے نہ موڑا
معلوم ہوا کبکِ دری کوہ سے نکلا:
طائرِ خیال اُس سے نہ سرعت میں آیا
نظروں سے چھپا گاہ تو گاہے نظر آیا
ہر غول میں غُل تھا کہ پری قاف سے آئی

کیا عزم تھا اللہ رے جری واہ ری ہمت
پہونچا وہیں وہ شیرِ نیستانِ شجاعت
اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
اُس صف سے کمانداروں پہ آیا جو پلٹ کر
صفدر نے کیا وار جو گھوڑے کو ڈپٹ کر
کچھ ہو نہ سکا جنگ میں ناوک فگنوں سے

ہر سو صفتِ برق اُچھل جاتی تھی تلوار
جل جاتا تھا جس غول پہ چل جاتی تھی تلوار
دل فوج کا جلتے ہوئے صحرا سے کم نہ تھا
اُس تیغ سے جو چار ہوا تھا وہ دوبارا
غل تھا کہ سوا بھاگنے کے اب نہیں چارا
عالم کے ڈبو دینے کا سامان کیا ہے

اکبرؑ جو صفِ جنگ میں بڑھ بڑھ کے لڑے تھے
رعب اُن پہ یہ چھایا تھا بہادر جو بڑے تھے
بازارِ سلاحِ حربی رن کی زمیں تھی ؛
دہشت سے نگوں تھے علم لشکرِ بے پیر
مُنھ موڑ کے عاری ہوئی ہر شام کی شمشیر
تیغیں کہیں ہنگامِ زدوکشت نہاں تھیں

پہونچی جو چمک کر کسی ظالم کی سپر تک
اللہ ری صفائی نہ ہوئی اُس کو خبر تک
کاٹی کمر اس طرح سے دو کر کے زرہ کو
صف برچھیوں والوں کی لبِ نہر کھڑی تھی
سر کھولے ہوئے ڈیوڑھی پہ ماں غش میں پڑی تھی
یہ دردِ جگر تھا کہ نہ اُٹھ سکتے تھے شبیرؑ

لڑنے میں نظر آئی جدھر تیروں کی کثرت
تلوار میں تھی برقِ جہاں سوز کی خصلت
معلوم ہوا آگ نیستاں میں لگا دی ؛
چلّوں کو جفا کیش لگے کھینچنے ہٹ کر
نیزوں کی طرح تیر قلم بن گئے کٹ کر
قبضوں سے کمانیں تھیں جدا ہاتھ تنوں سے

گہ سر پہ کبھی زیرِ بغل جاتی تھی تلوار
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتی تھی تلوار
میدانِ ستم آگ کے دریا سے کم نہ تھا
اور بچ گیا جو اس کو ملی عمرِ دوبارا
صحرا میں چلو چھوڑ کے دریا کا کنارا
آبِ دمِ شمشیر نے طوفان کیا ہے

جانوں کو چھپائے ہوئے وہ دور کھڑے تھے
زندہ تھے مگر فوج کے مُردوں میں پڑے تھے
نیزہ کہیں، خنجر کہیں، تلوار کہیں تھی
تھا ہاتھ میں نیزوں کے بھی رعشہ صفتِ پیر
گوشوں میں کہیں نیزے تھے ترکش میں کہیں تیر
ڈھالیں بھی سواروں کی پسِ پشت نہاں تھیں

بجلی سی سپر سے وہ گئی کاسۂ سر تک
یہ سر سے گئی سینے پہ سینے سے کمر تک
جس طرح کوئی کھول دے ناخن سے گرہ کو
چلتی تھی اِدھر تیغ اُدھر آنکھ لڑی تھی
فریاد کا تھا شور قیامت کی گھڑی تھی
دل تھامے ہوئے رن کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

چلاتی تھی زینبؑ کہ مرا لعل کدھر ہے
دو روز کے فاقے سے ہے اور تشنہ جگر ہے
بچے پہ مرے لشکرِ کیں ٹوٹ پڑے گا

نکلا ہے دمِ صبح سے دن ڈھل گیا ہے
مظلوم پہ کیا وار کوئی چل گیا ہے
بکھرائے ہوئے بال چلی جاؤں گی رن میں

زینبؑ کی صدا سُن کے اُٹھی بانوئے ناشاد
چلتے ہیں مرے لعل پہ کیا نیزہ بیداد
کیوں خاک پہ زینبؑ نے ردا پھینکی ہے سر سے

وہ غم سے جو مضطر ہیں تو گھبرائی ہوں میں بھی
وہ درد رسیدہ ہیں تو دُکھ پائی ہوں میں بھی
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہی لے کے ٹلے ہیں

دیکھا یہ تلاطم تو پکارے شہ والا
ہم نے بھی تو ہے اپنے کلیجے کو سنبھالا
میداں میں سواروں سے تو لڑ بھڑ کے پھرے ہیں

اتنے میں بجا طبل، پکارے ستم آرا
یہ سُنتے ہی شہ کو نہ رہا ضبط کا یارا
دوڑے پہ نہ میدان نہ ڈیرا نظر آیا

سیماب سا سینے میں تڑپنے جو لگا دل
تھک کر کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے شہ عادل
تھراتے ہوئے زخمیوں کی چال سے پہونچے

دو بی بیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
چلاتی تھی سر پیٹ کے ہاتھوں سے برابر
اِک چاک گریباں تو اک خاک بسر تھی

لوگو علی اکبرؑ کی کسی کو بھی خبر ہے؟
اعدا میں کہیں گھر نہ گیا ہو مجھے ڈر ہے
اس دھوپ میں کب تک وہ ہزاروں سے لڑے گا

وقت اس کے تو آرام کا بھی ٹل گیا ہے
اب کھینچتی ہوں آہ جگر جل گیا ہے
میں اس کے عوض تیر و سناں کھاؤں گی رن میں

چلائی ارے بی بو کیسی ہے یہ فریاد
گھر کس کا لٹا کس کی کمائی ہوئی برباد
میں ساتھ چلوں گی جو نکلتی ہیں وہ گھر سے

اکبر کی وہ عاشق ہیں تو شیدائی ہوں میں بھی
فرزند تو ان کا ہے مگر دائی ہوں میں بھی
چھاتی پہ مری سوئے ہیں گودی میں پلے ہیں

بانو ابھی لڑتا ہے ترا گیسوؤں والا
آزردہ وہ ہوگا جو قدم گھر سے نکالا
سُنتا ہوں کہ اب برچھیوں والوں میں گھرے ہیں

لو احمدِ مختار کے ہم شکل کو مارا
سر پیٹ کے چلائے کہ ہے ہے مرا پیارا
دن تھا مگر اس وقت اندھیرا نظر آیا

گر گر کے کئی بار اُٹھے صورتِ بسمل
برچھی تو لگی لعل کے خود ہو گئے گھائل
لاشِ علی اکبرؑ پہ عجب حال سے پہونچے

بکھرے ہوئے تھے بال نہ برقع تھا نہ چادر
ہے ہے علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ
شہ کو خبر اُن کی نہ اُنھیں شہ کی خبر تھی

ایک کہتی تھی صدقے ترے اے گیسوؤں والے
جینے کے جوانی میں تمہیں پڑ گئے لالے
ہے ہے یہ قبا خون میں سب بھر گئی بیٹا
تھا تیری دلھن لانے کا اکبر مجھے ارماں
واری تری اس چاند سی چھاتی کے میں قرباں
لاشے پہ ترے اشکوں سے منھ دھونے کو آئی
تم مر گئے ہیں مر نہ گئی ساتھ تمہارے
تم بھی نہ رہے عون و محمد بھی سدھارے
آرام بہت کم مری قسمت میں لکھا تھا
مل کر کف افسوس پکارے شہ عالم
بانو نے کہا رو کے یہ ایسا نہیں ماتم
ملنے کو نہ ہم شکل پیمبرؐ سے نکلتے
ہے ہے مری بستی ہوئی تاراج لٹا گھر
لاشے سے پسر کے نہ جدا ہووے گی مادر
سنسان مکاں ان کا نظر آئے گا مجھ کو
زینبؑ نے کہا مجھ کو خبر کچھ نہیں یا شاہ
پہلو میں یہ کس بی بی کا ہے نالۂ جانکاہ
سمجھاتے ہیں کیا اب کہ سنائی نہیں دیتا
بانو سے کہا شاہ نے آنسو نہ بہاؤ
لو میری عبا اوڑھ کے چہرے کو چھپاؤ
لاتا ہوں میں اس صاحب اقبال کا لاشا
وہ گھر میں چلیں حکم شہ جن و بشر سے
ہم شکل نبی کھینچ کے اک آہ جگر سے
چھاتی سے لگا کر پسر ماہ جبیں کو

ایک کہتی تھی قربان مرے گود کے پالے
ٹھہرو کہ یہ ماں چھاتی سے برچھی کو نکالے
تم زخمی ہوئے کیا کہ پھوپی مر گئی بیٹا
تقدیر نے بے آس کیا مجھ کو مری جاں
سہرا بھی نہ باندھا کہ ہوئے خون میں غلطاں
تم مجھ کو نہ روئے ہیں تمہیں رونے آئی
ہے ہے مرے دلبر مرے جانی مرے پیارے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارے
پیری میں یہ ماتم مری قسمت میں لکھا تھا
کیوں گھر سے نکل آئیں تم اے زینب پرغم
برچھی تو لگی لعل کو پر وے میں رہیں ہم
دم تن سے نکلتا تو نہ ہم گھر سے نکلتے
یہ جیتے تو میں گھر سے نکل سکتی تھی باہر
بیٹھوں گی میں جس بن میں ہیں گئے علی اکبرؑ
اب گھر میں کوئی پھیر کے لے جاؤ نہ مجھ کو
کب نکلی ہوں کون آیا ہے گھر سے مرے ہمراہ
جیتے ہیں کہ دنیا سے گئے اکبرؑ ذی جاہ
لاشہ مجھے اکبرؑ کا دکھائی نہیں دیتا
مر جائے گی اب خاک سے زینبؑ کو اٹھاؤ
تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں جاؤ
رکھ سکتا ہے یاں کوئی مرے لال کا لاشا
لپٹے شہ دیں گر کے ادھر لاش پسر سے
جنت کو روانہ ہوئے آغوش پدر سے
اس درد سے روئے کہ غش آیا شہ دیں کو

خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

سلام

واجب الرحم تھے زنداں کے سزاوار نہ تھے
مجرئی اہلِ حرم قابلِ بازار نہ تھے

شاہ فرماتے تھے ایسے ہیں ہمارے انصار
نانا صاحب کے بھی اس طرح کے انصار نہ تھے

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہنِ زخمِ بدن دیدۂ خونبار نہ تھے

بدّھیاں زخموں کی پہنے ہوئے تھے ابن حسنؑ
کیا ہوا پھولوں کے گردن میں اگر ہار نہ تھے

کہا صغراؑ نے کہ فرقت نے پدر کی مارا
آگے اے صاحبو ہم ایسے تو بیمار نہ تھے

شہ کے دانتوں پہ چھڑی رکھ کے کہا ظالم نے
ہم نے اس طرح کے دیکھے دُرِ شہوار نہ تھے

کہا زہراؑ نے فلک میں نے بتایا تھا کسے
میرے بچّے تو اس آفت کے سزاوار نہ تھے

گر مسیحِ دو جہاں کا ہوا افضال انیسؔ
اچھے یوں ہوئیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

۱۸ مرثیہ بند ۱۰۶

جب فوج خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں
کوئی نہ رہا شہ کے عزیز و رفقا میں
غل آمدِ سرمد کا ہوا اہلِ جفا میں
بڑھنے لگیں لشکر کی صفیں دشتِ وغا میں
تھا حکم کہ کھولے نہ کوئی تیغ کمر سے
لڑنا ہے ابھی فاتحِ خیبر کے پسر سے

اب معرکہ آرائے وغا ہوئے گا وہ شبیر
قبضے میں ہے جس کے اسد اللہ کی شمشیر
عالم کے زبردستوں کو کر دے گا وہی زیر
ہشیار خبردار کہ آنے میں نہیں دیر
تنہا نہ سمجھنا خلفِ شاہِ نجف کو
ہووے گا وہ برہم تو الٹ دے گا وہ صف کو

غیظِ پسرِ فاطمہ ہے قہرِ الٰہی
صابر کو جلال آ گیا تو پھر آئی تباہی
آج اپنی شہادت جو نہ اس غازی نے چاہی
اک حملے میں بے سر ہیں یہ دو لاکھ سپاہی
بربادیِ اُمّت اُسے منظور نہیں ہے
مختارِ دو عالم ہے وہ مجبور نہیں ہے

فرزند وہ اس کا ہے جو تھا قاتلِ کفّار
خیبر میں چلی لاکھوں پہ جس شیر کی تلوار
شبیر بھی اقلیمِ شجاعت کا ہے مختار
ہے زور وہی اور وہی تیغِ شرر بار
دنیا میں کوئی اُس پہ ظفر پا نہیں سکتا
ہو سارا جہاں ایک تو بر آ نہیں سکتا

گو تین شب و روز سے لب تشنہ ہے شبیر
دکھلائے گا پر فاطمہ کے دودھ کی تاثیر
اک بولا کہ مظلوم ہے وہ بیکس و دلگیر
طاقت ہے کہاں اتنی کہ اب کھینچ سکے شمشیر
بازو تو شکستہ ہے برادر کے الم میں
ٹکڑے ہے کلیجہ علی اکبرؑ کے الم میں

فرزند کو جس وقت سے برچھی لگی کاری
اس وقت سے اک ضعف ہے شبیر پہ طاری
جب ڈھونڈھتے تھے لاش کو با گریہ و زاری
دیکھا تھا کہ ریتی پہ گرے تھے کئی باری
احوال یہ تھا ضعف سے فرزندِ علیؑ کا
لاشہ نہ اٹھایا گیا ہمشکلِ نبیؐ کا

جب تیر لگا تھا علی اصغرؑ کے گلے پہ
جوں بید کھڑے کانپتے تھے ضعف سے تھر
کم زور تھا ایسا پسرِ فاتحِ خیبر
ہاتھوں سے گری پڑتی تھی لاشِ علی اصغرؑ
اُس وقت عجب حال سے تھراتے تھے شبیر
ہر گام پہ تیورا کے ٹھہر جاتے تھے شبیر

قتل پسر فاطمہ اب کچھ نہیں دشوار
کیا لاکھوں سے بر آئے گا وہ بیکس و ناچار
زخمی ہے جگر سبط رسول مدنی کا
ہاں تیروں کو چلوں سے کمانوں کے ملا دو
باقی ہے لڑائی یہی اب جان لڑا دو
سب ٹوٹ پڑو دل کے اگر طالب زر ہو
اب جنگ میں کوشش کرو جانیں نہ چھپاؤ
مقتل میں لہو سبط پیمبرؐ کا بہاؤ
شمشیر سے کاٹو سر فرزند نبی کو
یہ ذکر تھا جو لایا خبر پیک صبا دم
پوچھا عمر سعد نے کیا شور ہے اس دم
سمجھاتے ہیں شہ گھر میں نہیں جاتی ہیں رانڈیں
گھوڑے کی طرف بڑھتے ہیں جب سبط پیمبرؐ
اور چھوٹی سی اک لڑکی ہے پہنے ہوئے گوہر
بہلاتے ہیں گودی میں بھی لے لیتے ہیں یہ شبیرؑ
شہ کہتے تھے ماں پاس رہو ہم بھی ہیں آتے
وہ کہتی ہے جی ڈرتا ہے اب پانی منگاتے
بس اب نہ رلاؤ میں بہت رو چکی بابا
بہلا کے اسے گھوڑے پہ جب چڑھنے لگے شاہ
حسرت سے ادھر اور ادھر دیکھ کے کی آہ
زہراؑ سے نہ کچھ شان بزرگی میں وہ کم تھی
چلاتی تھی اس طرح وہ گردوں کی سنائی
افسوس ہے کس وقت میں ہوتی ہے جدائی
صدمہ عجب اس دم ہے شہ جن و بشر کو

ہمراہ نہ اکبرؑ ہے نہ عباسؑ علمدار
جس کا نہ کوئی یار نہ مونس نہ مددگار
اب بازوؤں میں زور کہاں تیغ زنی کا
اور چوکیاں دریا پہ سواروں کی بٹھا دو
دنیا سے محمدؐ کی نشانی کو مٹا دو
شبیرؑ ہو بے سر تو مہم جنگ کی سر ہو
شبیرؑ کی آمد ہے پرے جلد جماؤ
حاکم کی خوشی کے لئے زہراؑ کو رلاؤ
گل کر دو چراغ لحد مرتضوی کو
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشہ عالم
وہ بولا کہ ڈیوڑھی پہ ہے اک حشر کا ماتم
سر کھولے ہوئے پیچھے چلی آتی ہیں رانڈیں
سیدانیاں قدموں سے لپٹ جاتی ہیں آکر
ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دامن سرور
پر جب وہ مچلتی ہے تو رو دیتے ہیں شبیرؑ
تم پیاسی ہو ہم پانی کے لینے کو ہیں جاتے
پانی ہی اگر لاتے تو عباس نہ لاتے
عمو کو تو پانی کے لئے کھو چکی بابا
کوئی نہ تھا جو تھامے رکاب شہ ذی جاہ
خیمے سے عیاں ایک ضعیفہ ہوئی ناگاہ
سر بال پریشاں تھے کمر ضعف سے خم تھی
ٹھہرو کہ میں لینے کو رکاب آتی ہوں بھائی
مرنے کو چلے آپ مجھے موت نہ آئی
رہوار بھی روتا ہے جھکائے ہوئے سر کو

اس بی بی نے جب پکڑی رکابِ شہِ ابرار
لپٹی ہوئی گردن سے وہ کہتی تھی یہ ناچار
ہے وقتِ رفاقت یہ مصیبت کی گھڑی ہے

جاسوس نے جس وقت کہا ماجرا سارا
یک بار لعینوں نے نکل کر یہ پکارا
ہے آج محمدؐ کے نواسے سے لڑائی

ناگاہ ہوئے سرورِ ذی جاہ نمودار
اک نورِ الٰہی تھا سرِ راہ نمودار

کس دبدبے سے شام کے لشکر پہ چلے تھے
تھی فتح و ظفر پکڑے رکابِ شہِ ابرار
اقبال جو خادم تھا تو نصرت تھی نمودار

پہلو میں نواسے کے نبی خاک بسر تھے
چہرے سے ہویدا تھا جمالِ اسداللہ
بے مثل تھے عالم میں مثالِ اسداللہ

غربت بھی سخاوت بھی مُروّت بھی ادب بھی
پیشانی روشن سے خجل نورِ رُخِ بدر
تھا مصدرِ الہام خدائے دو جہاں صدر

زخمی کیا وہ سینہ ہر اک دشمنِ دیں نے
ابرو کی کمانوں کی نہ ہے قدر نہ ہے شان
محرابِ عبادت میں پئے صاحبِ ایمان

جوہر سا ہر اک موئے سیہ پیش نگہ ہے
وہ دیدۂ حق بیں مئے وحدت سے ہیں سرشار
ہے عین خطا کہیے اگر نرگسِ بیمار
وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں شام و سحر ہیں

تب فاطمہ کا لال ہوا گھوڑے پہ اسوار
اے گھوڑے محمدؐ کے نواسے سے خبردار
اسوار ترا راکبِ دوشِ نبوی ہے

ہونے لگے میداں میں صف آرا ستم آرا
ہشیار کہ آیا اسداللہ کا پیارا
دریا سے نہ ہٹنا کہ ہے پیاسے سے لڑائی

گویا کہ ہوئی قدرتِ اللہ نمودار
سب کہتے تھے ہوتا نہیں یوں ماہ نمودار

گویا کہ علیؑ غزوۂ خیبر پہ چلے تھے
آنکھوں سے لگاتے تھے ملائک سُمِ رہوار
اور فاطمہ کی روح تھی بیٹے کی جلودار

پر کھولے ہوئے حضرتِ جبریل سپر تھے
رحمت تھی نبی کی تو جلالِ اسداللہ
موجود تھے سب وصف کمالِ اسداللہ

صولت بھی شجاعت بھی ترحم بھی غضب بھی
رُخ تھا سحرِ عید تو گیسو تھے شبِ قدر
سو اُس پہ چلے تیر یہ اُمت نے کیا غدر

تیر اک طرف پاؤں دھرا شمرِ لعیں نے
ہر گوشے پہ جن کے ہے دلِ فاطمہ قرباں
کافر کے لئے تیغِ ہلالی سرِ میداں

تلوار کی آنکھوں پہ شجاعوں کی جگہ ہے
دن رات جو طاعت میں خدا کی رہے بیدار
آنکھوں کو چراتے ہیں وہاں آہوئے تاتار
دُنیا کی سپیدی و سیاہی ہے نظر میں

وہ ریشِ مطہر وہ رُخِ حضرتِ شبیرؑ
وہ مصحفِ رخسار تھے صرفِ تبر و تیر
سی پارہ تھا ہر جزو یہ احوال تھا تن کا
وہ لب کہ جو شیرینی میں تھے قند سے بہتر
یاقوت کا کیا رتبہ جو ہو اُن سے برابر
وہ حمدِ الٰہی کا سزاوار کہاں ہے
یہ لب لبِ کوثر ہے لبِ نہرِ لبن ہے
دانتوں کو کہوں گر کہ ہر اک دُرِ عدن ہے
نہ پارۂ الماس نہ گوہر انھیں کہیے
اوصاف بیاں ہو نہیں سکتا ہے زباں سے
اعجاز ہے عیسےٰ کا عیاں اُس کے بیاں سے
بے آبی سے جو حال بہت تنگ ہوا ہے
بازو ہیں کہ شاخِ شجرِ حسن و ضیا ہیں
دونوں جو کفِ دست ہیں دریائے عطا ہیں
شرمندگی ہے بدر کو ناخن کی یہ ضو ہے
کیا لوح کا سینے کے قلم لکھ سکے اوصاف
کینے سے صدا صاف کدورت سے صدا صاف
گنجینۂ اسرارِ خدا اُس میں دھرا ہے
فاقوں میں بھی شکوے کا زباں پہ نہیں گور
سنگِ ستم و جور سے ہے شیشۂ دل چور
بے جاں علی اکبرؑ جو ہوا تیرِ ستم سے
کیا وصفِ ثباتِ قدمِ پاک کروں میں
ٹلتے نہیں جوں شمع اگر تن سے کٹے سر
گر چرخ پہ نقشِ قدمِ سرورِ دیں ہے

تھی سورۂ واللیل پہ والفجر کی تفسیر
جدول کے عوض اُس پہ کھنچے تھے خطِ شمشیر
شیرازہ کھلا جاتا تھا اجزائے بدن کا
چوما تھا جنھیں احمدِ مرسلؐ نے مکرر
خاتونِ قیامت کا یہ لعل اور وہ پتھر
ہو سرخ یہ شیرینیِ گفتار کہاں ہے
یاں لب دہنِ نطق کو یارائے سخن ہے
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضمون کٹھن ہے
شہ کو فلکِ حسن تو اختر انھیں کہیے
ہے کام اسے حمدِ خدائے دو جہاں سے
برگِ گلِ تر لائے نزاکت یہ کہاں سے
کانٹے ہیں پڑے پیاس سے یہ رنگ ہوا ہے
ساعد نہیں آئینۂ انوارِ خدا ہیں
اور انگلیاں مانندِ علی عقدہ کشا ہیں
اک اُس کا تراشا ہوا ناخن مہِ نو ہے
مہتاب سے روشن ہے تو آئینہ سے شفاف
ہے خانۂ عدل و کرم و بخشش و الطاف
قرآں کی طرح علمِ الٰہی سے بھرا ہے
کھانے سے شکم خالی ہے اور خیر سے معمور
زخمِ دلِ اکبرؑ سے کلیجے میں ہے ناسور
مانندِ کماں خم ہے کمر بارِ الم سے
ہو کوہ نہ ثابت قدمی میں کبھی ہمسر
ہو جاتے ہیں سرکش یہاں پامال سراسر
گردوں ابھی ساکن صفتِ روئے زمیں ہے

اعدا نے کہا ہم تمہیں پہچانتے ہیں خوب
ہے آج مگر قتل تمہارا ہمیں مطلوب
کچھ فاطمہ کے رونے کا وسواس نہیں ہے
حضرت نے کہا حق کے غضب سے نہیں ڈرتے
شہ نے کہا مہمانوں پہ صدمے ہیں گزرتے
سب نے کہا پانی سے نہ سیراب کریں گے
فرمانے لگے رو کے یہ ملعونوں سے حضرت
سیّد ہوں نبی زادہ ہوں دو اتنی اجازت
عزت رہے ناموس رسولِ عربی کی
گر ہوں تو میں حاکم کا تمہارے ہوں گنہگار
زہراؑ سے نہیں رتبے میں کم زینبؑ ناچار
دیکھا نہیں جائے گا مرا قتل بہن سے
اعدا نے کہا واہ یہ بالعکس ہے گفتار
سر ننگے پھرائیں گے حرم کو سرِ دربار
کیا پائیں گے سر آپ کا گر ہاتھ لگے گا
سُن کر یہ سخن شہ کے جبیں پر عرق آیا
منھ کر کے سوئے عالمِ بالا یہ سنایا
مجبور سمجھتے ہیں یہ فرزندِ نبیؐ کو
فرما کے یہ کی شہ نے علم تیغِ شرر ریز
غیظِ شہِ عالم ہوا رہوار کو مہمیز
غل تھا کوئی کیا روکے گا اس تیغِ دو سر کو
بڑھ کر ہوئے اس طرح رجز خواں شہِ ذی قدر
بابا ہے مرا فاتحِ جنگِ اُحد و بدر
میں بھی اسدِ حق کی طرح قلعہ کشا ہوں

ہو اُس کے نواسے کہ خدا کا ہے جو محبوب
بچنے کے نہیں تم کسی صورت کسی اسلوب
ملبوس نبی کا ہمیں کچھ پاس نہیں ہے
وہ بولے کہ ہاں خوفِ خدا بھی نہیں کرتے
پانی دو کہ بچے ہیں مرے پیاس سے مرتے
معصوم اگر تشنہ علی اصغرؑ سے مریں گے
منظور تمہیں آج ہے گر میری شہادت
ناموس کو میں سوئے مدینہ کروں رخصت
برباد نہ ہوں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی
وہ بیکس و مجبور ہیں کیا اُن سے سروکار
واللہ وہ کرتی ہے مجھے ماں کی طرح پیار
وہ نکلی تو زہرا نکل آئے گی کفن سے
لوٹیں کسے پھر جائے اگر عترتِ اطہار
چادر سرِ زینب پہ نہ ہم چھوڑیں گے زنہار
ناموس کو لوٹیں گے تو زر ہاتھ لگے گا
تھرانے لگا حیدرِ کرّار کا جایا
باقی کوئی حجت نہ رہی بارِ خدایا
اب میں بھی علم کرتا ہوں شمشیرِ علی کو
ہیبت سے لرزنے لگا میدانِ بلاخیز
چالاک تھا صرصر سے تو بجلی سے کہیں تیز
سر کو اکہ جلال آیا محمدؐ کے پسر کو
اس تیغ سے کاٹوں گا ہزاروں کے سر و صدر
نانا ہے وہ انگشت سے شق جس نے کیا بدر
جوہر مرے دیکھو کہ میں شمشیرِ خدا ہوں

ہر چند کہ لاکھوں ہو تم اور ہیں تن تنہا
اور تین شب و روز کا بھوکا ہوں پیاسا
کیا لطف ہے اک پیاسے کو گر تیروں سے مارا
نکلے جسے تم سب میں شجاعت کا ہو دعویٰ
جرأت کو بھی ہمت کو بھی ضربت کو بھی دیکھو
اور فاطمہ کے دودھ کی طاقت کو بھی دیکھو

لکھا ہے اُدھر تھا بن قحطبہ کوئی سردار
مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرار
اور چار ہزار اہلِ ستم کا تھا وہ سالار
شمشیر بھی اُس کی دُمِ اژدر دم پیکار
کینہ تھا اُسے سبطِ رسولِ عربی سے
مارا گیا تھا اُس کا پدر دستِ علی سے

کس غیظ سے آیا سرِ میداں وہ ستم گر
ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے باہر
سُرخ آنکھیں بھرا منہ میں لہو دیو سا خود سر
فولادی سپر دوش میں چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

اسپ دوور کا بہ بھی قوی ہیکل و چالاک
نیزوں کو دھرے دوش پہ مرکب پہ غضبناک
زنجیروں سے باندھے کمرِ نجس کو سفاک
ابرو پہ تکبّر سے گرہ خود سر و بیباک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کے جلو میں ؛
اور بے کسی تھی سبطِ پیمبر کے جلو میں

گھوڑے سے یہ بولا پسرِ شاہِ ولایت
فاقے پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقتِ رفاقت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت
قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہوں گے نہ دنیا میں یہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہے گا

گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک تو ہوں ہمراہ
طاقت ہے کہ تو پشت پہ ہے اے شہ ذی جاہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ
ہم قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ ؛
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

اتنے میں وہ نزدیک شہِ بحر و بر آیا
اُس وقت تو غصّے میں علی کا پسر آیا
اللہ کا دریائے غضب جوش پر آیا
رہوار بھی اک برقِ مجسّم نظر آیا
شمشیرِ علی میان سے باہر نکل آئی ؛
اعجاز سے خود تیغ دو پیکر نکل آئی

نعرہ جو کیا شہ نے ہلا گنبدِ دوّار
طبقوں کو اراضی کے تزلزل ہوا اک بار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں سوئے کہسار
فرمایا کہ ہاں وار کر او ظالمِ غدّار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدر کا پسر ہوں

یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ
پہونچی تھی سناں متصل سینہ کہ ناگاہ
اس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
قبضے میں کماں لے کے بڑھا تب وہ جفاکار
تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہ ابرار
یہ کہتے ہی چھیڑا فرس گرم عناں کو
شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری
اس عاشق باری پہ یہ غصہ ہوا طاری
اس پھرتی سے اس ظالم پرکینہ پہ آئے
دہنی طرف اس شامی نے گھوڑے کو اڑایا
تیغ دو زباں کو شہ عالم نے اٹھایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرق لعین پر
سر پر جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن
جوشن سے جو اتری تو لیا زین کا دامن
قبضہ تو رہا دست جناب شہ دیں میں
فرزند محمد نے کیا نعرۂ تکبیر
تھا شور کہ زہرا کے یہ ہے دودھ کی تاثیر
قبضے میں اسی تیغ دو پیکر کے قضا ہے
لشکر کے نمودار کو حضرت نے جو مارا
اعدا پہ چلا خود اسد اللہ کا پیارا
ہر وار میں دونی تھی برش تیغ دو دم میں
کامل تھی زبس بحر شجاعت میں وہ تلوار
جو کوئی قریب آیا رجز خواں دم پیکار
کیا لڑتے کہ سکتہ تھا ہر اک اہل حسد کو

اس طنطنے سے آیا کہ العظمۃ للہ
ترچھی چلی جوں صاعقہ شمشیر ید اللہ
ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی
چلّے سے یہ تعجیل ملا یا لب سوفار
ہاں ہیں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
نیزے سے اڑا لے گئے جوں تیر کماں کو
حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
جس طرح کہ شہباز اجل صید پہ آئے
حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
سر تک وہ سپر ہاتھ سے لائے بھی نہ پایا
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر
گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
اور تا سر دنبالہ در آئی وہ زمیں میں
تھرّانے لگا خوف سے سب لشکر بے پیر
دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے
لاکھوں میں نکلنے کا نہ تھا ایک کو یارا
کرنے لگیں روحیں قفس تن سے کنارا
جس صف پہ جھکے شاہ فنا ہو گئی دم میں
مثل الف وصل گرے جاتے تھے کفّار
سالم تھا تو بے فاصلہ کن اس کے ہوئے چار
تقطیع کیا تیغ نے ہر مصرعۂ قد کو

خود نور ہیں اور نور کی ہے جسم پہ پوشاک
ہے جسم پہ کیا ٹھیک قبائے شہِ لولاک
جیسا ہے بدن ویسی ہی پاکیزہ قبا ہے
ہے سایۂ حق خود جو سرِ سرورِ عالی
یہ سوچ کے مولا نے زرہ تن پہ نہ ڈالی
اک برق سی شمشیر فقط زیبِ کمر ہے

وہ وقت زوال اور وہ میدانِ تپ و تاب
منہ خشک حرارت سے جگر سینے میں بیتاب
حسرت سے جدھر دیکھا ستمگر نظر آئے
صدقے تھی غریبی تو فدا بےکسی و یاس
قاسم کہیں اکبرؑ تھے کہیں اور کہیں عباسؑ
پر جانبِ دریا نہ نظر کرتے تھے شبیرؑ

روتے تھے کبھی دیکھ کے لاشِ علی اکبرؑ
جب دیکھتے تھے لاشۂ عباسؑ دلاور
سب باغ تو پامال ہوا تین پہر میں
سینے میں تڑپتا ہے جو دل صورتِ بسمل
دشواری سے کٹتی ہے ذرا عشق کی منزل

گو یار و مددگار ہر اک تجھ سے جدا ہے
کوئی نہیں ہوتا ہے برے وقت میں یاد
جز سایۂ الطافِ خدا کون ہے سر پر
جب حلق تہِ تیغِ جفا ہوئے گا میرا

بس اتنے میں حضرت پہ ہوا نرغۂ کفار
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہِ ابرار
تم خوں میں جسے بھرتے ہو جامہ ہے یہ کس کا

عمامہ ید اللہ کا ہے زیبِ سرِ پاک
ہے گوشۂ فردوسِ بریں جس کا ہر اک چاک
یہ جامہ اسی تن کے لئے قطع ہوا ہے
اور شوقِ شہادت سے ہے رخساروں پہ لالی
زخمِ تیر و تبر کی جاگہ رہے خالی
ہے دستِ علی پشت کے اوپر یہ سپر ہے

سایہ نہ ٹھہرنے کو نہ پینے کو کہیں آب
نہ یار نہ ہمدرد نہ غمخوار نہ احباب
نیزے کہیں چمکے کہیں خنجر نظر آئے
سب وہ تھے اس وقت جو رہتے تھے سدا پاس
وہ دھوپ وہ بھوک اور کئی روز کی وہ پیاس
خشکیدہ زباں شکر سے تر کرتے تھے شبیرؑ

تکتے تھے بصد یاس کبھی لاشۂ اصغرؑ
کہتے تھے کمر تھام کے ہائے برادر
اب آپ ہیں اور داغِ بہتّر ہیں جگر میں
فرماتے ہیں یہ صبر کا ہنگام ہے اے دل
گھبرا نہ کہ آساں ہوئی جاتی ہے یہ مشکل
لیکن نہ ہراساں ہو کہ بےکس کا خدا ہے

عباسؑ کہاں اب ہیں کہاں ہیں علی اکبرؑ
سب چھوڑ گئے ساتھ ہے لیکن مرا داور
اس دم بھی مرے سر پہ خدا ہوئے گا میرا

تیروں کی تنِ پاک پہ پڑنے لگی تلوار
بتلاؤ کہ میں کون ہوں اے قوم جفاکار
تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کس کا؟

ہر چند ردیف ایک کی تھا ایک ستمگر
تھے رو بہ قفا وقت وغا سب وہ بد اختر
تن جس کا جلا نائرۂ تیغ دو سر سے
بجلی کی طرح کوندتا تھا فوج میں ہر سو

آ پے کرنے کی کیا تاب کہ رد و کد کرتے تھے کفار
مانند تصور کبھی یاں تھا کبھی واں تھا
باغی روش سبزہ ہوئے جاتے تھے پامال
رخ زرد تھے ڈر سے یہ سیہ کاروں کا تھا حال
شمشیر کے پھل سے ثمر تارہ ملے تھے ؛

گرتی تھی چمک کر جو حسام شہ ذی شان
سکان سماوات بھی تھے ششدر و حیران
اللہ بچائے طبق ارض و سما کو ؛
دیتے تھے محمدؐ کی دہائی جو ستمگار

آئی یہ صدا احمد مختار کی اک بار
جاں باز کوئی تجھ سا زمانے میں کہاں ہے
اب روک لے شمشیر کو اے میرے گل اندام
پیاسے ہو کئی دن کے شہادت کا پیو جام
بیٹھو تہ شمشیر یہ مرضی خدا ہے

سن کر یہ صدا شہ نے رکھی میان میں تلوار
بندے کو ہے خوشنودی مولا سے سروکار
امید ہے جب حلق تہ تیغ جفا ہو ؛
زینب در خیمہ پہ یہ اس وقت پکاری
دقفہ نہ کرو بھاگ چلی فوج تو ساری
عرصہ نہیں ہے فتح لڑائی کوئی دم کو

جوں قافیہ پیچھے تھی مگر تیغ دو پیکر
ہو سکتا نہ تھا تیغ اجل سے کوئی باہر
وصل اس کا رہا تا بہ ابد نار سقر سے

قطرات عرق جسم پہ تھے اختر سیار
اس تک نہ پہونچ سکتا تھا پر وہم خطا کا
آنکھوں میں تو پھرتا تھا پہ نظروں سے نہاں تھا
سر گرتے تھے برگ خزاں دیدہ کی تمثال
تھا شور کہ سر سبز ہوا فاطمہؑ کا لال
اعدا پہ خزاں تھی پہ گل زخم کھلے تھے

تھی گاو زمیں زیر زمیں خوف سے لرزاں
جنات میں غل تھا کہ نہیں بچنے کی اب جاں
آج آیا ہے غصہ پسر شیر خدا کو
کیا رحم ہے تھم جاتے تھے اس دم شہ ابرار

ہیں تیری شجاعت کے فدا اے مرد لدار
خود آج ثنا خواں ترا رب دو جہاں ہے
لازم ہے ترحم کہ یہ لیتے ہیں مرا نام
تا ہووے گنہگاروں کی بخشش کا سر انجام
اے عاشق صادق دم تسلیم و رضا ہے

کی عرض کہ امت پہ فدا ہے مرا گھر بار
کرتا ہوں وفا منھ سے کیا تھا جو کچھ اقرار
پیشانی تو سجدے میں ہو اور لب پہ دعا ہو
کیوں روک لی تلوار بہن ہو گئی واری
پھر آکے کہیں گھیر نہ لے لشکر ناری
صدقے گئی دم لینے نہ دو فوج ستم کو

گو فاقے سے ہو اور کئی دن کے ہو پیاسے
ماں کیسی پدر کیسا ہے کس کے ہو نواسے
جن لوگوں نے اکبرؑ کو مرے قتل کیا ہے

یہ وہ ہیں کہ برباد کیا فاطمہؑ کا گھر
عباسؑ کو پانی کے لیے خوں میں کیا تر
برچھی مرے اکبرؑ کو لگائی ہے انھیں نے

فرمانے لگے رو کے بہن سے شہ ابرار
اک حملے میں چاہوں تو فنا ہوں یہ خطاکار
زور اسد اللہ دکھایا نہیں جاتا

حیدرؑ کی شجاعت تو بہن میں نے دکھائی
غربت بھی تو میراث میں حیدرؑ کی ہے پائی
غل حوروں کے رونے کا ہے میدان ستم میں

اعدا نے سنی جب شہ والا کی یہ تقریر
پھر آن کے تنہا سے مقابل ہوئے بے پیر
شہ کھاتے تھے تلواریں موئی جاتی تھی زینبؑ

چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو
للہ مجھے فاطمہؑ کے لال پہ وارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے

صف باندھ کے یا کر لو تمہیں خیمے کا پردا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباسؑ کا لاشا
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر

حضرت کی کوئی بات نہ سنتے تھے وہ اظلم
سر ضعف سے ہرنے پہ جھکا جاتا تھا اس دم
زخمی بھی سراپا ہیں حرارت بھی غضب ہے

پر ارث شجاعت ہو تمہیں شیر خدا سے
لو خون عزیزان کا عوض اہل جفا سے
تم کرتے ہو رحم اُن پہ تعجب کی یہ جا ہے

یہ وہ ہیں کہ دولھا کو جنھوں نے کیا بے سر
مجروح کیا تیر سے حلق علی اصغرؑ
تصویر محمدؐ کی مٹائی ہے انھیں نے

ڈھتے ہیں محمدؐ کی دوہائی یہ ستمگار
نانا کا مگر پاس ہے اے خواہر غمخوار
اب ہاتھ تو امت پہ اٹھایا نہیں جاتا

زندوں کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
مظلومی بھی حق کو تو دکھائے یہ فدائی
سر کھولے ہوئے آتی ہیں اماں کوئی دم میں

ثابت ہوا اب جنگ نہیں کرنے کے شبیرؑ
بے خوف لگانے لگے تیغ و تبر و تیر
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینبؑ

شبیرؑ کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
او جھل مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے

یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لب دریا
تا دیکھے نہ سر کٹتے ہوئے دختر زہراؑ
شبیرؑ کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

حربے تن اقدس پہ لگے جاتے تھے پیہم
نیلے تھے لب لعل یہ تھا پیاس کا عالم
ہر وار پہ ملعونوں سے پانی کی طلب ہے

وہ گرم ہوا جنگ کی وہ تشنہ دہانی
حلقہ کیے شمشیر بکف ظلم کے بانی
طاری تھا جو غش دوش محمدؐ کے مکیں پر
لکھا ہے کہ جس روز تھا یہ سانحہ درپیش
کیا دیکھتا ہے آنکھ اُٹھا کر وہ جگر ریش
بے کس پہ ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے
بے ساختہ رو رو کے لگا کہنے وہ بیدار
اس طرح کا ہوگا نہ کوئی بیکس و ناچار
یہ ظلم و ستم کون سے مذہب میں روا ہے
کافر کو بھی پانی تو پلاتے ہیں مسلماں
بیکس ہے پہ چہرے سے شرافت ہے نمایاں
زخمی اسے کرتے ہیں عدو تیغ و سناں سے
کیا صبر ہے اس طرح کا صابر نہیں دیکھا
ثابت قدم ایسا دم آخر نہیں دیکھا
کیا ظلم نہیں کون سی بیداد نہیں ہے
ایسے بھی ترے بندۂ مقبول ہیں مولا
جب تیغ ستم آتی ہے سر دیتے ہیں بہوڑا
چہرے پہ بشاشت ہے کہ ہنگام اجل ہے
یہ کہہ کے بصد درد بہت رویا وہ غمگیں
ساغر لیے ہاتھوں پہ گیا پیش شہ دیں
یہ دکھ نہیں پڑتا کسی محتاج و غنی پر
اے بندۂ بیکس ترا کیا جرم ہے بتلا
کیا تو نے عزیزوں کو ہے ان لوگوں کے مارا
مارا جو انھیں تو نے تو افسوس کی جا ہے

کچھ کہتے تھے اور منہ سے نکل جاتا تھا پانی
ہر ایک دل آزار ہر اک دشمن جانی
جھک جھک کے سنبھل بیٹھتے تھے خانۂ زیں پر
وارد ہوا اس دشت بلا میں کوئی درویش
اک زخمی کو گھیرے ہوئے ہیں لاکھ جفا کش
یہ کہتا ہے پانی دو۔ وہ ہیں تیر لگاتے
کس دکھ میں یہ بندہ ہے ترا اے مرے غفار
پانی بھی پلاتے نہیں ایسا ہے گنہگار
کیوں قتل اسے کرتے ہیں کیا اس کی خطا ہے
یہ تو ترا بندہ ہے کوئی صاحب ایماں
ہیں سوکھے ہوئے ہونٹ ترے ذکر میں خنداں
جز شکر نکلتا نہیں کچھ اس کی زباں سے
کیا شکر ہے اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
کچھ اس کو ترے نام سوا یاد نہیں ہے
گھر لٹنے کا غم جس کو نہ سر کٹنے کا دھڑکا
اف کرتے نہیں سینے پہ جب لگتا ہے نیزا
نیزے کو سمجھتے ہیں کہ یہ زیست کا پھل ہے
اور مشک سے سیراب کیا کاسۂ چوبیں
کی عرض اسے پی لو کہ تا دل کو ہو تسکیں
دل ہوتا ہے ٹکڑے تری تشنہ دہنی پر
بے وجہ کوئی قتل کسی کو نہیں کرتا
کشتے یہ وہی ہیں جو پڑے ہیں لب دریا
مہر وہ ہے کوئی ان میں کوئی ماہ لقا ہے

دریا کی ترائی میں جو سوتا ہے یہ مہرو
یہ تازہ جواں خوں میں بھرے جس کے ہیں گیسو
دولہا جو سناں کھائے یہ سوتا ہے زمیں پر
پھر دیکھ کے وہ لاشۂ اصغر یہ پکارا
اک بچے کا کس طرح ہوا قتل گوارا
جس وقت یہ دنیا سے سفر کر گیا ہوگا

درویش کے سن کر یہ سخن رونے لگے شاہ
فرمایا کہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ
سب میرے یگانے ہیں یہ جن کا تجھے غم ہے
بے دست ہے جو نہر پہ وہ ہے مرا بھائی
یہ شیر کہ سینے پہ سناں جس نے ہے کھائی
وہ طفل جو ریتی پہ ستارا سا پڑا ہے

ناحق مرے پیاروں پہ چلی ظلم کی شمشیر
بے جرم مرے قتل پہ آمادہ ہیں بے پیر
مہماں پہ کسی نے ستم ایسا بھی کیا ہے
اے شخص تجھے رحم مرے حال پہ آیا
اجر اس کا خدا دے کہ بڑا رنج اٹھایا
اب خاک ہیں تشنہ جو پانی سے بھرے ہوں

دنیا میں مجھے پانی کے پینے سے ہے انکار
حجت کے لیے پانی کا ان سے ہوں طلبگار
حیدر کی طرح تارک دنیائے دنی ہیں
مشکل کوئی تجھ پہ ہو تو آساں ابھی کر دیں
ہیں دل کے غنی سر کے جو سائل ہو تو سر دیں
حق میں کوئی دشمن کے دعا بد نہیں کرتے

کرتا ہے قلم ایسے جری کے کوئی بازو؟
مارا اسے کیا صاحب اولاد نہ تھا تو
کچھ رحم نہ آیا تجھے اس ماہ جبیں پر
وہ سب تو لڑے ہوں گے جو تو نے اسے مارا
کیا ہوئے گا حال اس کا یہ جس ماں کا ہے پیارا
جیتا رہا ہوگا کہ پدر مر گیا ہوگا

مقتل کی زمیں ہل گئی اس درد سے کی آہ
کیا اپنی مصیبت کہوں اے بندۂ اللہ
یہ باغ مرا ہے کہ جو تیغوں سے قلم ہے
ٹوٹی ہے کمر اس سے ہوئی جب سے جدائی
مجھ باپ کی اٹھارہ برس کی ہے کمائی
چھوٹا ہے یہ بیٹا یہ الم اس کا بڑا ہے

سب قتل ہوئے باقی ہوں میں بیکس و دلگیر
کرتا ہوں ہدایت انھیں یہ ہے مری تقصیر
دو روز سے پانی نہیں پینے کو دیا ہے
اس وقت ہمیں پانی تو مرے واسطے لایا
پانی مرے بچوں میں کسی نے نہیں پایا
کیونکر وہ پئے جس کے پسر پیاسے مرے ہوں

واللہ میں ہوں کوثر و تسنیم کا مختار
احسان ہمیں منظور کسی کا نہیں زنہار
ظاہر میں ہیں محتاج مگر دل کے غنی ہیں
اس جام کو لے کہہ تو زر و مال سے بھر دیں
ہم وہ ہیں کہ قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیں
فاقوں میں سوال فقرا رد نہیں کرتے

درویش سے یہ کہہ کے لیا پانی کا ساغر
دل پیاسی سکینہ کے لیے ہو گیا مضطر
آنکھوں سے بہے اشک رُخِ سرورِ دیں پر
پھر دستِ گدا میں وہ دیا کاسہ خالی
اللہ رے اعجاز کفِ سرورِ عالی
حیرت ہوئی درویش کو اس لطف و کرم پر
کہتا تھا یہ آنکھوں سے لگا کر قدم شاہ
ہیں آپ وصی یا کہ ہیں پیغمبر ذی جاہ
بندے نے کسی میں یہ کرامت نہیں دیکھی
حضرت نے کہا نام سے میرے تجھے کیا کام
بیکس ہوں مسافر ہوں نہ راحت ہے نہ آرام
غربت کی جگہ منزلِ دُنیائے دنی ہے
کیا پوچھتا ہے قوم نبی کا ہوں نواسا
مادر وہ ہے کہتے ہیں جسے حضرت زہرا
ان میں سے ہر اک گلشنِ جنت کا مکیں ہے
کہنے لگا سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ دیندار
آقا تمہیں بندے نہ پہچانا تھا زنہار
تلوار مجھے دیجئے کہ جنگ ان سے کروں میں
رو رو کے یہ فرمانے لگے سرورِ ذی جاہ
تو قتل ہو منظور نہیں ہے مجھے واللہ
ہرگز نہ فراموش یہ احسان کریں گے
راضی ہو خدا تجھ سے کہ ہم تجھ سے ہوئے شاد
پر بھولیو مت پیاس ہماری یہ رہے یاد
روئے گا مری پیاس پہ جو بزمِ عزا میں

تکنے لگے حسرت سے سوئے لاشۂ اصغر
دیکھا طرفِ خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر
اس پانی کو بس پھینک دیا رو دیئے زمیں پر
اور خاک اُٹھا تھوڑی سی اُس جام میں ڈالی
لبریز تھے اس کاسے میں یاقوت و لالی
بس گر پڑا وہ دوڑ کے حضرت کے قدم پر
مولا مجھے نام اپنا بتا دیجئے للّٰہ
کیا قوم ہے کس جا ہے وطن کیجئے آگاہ
واللہ یہ ہمت یہ سخاوت نہیں دیکھی
مظلوم مرا نام ہے سید ہے مرا نام
دنیا سے کوئی دم میں سفر کا ہے سرانجام
گھر قبر کا گوشہ ہے وطن بے وطنی ہے
اور مولد و مسکن ہے مرا یثرب و بطحا
بیٹا ہوں میں حیدر سے شہ عقدہ کشا کا
مظلوم ہوں اب سر پہ مرے کوئی نہیں ہے
ہیں آپ حسینؑ ابن علیؑ یا شہِ ابرار
شہزادۂ کونین اور اس دکھ میں گرفتار
حضرت کے عوض تیغ و سناں کھا کے مروں میں
ہم اس پہ فدا ہیں جو ہمارا ہے ہوا خواہ
لے راہِ وطن جلد کہ ہم بھی ہیں سرِ راہ
ہم قبر میں مشکل تری آسان کریں گے
تربت میں کریں گے شبِ اوّل تری امداد
کیجو مری غربت پہ صد نالہ و فریاد
لکھے گا اسے خالقِ اکبر شہدا میں ؎

فرمانے سے حضرت کے وہ رخصت ہوا ناچار
دیکھا کہ تڑپتا ہے تنِ سیدِ ابرار
مارا مرے بھائی کو یہ چلاتی ہے زینبؑ
زہراؑ کی صدا ہے کہ لٹی میری کمائی
پانی کی مرے لال نے اک بوند نہ پائی
دنیا مرے شبیرؑ سے خالی ہوئی ہے ہے
ہے وقتِ دعا حق سے انیسؔ اب تو دعا کر
ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف و عطا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے

میداں سے نہ نکلا تھا کہ پھر غل ہوا اک بار
وہ کاٹے لئے جاتا ہے سر شمرِ ستمگار
سر پیٹتی خیمے سے چلی آتی ہے زینبؑ
مارا گیا شبیرؑ محمدؐ کی دوہائی
ہے ہے ہوئی بن بھائی کی زینبؑ جو جائی
بانو مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں ان کو روا کر
مقروض جو مومن ہوں تو قرض ان کا ادا کر
اور حشر میں ہوں ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

رباعی

ظاہر وہی لعنت کے اثر ہیں اب تک
قربانِ شہ جن و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علم آگے جب اٹھتی ہے ضریح
عباسؑ علی سینہ سپر ہیں اب تک

رباعی

جو شے ہے۔ فنا اسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے؟

۱۹ مرثیہ بند ۱۲۴

جب دولت سر در یہ زوال آگیا رن میں
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھویا گیا رن میں
ماں باپ کو سہرا ابھی نہ اکبرؑ نے دکھایا
کس دکھ میں فلک نے علی اکبرؑ کو چھڑایا
قمری سے عجب سرو چمن بر کو چھڑایا
یوں دم بھی کسی تازہ جواں نے نہیں توڑا

یوں باپ کی قسمت کو الٹتے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا
نازوں کے دعاؤں کے مرادوں کے پلے تھے
بھیگیں جو مسیں ماں نے کیا سجدہ باری
سبزہ ہوا آغاز تو فرمایا کہ واری
شادی تھی کہ اب گھر میں دلھن لانے کے دن ہیں

گیسو ابھی منت کے بڑھائے تھے نہ ماں نے
آئینہ بنایا جسے رب دو جہاں نے
توڑا نہیں ایسا گل شاداب کسی نے
افسوس نہ کچھ عمر نے اکبرؑ سے وفا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیت ہیں خدا کی
کچھ بس نہ چلا آ گئے یوں موت کے بس میں

ہوتا ہے برابر کا پسر قوت بازو
ایسا پسر ماہ لقا صفدر و خوش خو
گر پڑتے ہیں اٹھ اٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیرؑ
جس گل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں
جینے کا جو باعث تھا وہ مارا گیا رن میں
پیری میں عجب داغ مقدر نے دکھایا

بے مہر نے کس ماہ سے اختر کو چھڑایا
کس فصل میں بلبل سے گل تر کو چھڑایا
یوں پھول کو بھی باد خزاں نے نہیں توڑا
اس طرح مقدر کو پلٹتے نہیں دیکھا
اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا
واحسرت و دردا ابھی پھولے نہ پھلے تھے

یعنی مرے گلشن میں چلی باد بہاری
صد شکر کہ سرسبز ہوئی کشت ہماری
اس کی نہ خبر تھی کہ خزاں آنے کے دن ہیں
جو کوچ کیا خلق سے اس تازہ جواں نے
اس سینے کو زخمی کیا دشمن کی سناں نے
کھولا تھے گئے منہ اور نہ دیا آب کسی نے

پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ قضا کی
ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبرؑ نے دغا کی
پیدا ہوئے اور مر گئے اٹھارہ برس میں
آرام جگر راحت جاں زینت پہلو
مر جائے تو کیا دل پہ رہے باپ کے قابو
جیتے ہیں مگر غم سے لب گور ہیں شبیرؑ

اٹھتی ہے کبھی دل میں کبھی ہوک جگر میں
ہے درد کبھی سینے میں اور گاہ کمر میں
رن میں کبھی جاتے ہیں کبھی آتے ہیں گھر میں
ہے دن کا اُجالا یہ اندھیرا ہے نظر میں
غل کرتے ہیں اعدا یہ سُنائی نہیں دیتا
لاشہ علی اکبرؑ کا دکھائی نہیں دیتا

یہ دردِ جگر ہے کہ سنبھلنے نہیں دیتا
یہ زورِ نقاہت ہے کہ چلنے نہیں دیتا
غم اور طرف دل کو بہلنے نہیں دیتا
رعشہ کفِ افسوس بھی ملنے نہیں دیتا
غم کون سا خرمن کے لئے برق نہیں ہے
پہ صبر کی طاقت میں ذرا فرق نہیں ہے

آتی ہے صدا دل سے کہ طاقت نہیں مجھ میں
کہتا ہے جگر ضعف ہے قوّت نہیں مجھ میں
ہر چشم ہے گریاں کہ بصارت نہیں مجھ میں
کہتی ہے کمر درد سے حالت نہیں مجھ میں
بے مہری افلاک نے دل توڑ دیا ہے
شمشیر کو سب ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے

پیری میں یہ اندوہ ضعیفی میں یہ دکھ درد
صدمے سے رخِ پاک ہے کیسر کی طرح زرد
چہرہ جو مکدّر ہے تو ریش بھی ہیں پُر گرد
تن کانپنے لگتا ہے جو بھرتے ہیں دمِ سرد
جس پھول کے عاشق تھے وہ گلشن میں نہیں ہے
یہ حال ہے گویا کہ لہو تن میں نہیں ہے

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو
کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو
شہ کہتے ہیں یاد اب علی اکبرؑ کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو کچھ خبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

جو اہلِ محبت ہیں بلا اُن کے لئے ہے
صابر جو ہیں یہ درد دوا اُن کے لئے ہے
مظلوم جو ہیں لطفِ خدا اُن کے لئے ہے
ہر رنج میں ایک تازہ مزا اُن کے لئے ہے
سو دُکھ ہوں تو ہوں محو ہیں اُلفت میں اُسی کی
روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کی

اکبر تھا تو وہ کیا تھا اگر ہم ہیں تو کیا ہیں
سو ایسے جو بندے ہوں تو خالق پہ فدا ہیں
کچھ غم نہیں گر ہم سے جدا ہیں تو جدا ہیں
یہ کس کی عنایت ہے کہ راضی بہ رضا ہیں
غم تھا جو سر اس راہ میں فرزند نہ دیتا
کیا کرتے اگر وہ ہمیں دل بند نہ دیتا

فدیہ ہوا فرزند جواں شکر کی جا ہے
خوشنود ہے ربِّ دو جہاں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے
گردن سے گیا بارِ گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اُسے پہونچی
فارغ ہوئے ہم اُس کی امانت ہمیں پہونچی

اٹھارہ برس تک جو رہا پاس وہ دلدار
تھی یہ بھی عنایت کہ وہ ہے راحم و غفار
ہر حال میں بندے کو اطاعت ہے سزاوار
مجبور ہیں ہم اور وہ ہے قادر و مختار
اکبرؑ سا جواں رشکِ قمر کس نے دیا تھا
وہ صبر بھی بخشے گا پسر جس نے دیا تھا

جینے کا یقیں رحلتِ عباسؑ میں کب تھا
مرجانا برادر کا قیامت تھا غضب تھا
اللہ پہ روشن ہے جو کچھ دل پہ تعب تھا
تڑپے نہیں یہ کس کی عنایت کا سبب تھا
بہتر تھا ہمارے لیے تنہائی کا مرنا
سب سہل ہے جب دیکھ چکے بھائی کا مرنا

داخل ہوئی خیلِ شہدا میں مری اولاد
جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد
سب اس پہ فدا ہیں علی اکبرؑ ہوں کہ سجادؑ
بندہ وہ ہے صاحب کی جو بھولے نہ کبھی یاد
طاعت تو ہے دشوار اطاعت تو نہ جائے
بیٹا تو گیا صبر کی دولت تو نہ جائے

رونے سے ملیں گر علی اکبرؑ تو میں روؤں
چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں روؤں
آباد جو ہو اُجڑا ہوا گھر تو میں روؤں
رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں روؤں
پھر کھوئے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا
دنیا سے گیا جو اسے آتے نہیں دیکھا

روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے اے دل
ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے اے دل
ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے اے دل
صابر سے رضامند خدا ہوتا ہے اے دل
مطلب ترے یہ مرحلے طے کر کے ملیں گے
جیتے ہیں تو فرزند سے اب مر کے ملیں گے

باتیں تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی
بندھتی تھیں صفیں رن میں اُدھر اہلِ جفا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک دھوم بکا کی
سمجھے شہِ مظلوم کہ اصغرؑ نے قضا کی
فرمایا کہ یارب کہیں جلدی اجل آئے
تڑپا یہ دلِ زار کہ آنسو نکل آئے

ڈیوڑھی کے قریب آ کے یہ شبیرؑ پکارے
جیتے ہیں کہ اصغرؑ سوئے فردوس سدھارے
فضہؑ نے کہا اے اسد اللہ کے پیارے
معصوم کا دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آئیے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

روتے ہوئے خیمے میں شہِ بحر و بر آئے
خوش ہو کے سکینہؑ نے کہا لو پدر آئے
بانو کو جو شبیرؑ اکیلے نظر آئے
چلائی کہ میدان سے نہ اکبرؑ ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں ان کو
صاحب مرے لٹنے کی خبر کیا نہیں اُن کو

کہہ دے کوئی مرتے ہیں علی اکبرِ گلفام
حضرت نے کہا ان سے کسی سے نہیں کچھ کام
ہم دارِ محن میں ہیں وہ گلزارِ جناں میں
سب قافلے والوں سے وہ منھ موڑ گئے ہیں
ہاتھوں کو دمِ نزع بھی وہ جوڑ گئے ہیں
اپنی بھی کوئی دم میں اجل آتی ہے صاحب
فرما کے یہ گہوارۂ اصغر پہ جھکے شاہ
خورشید لبِ بام نظر آیا جو وہ ماہ
چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے منھ پر
بل کھائے ہوئے ہاتھ جو تکیوں سے اٹھائے
رعشہ ہوا ہاتھوں کو قدم سرد جو پائے
کانٹے جو نظر آ گئے ننھی سی زباں میں
ننھے سے جو تکیہ سے ڈھلی جاتی تھی گردن
نیلے تھے لبِ سرخ جو مثلِ گلِ سوسن
چھاتی میں دھڑکتا جو دل اس ماہ جبیں کا
دیکھی جو مسوڑھوں کی کبودی تو ہوئے زرد
وہ ہچکیاں لے لے کے جو بھرتا تھا دمِ سرد
پتلی جو پھری جاتی تھی اُس غنچہ دہن کی
تھا نزع میں وہ غنچہ دہن پیاس کے مارے
چھاتی پہ کبھی ہاتھ دھرے گاہ اُتارے
دم رکتا تھا سینے میں تو ڈھل پڑتے تھے آنسو
چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
فریاد ہے اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر
کیا ہو گیا اس صاحبِ اقبال کو میرے

لائیں جو کہیں سے انھیں پانی کا ملے جام
جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں
اس عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑ گئے ہیں
تنہائی میں بابا کی کمر توڑ گئے ہیں
تنہا ہیں جوان کی بھی گزر جاتی ہے صاحب
دیکھا جو دم اکھڑا تو ہوا صدمۂ جانکاہ
رانڈوں کے جگر ہل گئے اس درد سے کی آہ
شبیرؑ نے منھ رکھ دیا فرزند کے منھ پر
منھ رکھ دیا بوسے لئے آنکھوں سے لگائے
ڈوڈی جو ملی نبض تو آنسو نکل آئے
اک درد کا نشتر تھا کہ ڈوبا رگِ جاں میں
دم باپ کا رک جاتا تھا اور کانپتا تھا تن
روتے تھے لہو، زرد تھا شہ کا رخِ روشن
صدمے سے اُچھلتا تھا کلیجہ شہِ دیں کا
یہ روئے کہ تر ہو گیا شہ کا رخِ پرگرد
اُٹھتا تھا کلیجے میں شہِ دیں کے عجب درد
اندھیر تھا آنکھوں میں شہنشاہِ زمن کی
اینٹھی تھی زباں موت کے آثار تھے سارے
منھ کھولتا تھا پیاس میں پانی کے اشارے
کھل جاتی تھیں آنکھیں تو نکل پڑتے تھے آنسو
دولت مری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغر
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو
خیمے سے چلے لے کے جو اس نورِ نظر کو
سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئیں گے رن سے
اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا
رقّت کا ہوا جوش کہ منہ کو جگر آیا

گہوارے پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانوؑ
سب بی بیاں چلّا کے یہ کرنے لگیں زاری
یا سبطِ نبی تن سے چلی جان ہماری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
حضرتؑ نے کہا شوق سے بے شیر کو دیکھو
بیتاب ہو کیوں اصغرِ دل گیر کو دیکھو

موت آج جواں کی ہے تو چارا نہیں صاحب
تم ماں ہو بڑے دکھ سے اسے تم نے ہے پالا
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا
خوشنود ہیں وہ عشق ہے اللہ سے جن کو
ہیں ان کو نہ لے جاؤں اگر ہے ہمیں وسواس
اب تو ہے تمہاری یہی اُمید یہی آس

یوں چلتی ہے میداں میں ہوا سرد نہیں ہے
دھڑکا ہے کہ بے رحم کہیں تیر نہ ماریں
واں تیر ہیں میکر لئے تلواروں کی دھاریں
قاتل ہیں وہ اکبرؑ کے تو سجاد کے دشمن
نیزہ علی اکبرؑ کو مرے سامنے مارا
ہیں دشمنِ اولادِ علی وہ ستم آرا
غم ہو کہ عبث لا کے جگر بند کو کھویا

لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے
گہوارۂ بے شیر جو خالی نظر آیا
رنگ اُڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا

ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانوؑ
گھبرا کے اُٹھی اور یہ حضرت کو پکاری
اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
اک بار پھر اس ہنسلیوں والے کو دکھا دو
لو آ کے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
کیا صبر کیا ہے دلِ شبیرؑ کو دیکھو

کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب
ہے حق بہ طرف گر ہو کلیجہ تہ و بالا
ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
اکبر کو فدا کر کے لئے جاتا ہوں ان کو
دوری علی اکبرؑ سے ہوئی یہ تو رہیں پاس
اور اس کے سوا پانی کے ملنے سے بھی ہے یاس

وہ لوگ ہیں واں جمع جنہیں درد نہیں ہے
شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر کو سدھاریں
غل ہے کہ حسینؑ آئیں تو سر تن سے اتاریں
ہیں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن
پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
اُس کو بھی کریں قتل تو کیا زور ہمارا
تم دل میں کہو باپ نے فرزند کو کھویا

برگشتہ ہے تقدیر مخالف ہے زمانا
سچ کہتی ہو تم ان کا مناسب نہیں جانا
دکھ درد رنڈاپے کا بھی سہہ لیجیو بانو!
لو گود میں فرزند کو اللہ نگہباں
بانو نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن
یوں آپ جسے چاہیے دے جایئے ان کو
میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرت شبیرؑ
بے تاب تھا دل، کی ہو جو بے جا کوئی تقریر
فرزند کا غم ماں کے کلیجے کو چھری ہے
خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے
دکھ درد میں یوں جس کی بسر ہو وہی جانے
شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سوئے
پلتا ہے پسر ایک جواں عمر کو کھوئے
ماں چپ رہے اور گود سے جائے پسر ایسا
میں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں
خوشنود ہوں لے جایئے ان کو سوئے میداں
ہاں صبر خدا دے یہ دعا کیجیو صاحب
شہ بولے یہ کیا کہتی ہو اے بانوئے دلگیر
دخل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر
واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودی رب ہے
لو گود میں لے کر انھیں چھاتی سے لگاؤ
بھاری کوئی کرتا علی اصغر کو پنہاؤ
دولہا سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا:

دشوار ہے اب جا کے مرا خیمے میں آنا
الفت ہے اگر ہم سے تو آنسو نہ بہانا
جو کہنا ہو اللہ سے کہہ لیجیو بانو!
ہر حال میں زینب کی اطاعت کا رہے دھیان
لونڈی سے خفا کچھ ہوئے ہیں آپ کے قربان
کب میں نے کہا تھا کہ نہ لے جایئے ان کو
ہر دکھ میں رضا جوئے خدا تابع تقدیر
ہیں آپ خطا پوش بحل کیجے تقصیر
صدقے گئی یہ آتما کی آنچ بری ہے
اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے
آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر
دھڑکا ہے کہ بچہ کہیں بے چین نہ ہووے
جس نے یہ اٹھائی ہو مصیبت وہ نہ روئے
صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگر ایسا
یہ خادمۂ خاص تو ہے تابع فرماں
کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبر ذی شاں
نام ان کا جواب لوں تو گلا کیجیو صاحب
واللہ بدل تم سے رضامند ہے شبیرؑ
صاحب انھیں دریا پہ لئے جاتی ہے تقدیر
اکبر تو گئے جس جا وہیں ان کی بھی طلب ہے
بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
اکبر کے جو بچپن کا عمامہ ہو تو لاؤ
تم شکر کرو آج کہ دودھ اس کا بڑھے گا

یہ سُن کے کہا ماں نے کہ آ اے مرے پیارے
کپڑے تھے جو بھاری وہ بٹھائے یہ اُتارے
جھک جھک کے جو فرزند کا منہ یاس سے دیکھا
مادر سے اشارا تھا کہ دنیا سے چلے ہم
گودی میں تمہاری چھ مہینے تو پلے ہم
کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں

اک شور تھا اللہ نگہبان علی اصغرؑ
پیاسے علی اصغر مرے ذی شان علی اصغر
چھٹتا تھا جو بھائی تو موئی جاتی تھیں بہنیں
بچے کو لئے گھر سے جو نکلے شہِ والا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ

یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر
بولا کوئی ہے زیرِ عبا مُصحفِ داور
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیرؑ
بولا کوئی بے درد، نہیں یہ نہیں اصلا
سادات پہ اس دشت میں ہے تنگ افاقا
اشک آنکھوں میں ہیں چاک گریباں کیے ہیں

سُن کر یہ کلام ان کا پکارے شہِ عادل
میّت ہے نہ قرآں ہے یہ اے فرقۂ جاہل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
یہ چھوٹا سا سیّد بھی ہے مہمان تمہارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا
کچھ پانی کے بدلے تمہیں لینا ہو تو کہہ دو

سُرمہ بھی دیا بال بھی سب سر کے سنوارے
رو کر کہا تو جاؤ میں قربان تمہارے
ماں کو علی اصغر نے عجب یاس سے دیکھا
افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم
یہ دارِ محن رہنے کے قابل نہیں اماں

چلاتی تھیں پھوپیاں مرے نادان علی اصغر
ماں کہتی تھی جاتے ہو میں قربان علی اصغر
منہ چھاتی پہ رکھے ہوئے چلاتی تھیں بہنیں
تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
دامانِ عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لئے ہیں شہِ صفدرؑ
تا صلح کریں ہم سے اسے بیچ میں دے کر
قرآں کو شفاعت کے لئے لاتے ہیں شبیرؑ
ہے صابر و شاکر پسرِ حضرتِ زہراؑ
بے جان ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچّا
میّت کسی معصوم کی شبیرؑ لئے ہیں

تم نہ تو محمدؐ کے نہ قرآں کے ہو قائل
یہ مُصحفِ ناطق کے گلے کی ہے حمائل
لے آیا ہوں زہراؑ کے صحیفے کے ورق کو
کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس نے مارا
میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہہ دو

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے
قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
پانی دو لاے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے
خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا
اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا

مارا جنھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی
اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
یہ لعل ہے میرا اچھے جینے کی کمائی
مر جائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنوں کی یہ ہے جان تو پھوپھیوں کا جگر ہے
مر جانے میں اس کے کئی جانوں کا ضرر ہے

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لادو
تم آپ اسے آن کے چلّو سے پلا دو
مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو
للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منھ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو
جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جس کے جگر بند نے کی ہو
انصاف کرے دل پہ چھری جس کے چلی ہو
غمگین ہو تو سوز نفس سرد کو سمجھے
جس دل میں نہ ہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے
بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے
اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
اک یاد الٰہی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی
یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی
مر جاؤں میں پر اس کی بجھے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منھ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ دنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

یہ کہہ کے اٹھایا رخ بے شیر سے دامن
چہرے کی تجلّی سے جہاں ہو گیا روشن
دیکھی جو ہیں وہ چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن
کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے ان میں
تھرّا گئے جو صاحب اولاد تھے ان میں

کی آہ کسی نے کوئی منھ پھیر کے رویا
دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا
بولا کوئی ایمان بھی گیا دین بھی کھویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے
بولا کوئی بچہ ہے تو ہوا دھیان کدھر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دے گا
تب شمر پکارا کہ ہمیں رحم نہیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے
بے صبر نہیں گو کہ گرفتارِ قلق ہوں

یہ سُن کے بڑھا صف سے بنِ کاہلِ بے پیر
جوڑا ستم ایجادوں نے چلّے میں ادھر تیر
چلّاتے تھے باہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
کب سُنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیرِ قضا را
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رُخ پہ ڈھل آئے

گھبرا کے سری کو جو لگے کھینچنے سرور
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوئے انور
بیتابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر
ہاتھوں پہ جو مُردہ اُسے شبیرؑ نے پایا
تھرّاتے ہوئے ہاتھوں پہ میّت کو اُٹھایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا

شیعوں کے گناہوں سے مجھے ہے خطر و بیم
آئی یہ ندا ان پہ کسی کو نہیں تقدیم
گھبرا نہ اُنھیں اجرِ گراں مایہ ملے گا
تو بندۂ صابر ہے تو ہم صادق الاقرار
ناجی ہیں ترے دوست ہوں کیسے ہی گنہ گار
شبیرؑ نہ غم کھا تجھے ہم شاد کریں گے

معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لے گا
یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسیں ہے
اس فوج میں ایک ایک شقی دشمنِ دیں ہے
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجتِ حق ہوں

پیاسے علی اصغر کے ہوئی قتل کی تدبیر
چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیر
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم
اک تیرِ ستم تاک کے معصوم کو مارا
بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

سب خون سے کُرتا بھی شلوکا بھی ہوا تر
ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر
آہ دلِ مظلوم نے گردوں کو ہلایا
کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدایا
طالب ہوں فقط مغفرتِ اُمتِ جد کا

ناموں پہ انھیں کے ہو ثواب اس کا بھی تقسیم
بخشا انھیں اے راہروِ جادۂ تسلیم
فردوس میں سب کو ترا ہمسایہ ملے گا
تو شافعِ اُمت ہے تو ہم راحم و غفار
مالک ہے جہنم کا تو فردوس کا مختار
شیعوں سے ترے خلد کو آباد کریں گے

سن کر یہ صدا شاد ہوئے سبط پیمبرؐ
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لٹے ہیں
جنگل کے درندوں سے برادر کو بچانا
کوثر پہ جو پہونچو گے تو پیاس ان کی بجھانا
مثل گل تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں

فرزند کے لاشے سے یہ کہتے تھے ابھی شاہؑ
تولے ہوئے تیغوں کو بڑھا لشکر گمراہ
حربے کے لئے ہاتھ جو دو ایک کے اٹھے
لاشوں کو پکارے کہ خدا حافظ و ناصر
طے جلد ہوئی جاتی ہے یہ منزل آخر
بلوہ یہ نہ دیکھا یہ صف آرائی نہ دیکھی

فرما کے یہ مرنے پہ کسا اور کمر کو
جلوہ دیا کرار کی شمشیر دو سر کو
جوہر تو ادھر برق شرربار میں چمکے
چھیڑا جو فرس کو اسد اللہ کے پسر نے
پہونچا دیا سر عرش پہ شمشیر دو سر نے
تھا ہوش نہ پریوں کو نہ انساں کو نہ جن کو

اللہ ری چمک صاعقۂ تیغ دو سر کی
گھبرا کے ادھر ثور نے ماہی کو خبر کی
گردوں پہ تھے مہر کو یہ تاب نہیں تھی
خورشید جو ڈر ڈر کے چھپا اور نکل آیا
منھ برق نے بھی خرمن گردوں سے نکالا
غل چار طرف تھا کہ گھرے قہر خدا میں

اصغرؑ کو لئے آئے سوئے لاشۂ اکبرؑ
چلائے کہ ہاتھ اپنا دھرو لے مہ انور
ہشیار کہ یہ پہلی پہل ماں سے چھٹے ہیں
گر روئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
لیجو انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
گردن نہ دکھے تیر ستم کھائے ہوئے ہیں

چلنے لگے پھر تیر ستم فوج سے ناگاہ
آزردہ ہوئی خاطر فرزند ید اللہ
اک شیر سے شمشیر علیؑ ٹیک کے اٹھے
اب مرنے کو جاتا ہے یہ مظلوم مسافر
دو لاکھ عدو جمع ہیں اک جان کی خاطر
افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

جولاں کیا اس دم فرس برق سیر کو
ہتھوا لیا حضرت حمزہ کی سپر کو
اک چاند ستارے سے شب تار میں چمکے
مجرا کیا اقبال نے، تسلیم ظفر نے
دکھلایا عروج شب معراج سپر نے
غل تھا کہ جہاں میں شب قدر آئی ہے دن کو

جبریل کو گردوں پہ ہوئی فکر سپر کی
بڑھنے لگے مولا تو زمیں کانپ کے سرکی
ذرے تھے کہیں دھوپ کہیں چھاؤں کہیں تھی
گہہ دھوپ تھی سایے پہ کبھی دھوپ پہ سایا
شمشیر کے شعلے کی کوئی تاب نہ لایا
آگ آب میں پنہاں ہوئی اور خاک ہوا میں

جب اَوج دکھاتی تھی وہ تیغ دودم اپنا
افعی بھی اُگل دیتے تھے ڈر ڈر کے سم اپنا
یوں بھاگتے تھے شیر کہ دم بھول گئے تھے
نعروں سے دہلتی تھی زمیں کانپتا تھا رن
وہ تیزیٔ شمشیر وہ چالاکیٔ توسن

عنبر ہیں یہ بو بد ہیں یہ نور کہاں ہے
شمشیر چمکنے میں یہ کرتی تھی اشارا
وہ بحرِ فنا ہوں کہ نہیں جس کا کنارا
منھ پر کبھی افواجِ ستم چڑھ نہیں سکتی
دنیا میں کوئی صاحبِ جوہر نہیں مجھ سا
افعی نہیں مجھ سا کوئی اژدر نہیں مجھ سا

بُت توڑ دیے ہیں جو سوئے دَیر گئی ہوں
خیبر کی لڑائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اعدا کی دُہائی کی خبر کس کو نہیں ہے
بے فتح تشفی کبھی میری نہیں ہوتی
اُس شیر کی شمشیر ہوں جو شیرِ خدا ہے
قبضے میں اب اُس کے ہوں جو سلطانِ ہدا ہے
برسوں میں مرے زخم کا مرہم نہیں بھرتا
گردوں سے جسے حق نے اُتارا ہے وہ میں ہوں
جس سے جگرِ کفر دوپارا ہے وہ میں ہوں
کفار کی لاشوں سے بیاباں کو بھرا ہے

پہچانتے تھے خوب پیمبرؐ مرے جوہر
کھولے ہیں یداللہ نے اکثر مرے جوہر
ہوں دشمنِ جاں جن بھی یہ سب جان گئے ہیں

دانتوں میں پکڑتا تھا عطارد قلم اپنا
اژدر بھی پہاڑوں میں چھپاتے تھے دم اپنا
دہشت تھی کہ وحشت کو ہرن بھول گئے تھے
وہ تند نظر قہر کی وہ غیظ کی چتون
وہ عطرفشاں زلفِ سیہ وہ رُخِ روشن

سارا شبِ معراجِ محمدؐ کا سماں ہے
اک ضرب میں عنتر کو کیا میں نے دوپارا
اے قوم مرے گھاٹ سے مشکل ہے اُتارا
دھارے سے مری کشتیٔ تن بڑھ نہیں سکتی
سر تیز کوئی دشنہ و خنجر نہیں مجھ سا
فولاد کے دریا کا شناور نہیں مجھ سا

خندق کو تو دو ہاتھ میں میں پیر گئی ہوں
اس قلعہ کشائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس منھ کی صفائی کی خبر کس کو نہیں ہے
سیروں جو لہو پی لوں تو سیری نہیں ہوتی
تلواروں سے عالم کی مرا کاٹ جدا ہے
تمغے کی جگہ نقشِ فنا مجھ پہ کھدا ہے
پیروں جو لہو میں تو کبھی دم نہیں بھرتا
جرّاروں کو جس تیغ نے مارا ہے وہ میں ہوں
دریا جو زمانے میں دودھارا ہے وہ میں ہوں
اسلام کا گلشن مرے پانی سے ہرا ہے

مخفی نہیں جبریلِ امیں پر مرے جوہر
کفار نے دیکھے ہیں مکرّر مرے جوہر
جبریل بھی لوہے کو مرے مان گئے ہیں

اے قوم نکالے ہیں یہ بُت بیتِ حرم سے
اقبال سے حیدر کے محمدؐ کے حشم سے
ایماں کے گلستاں میں ہے رونق مرے دم سے
سب سیکھے ہیں سجدے ہیں یہ جھکنا مرے خم سے
تھا فکر کا رشتہ جسے تسبیح کیا ہے
زنّار کو ڈورے نے مرے کاٹ دیا ہے

دیکھو مجھے میں نفیِ عدو کے لیے لا ہوں
کھاتی ہے جو دشمن کا کلیجہ وہ بلا ہوں
قصرِ تنِ اعدا کے لیے سیلِ فنا ہوں
کافر کے لیے درد ہوں مومن کی دوا ہوں
ناگن میں نہ ہوگی کبھی جو لہر ہے مجھ میں
چڑھ کر جو اُترتا نہیں وہ زہر ہے مجھ میں

ناگاہ بڑھے شاہ چلی تیغ چمک کے
شعلے نے لیا لشکرِ ناری کو لپک کے
جنگل کی طرف دوڑ گئی آگ بھڑک کے
تھرانے لگے شیر پہاڑوں میں دبک کے
ہر سو کرۂ نار کا عالم نظر آیا
میدان بلاخیز جہنم نظر آیا

تیغ آئی چمک کر کہ قضا آئی سروں پر
یا کھولے ہوئے منہ کو بلا آئی سروں پر
لہراتی ہوئی سیلِ فنا آئی سروں پر
سر اُڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی سروں پر
دم بھر میں نہ صف تھی نہ سواروں کا پرا تھا
اعدا کا لہو تیغ کی باچھوں میں بھرا تھا

جس صف پہ چمک کر وہ گئی ڈر گئے اعدا
بس خون میں سرتا بہ قدم بھر گئے اعدا
بھاگڑ میں جدھر ششدر و مضطر گئے اعدا
بجھ بجھ گئے پس پس گئے مر مر گئے اعدا
مقتل میں سواروں پہ فرس ٹوٹ رہے تھے
دو ایک پہ اور پانچ پہ دس ٹوٹ رہے تھے

اک برق چمکتی تھی صفِ فوجِ ستم پر
بسمل بھی تڑپ جاتے تھے اس تیغ کے دم پر
یوں کاٹتی دستانے کو جاتی تھی جھلم پر
جس طرح چلے تیز چھری نرم قلم پر
ہر شے کے اڑا دینے میں فیاض تھی شمشیر
چار آئنہ قرطاس تھے مقراض تھی شمشیر

سر گرتے تھے ہر بار زرہ پوشوں کے تن سے
جوشن تنِ کفار میں بدتر تھے کفن سے
ٹوٹی تھیں صفیں تیغِ شہِ قلعہ شکن سے
آتی تھی جو رن سے تو نکل جاتی تھی سن سے
کیا رکتے ڈھالوں پہ وہ تیغ دو زباں کو
روکا ہے کبھی باغ کے پتوں نے خزاں کو

گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی نیزے کی گرہ میں
ترکش میں کبھی گاہ کماں میں کبھی زہ میں
مچھلی سی کبھی پیر گئی موجِ زرہ میں
اک تیغ سے تھا زلزلہ برپا کہ دمہ میں
جب کوند کے اُٹھی اُسے افلاک پہ دیکھا
دیواروں کو چار آئینے کی خاک پہ دیکھا

مقتل سے جری تیغ و سپر چھوڑ کے بھاگے
ہل چل تھی کہ بیٹوں کو پدر چھوڑ کے بھاگے
یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے
جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے
غل تھا کہ نماز اس کی پڑھو فرض یہی ہے
اے قوم اذا زلزلت الارض یہی ہے

ریتی پہ تڑپتے ہوئے تن اس نے دکھائے
پھوٹے ہوئے زخموں کے چمن اس نے دکھائے
سو رنگ نہ چرخِ کہن اس نے دکھائے
چلنے میں قیامت کے چلن اس نے دکھائے
خود آیۂ نصرت بھی ظفر کام تھا اس کا
مفتاحِ طلسماتِ جہاں نام تھا اس کا

کس غول پہ وہ صاعقۂ کردار نہ چمکی
کس فرق پہ بجلی سی وہ خونخوار نہ چمکی
اس تیغ کے آگے کوئی تلوار نہ چمکی
تلوار تو کیا برقِ شرربار نہ چمکی
آنچ اس کی جلا دینے میں بجلی تھی قضا کی
کہتا تھا جہنم کہ پناہ اس سے خدا کی

تن سرد ہوئے گرم ہوا موت کا بازار
جاں تن پہ گراں جنگ میں تھی دوش پہ سر بار
جب صورتِ مقراض اٹھی تیغِ شرربار
ابریشمِ خورشید مقرض ہوا ہر بار
تھراتا ہے مہر آج تلک چرخِ بریں پر
ذرّے یہ وہی ہیں جو چمکتے ہیں زمیں پر

اس تیغ سے تھی چار طرف مشتعل آتش
اعدا کا تن آتش جگر آتش تھا دل آتش
تھی گرمیٔ بازارِ اجل سے خجل آتش
آتش پہ برستی تھی پڑی متصل آتش
ارزاں جنھیں شمشیرِ اجل دم نے خریدا
خود آگ کے مول اس کو جہنم نے خریدا

ہر صف کو جھکا کر تہ و بالا کیا اس نے
لشکر کے اندھیرے کو اجالا کیا اس نے
کاسے کو ہر اک سر کے پیالا کیا اس نے
خود آگیا جب منہ پہ نوالا کیا اس نے
چار آئنہ کاٹا ہوئی حیرت کہ و مہ کو
کڑیاں نہ ملیں کھا گئی اس طرح زرہ کو

لشکر کو ادھر سطوتِ شاہی نے دبایا
گر گر کے سپاہی کو سپاہی نے دبایا
تلواروں کو شمشیرِ الٰہی نے دبایا
اٹھنے لگیں ڈھالیں تو سیاہی نے دبایا
نیزوں کے بھی سر خاک پہ دہشت سے جھکے تھے
کیا چلتیں کہ تلواروں کے دم آپ سے تھے

اس تیغ کے منہ پر کوئی جانباز نہ ٹھیرا
پلے پہ بھی جا کر قدر انداز نہ ٹھیرا
دہشت سے کوئی شعبدہ پرداز نہ ٹھیرا
اک جا قدمِ شمرِ فسوں ساز نہ ٹھیرا
کنجشک کی کیا قدر ہے شہباز کے آگے
جادو کہیں چل سکتا ہے اعجاز کے آگے

پھل اُڑ گئے پیتا ہوئے سب برچھیوں والے
دیکھے جو گلِ زخم پڑے جان کے لالے
یہ رنگ لڑائی کا بدلتے نہیں دیکھا
جس صف پہ گئی زلزلہ برپا کیا اُس نے
گرما کے جو مُنھ جانبِ دریا کیا اُس نے
گردن پہ دمِ تیغِ اجل دم نظر آیا
تھا شور کہ اس تیغ کا پانی نہیں سم ہے
ناب اس کی نہیں جادۂ صحرائے عدم ہے
جنّات کو ڈر ہے اسی تیغِ دو زباں کا
سَو سَو شجرِ باغِ ستم کاٹ کے اٹھی
مغفر پہ جو چمکی تو جھلم کاٹ کے اُٹھی
غل تھا یہ بلا وہ ہے کہ ٹالی نہیں جاتی
جب آ گئی وہ تیغ کمانوں کے برابر
تھے توڑ بس جو تیر سنانوں کے برابر
جا سکتے تھے گوشوں میں کہیں امن و اماں کے
تھی صورتِ سین اس لئے وہ صاحبِ توقیر
حلقہ تھا نہ پیکاں تھا نہ گوشہ تھا نہ زہ گیر
ثابت کسی سرکش کی نہ ترکش کی سری تھی
اللہ ری ہل چل کہ جُدا ہو گئے یک بار
نیزے سے انی، برچھی سے پھل، تیر سے سوفار
سینے کی نہ دل کو نہ خبر دل کی جگر کو
کونین میں تھا شور ثنائے شہِ اکرم
آتی تھی یہ ہاتف کی صدا چرخ سے پیہم
کیوں کر زباں نہ ہو تو کس کا گُل اندام ہے شبیرؑ

شاخوں کی طرح صاف قلم ہو گئے بھالے
تھے ہر شجرِ قد کی جگہ خون کے تھالے
یوں تیغِ خزاں کو کبھی چلتے نہیں دیکھا
ہر قصرِ بدن کو تہ و بالا کیا اُس نے
پانی کے نگہبانوں کو ٹھنڈا کیا اس نے
سوتے سے جو چونکے تو جہنّم نظر آیا
دم بھر نہیں تھمتی ہے عجب طرح کا دم ہے
جو سر ہے وہ اس تیغ کی محراب میں خم ہے
جوہر نہ کہو دام ہے یہ طائرِ جاں کا
ہر نیزے کو مانندِ قلم کاٹ کے اُٹھی
ہر برق کو نہ پایا تو علم کاٹ کے اُٹھی
گر پڑتی ہے جب برق تو خالی نہیں جاتی
مقتولوں کے تودے ہوئے نشانوں کے برابر
وہ خاک پہ غلطاں تھے نشانوں کے برابر
موجود تھی مرکز کی طرح سر پہ کماں کے
اسبابِ شجاعت کی سر آمد تھی وہ شمشیر
کٹ جاتے تھے مثلِ خطِ باطل الفِ تیر
بے چلّہ کماں جو تھی وہ نونِ نظری تھی
گردن سے تو سر جسم سے دم ہاتھ سے تلوار
ہاتھوں سے کمانیں تو کمانوں سے کماں دار
تلوار تلے چھوڑ گیا باپ پسر کو
کرتا تھا مباہات خداوندِ دو عالم
احسنت ہے اے اشرفِ ذرّیتِ آدم
اس پیاس میں یہ جنگ ترا کام ہے شبیرؑ

بولے شہِ والا کہ یہ سب لطفِ خدا ہے
نے زیست کی خواہش نہ تمنائے وغا ہے
کچھ منہ سے نہ شکوہ غمِ جانکاہ میں نکلے
یہ کہہ کے لعینوں کو پکارے شہِ ابرار
یہ عصر کا ہنگام ہے اے لشکرِ کفار
تلواروں میں سجدے کے لئے کود پڑیں گے
زینب نے سُنی ڈیوڑھی سے جب شہ کی یہ تقریر
لاؤ صفِ ماتم کہ نہیں بچنے کے شبیرؑ
عابد کو جگا دو سفر اب کرتے ہیں بھائی
اب گھر سے نکلتی ہوں میں اے بی بیو آؤ
سوتے ہیں کہاں باپ کے عاشق کو جگاؤ
نرغہ مرے ماں جائے پہ ہے اہلِ جفا کا
گھبرا کے اِدھر کھول دیئے بی بیوں نے سر
نرغے جو ہوا سر سے کمر تک تنِ اطہر
پانی کے بھی سائل نہ ہوئے برچھیاں کھائے
راوی نے یہ لکھا ہے کہ تھا چار گھڑی دن
تھے عرش کو تھامے ہوئے سب عرش کے ساکن
پہلو سے نہ بیٹے کے جدا ہوتی تھی زہراؑ
جس صوتِ حسن سے شہِ دیں کہتے تھے تکبیر
اے عابد و زاہد ترے ہو تری کون سی تقصیر
ہوئے مجھے یہ محوِ عبادت ہوئے بیٹا
واں شمر سے بولا یہ پسرِ سعدِ جفا کار
سید کا یاور ہے کوئی اور نہ مددگار
بہتر ہے اگر جلد گلا تیغ سے کٹ جائے

میں کیا ہوں بھلا اور شجاعت مری کیا ہے
اب خنجرِ بے آب کا مشتاق گلا ہے
حسرت ہے کہ دم سجدۂ اللہ میں نکلے
لو آؤ کہ اب میان میں ہم رکھتے ہیں تلوار
قاتل سے کہو تیز کرے خنجرِ خونخوار
اکبر کی جوانی کی قسم، اب نہ لڑیں گے
چلائی کہ لو رانڈ ہوئی بانوئے دلگیر
ہے ہے پسرِ فاطمہ نے روک لی شمشیر
خود شمرِ ستمگر کو طلب کرتے ہیں بھائی
لو فوج نے گھیرا مرے بھائی کو بچاؤ
سر کھول کے سب آئیں یتیموں کو بلاؤ
یہ وقت ہے بن باپ کے بچوں کی دعا کا
حضرت پہ اُدھر ٹوٹ پڑے لاکھ ستمگر
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزندِ پیمبرؐ
قبلے کی طرف جھک گئے سجدے میں خدا کے
جس وقت جھکا سجدے میں وہ خلق کا محسن
مقتل میں کھڑے پیٹ رہے تھے ملک و جن
سب خاک پہ گر پڑتے تھے جب روتی تھی زہراؑ
ماں کہتی تھی صدقے تری آواز کے شبیرؑ
ہے ہے ترے سینے میں گڑے جاتے ہیں سب تیر
بتلاؤ تو زینب سے بھی رخصت ہوئے بیٹا
سجدے میں بڑی دیر سے غش ہیں شہِ ابرار
کیا دیر ہے جا کھینچ کے اب خنجرِ خونخوار
زینبؑ کہیں آ کر نہ برادر سے لپٹ جائے

تھراتا ہے دل شمر کا آنا کہوں کیونکر
اس سینے کا زانو سے دبانا کہوں کیونکر

بیکس ہوئے سب شیعہ امامِ دوجہاں کے
لے کر سرِ اقدس کو چلا شمرِ سیہ رو
یاں ٹوٹ پڑے لاشۂ بیکس پہ جفاجو
ہتھیاروں کے لینے کو لڑے مرتے تھے ظالم
بھاگا کوئی عمامۂ پُرخوں کو اُٹھا کے
کھینچا کسی بے رحم نے دامن کو عبا کے

مرکر بھی بڑے ظلم و ستم سہہ گئے شبیرؑ
ملبوس بدن لے گئے سب لوٹنے والے
پہلوئے مُبارک میں گڑے رہ گئے بھالے
شبیر کا سر نیزۂ خولی کی اَنی پر

اب تاب انیسؔ آگے سماعت کی نہیں
یارب مجھے دکھلادے مزارِ شہِ بیکس
پاکیزہ و طاہر لحدِ پاک سے اُٹھوں

اور فاطمہؑ کا خاک اُڑانا کہوں کیونکر
سید کا زباں خشک دکھانا کہوں کیونکر

کاٹا گیا بیٹے کا گلا سامنے ماں کے
وہ ہاتھ ستمگار کا اور ہائے وہ گیسو
لوٹے لگی پوشاکِ تنِ سیدِ خوش خو
مظلوم کے لاشے پہ گرے پڑتے تھے ظالم
دستانے کوئی لے گیا شاہِ شہدا کے
ہاتھوں سے کوئی کھولتا تھا بندِ قبا کے

اُس دھوپ میں عُریاں پڑے رہ گئے شبیرؑ
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
کیوں چرخ یہ حال اس کا جسے فاطمہؑ پالے
تف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دَنی پر

مقبولِ امامِ دوجہاں ہے یہ مسدس
مرکر مرا مدفن ہو وہی ارضِ مقدس
پہنے کفن اُٹھوں تو اسی خاک سے اُٹھوں

رُباعی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکرِ شام وہ ستارا ہوں میں

۲۰ مرثیہ ۱۵۱ بند

یارب کسی کا باغِ تمنا خزاں نہ ہو — دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
ماں باپ سے جدا پسرِ نوجواں نہ ہو — چھٹ جائیں سب پہ فرقتِ آرامِ جاں نہ ہو
گر لاعلاج ہے تو کلیجے کا داغ ہے — بدتر وہ قبر سے ہے جو گھر بے چراغ ہے

دشمن کو بھی جہاں میں فراقِ پسر نہ ہو — ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد، پہ دردِ جگر نہ ہو — یارب کسی کو صدمۂ نورِ نظر نہ ہو
مٹی ہے سلطنت جو ملے کائنات کی — بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذت حیات کی

یعقوب سے جو یوسفِ عالی گہر چھٹا — گیارہ پسر تو رہ گئے اک سیم بر چھٹا
راحت چھٹی الم میں ضعیفی میں گھر چھٹا — چلاتے تھے کہ ہائے پدر سے پسر چھٹا
مجروح تھا جو دل تو کلیجہ فگار تھا — راحت نہ رات کو تھی نہ دن کو قرار تھا

فرزند گرچہ کچھ نہیں آتا کسی کے کام — اس سے پدر کو رنج پہنچتے ہیں صبح و شام
لیکن وہ یہ نگیں ہے کہ رہتا ہے جس کا نام — دم بھر پسر جدا ہو تو ہے زندگی حرام
دشمن کو بھی نہ اپنی کمائی سے یاس ہو — عشرت رہے یہ دولتِ اولاد پاس ہو

زانو پہ مر گیا جو برابر کا نورِ عین — غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جھک گئے حسینؑ
جب ہو جگر پہ زخم تو کیا آئے دل کو چین — اللہ رے غم کہ پیر ہوئے شاہِ مشرقین
پھر تو نہ کوئی آس نہ کوئی امید تھی — چہرہ تھا زرد ریشِ مبارک سفید تھی

فرماتے تھے کہ لے خبر اب جلد اے اجل — اے دم خدا کے واسطے اب جسم سے نکل
ساعت ہے ایک سال مہینے ہر ایک پل — اے تیغِ شمر اب کہیں جلدی گلے پہ چل
موت اس کی زندگی ہے جسے سب سے یاس ہو — بابا کی قبر بھی علی اکبرؑ کے پاس ہو

فرما کے یہ پھرے جو شہنشاہِ تشنہ لب — دیکھا کہ در پہ رو رہے ہیں اہلِ بیت سب
حضرت پکارے اے حرمِ سیدِ عرب — اکبر بھی مر چکے کوئی باقی نہیں ہے اب
بھائی کو رو چکے انھیں اب رو کے آئے ہیں — بانو تمہارے لال کو ہم کھو کے آئے ہیں

بے جاں ہوا جوان پسر وا مصیبتا
توڑا پسر نے بند کمر وا مصیبتا
واں خنجروں کو سان پہ اعدا پڑھاتے ہیں

جس دم سنا امام دو عالم سے یہ کلام
اکبرؑ کا غم بھی بھول گئیں بی بیاں تمام
بھائی کا حال دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
قدموں پہ رکھ کے سر کو یہ بولی وہ سوگوار
روتے ہوئے جو آئے شہنشاہ نامدار
اُلفت یہ اس کی ٹکڑے کلیجے کے ہوتے ہیں

شہ کہتے تھے کہ کم کرو اُلفت سکینہ جان
سینے پہ منھ کو رکھ کے نہ روؤ بصد فغاں
مسدود کر دو ان کو جو اُلفت کے باب ہیں
یثرب سے موت لائی تھی ہم کو سوئے عراق
ہر چند دردِ ہجرِ عزیزاں ہے دل پہ شاق
تم سب کو حکم صبر ہے رقت نہ چاہیئے
کیوں میرے منھ کو دیکھ کے روتی ہو بار بار
دنیا سے اُٹھ گئے ہیں یوں ہی سب بزرگوار
اس قافلے میں خلق کا حاجت روا تو ہے

یہ کہہ کے رُخ حضرت زینب پہ کی نظر
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بیٹھو نہ سر کھول کے ہمیرؑ کے واسطے
آنکھوں کے سامنے ہوا اماں کا انتقال
بھائی حسنؑ کے مرنے کا کچھ کم نہ تھا ملال
سر خاک پر پٹک کے بلکتی ہو روتی ہو

خالی ہوا حسینؑ کا گھر وا مصیبتا
بیکس ہوا غریب پدر وا مصیبتا
لو الوداع مرنے کو اب ہم بھی جاتے ہیں

ثابت ہوا حرم کو یہ کہ مرنے چلے امام
ڈیوڑھی کے پاس گر پڑی بانوئے نیک نام
پردہ اُلٹ کے دختر زہراؑ نکل پڑی
خیمے میں چلیے اے شہ والا بہن نثار
لپٹی پدر سے آ کے سکینہ جگر فگار
سب بی بیاں بھی روتی ہیں حضرت بھی روتے ہیں

ہم ہیں تمہارے پاس کوئی دم کے میہماں
اب ہوگا کوئی آن میں زانوئے شہریاں
بی بی ہم اب مسافر پا در رکاب ہیں
مدت سے وصل جد و پدر کا ہے اشتیاق
انجام اتحاد مسافر کا ہے فراق
بی بی مسافروں سے محبت نہ چاہیئے
مرضی میں کبریا کی مرا کیا ہے اختیار
کرتا ہے رحم و لطف یتیموں پہ کردگار
اچھا جو کوئی سر پہ نہ ہوگا خدا تو ہے

دیکھا بھرا ہے ماتھے میں خوں اور پھٹا ہے سر
زینبؑ تمہارے غم سے ہے ٹکڑے مرا جگر
کیا اپنی جان دو گی برادر کے واسطے
دنیا سے تیغ کھا کے گئے شیرِ ذوالجلال
ان آفتوں میں یہ نہ ہوا تھا تمہارا حال
میں ایسا کیا ہوں جس کے لئے جان کھوتی ہو

بھینا طریقہ جہلا ہے فغان و آہ
درپیش ہر بشر کو ہے یہ ناگزیر راہ
بیٹوں سے باپ بہنوں سے بھائی جدا ہوئے
دیکھو کہ جیتے تک تھے مرے سب رفیق و یار
افسوس دو پہر میں خزاں ہو گئی بہار
برسوں میں جن کو جمع کیا تھا وہ مر گئے
مرنا پھر ایک دن ہے جو ہو سو برس حیات
ہوتا جو زندگی کے لیے خلق میں ثبات
ہر چند آج مالک روئے زمیں ہوں میں
افضل کہیں تھے مجھ سے مرے مادر و پدر
بیٹوں سے باپ چھوٹ گئے باپ سے پسر
پیارے تھے سب پہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
اماں کا صبر و شکر تو سب ہو گا تم کو یاد
درپے ہوا جو ظلم کا ہر بانی فساد
کیا کیا ستم ہوئے پہ شکایت ذرا نہ کی
افضل نہ تھا جہاں میں کوئی بوتراب سے
کس سے وہ صبر ہو جو ہوا اس جناب سے
ہر چند جانتے تھے کہ تیغ اس کے پاس ہے
ورثے میں تم نے پایا ہے وہ حیا زن کا صبر
شاکر رہو ہزار ستم ہوں ہزار جبر
یاں سینکڑوں بنی ہوئی شکلیں بگڑ گئیں
ہوتا نہ کیا وہ قتل تو آتی نہ کیا اجل
رہنے کی ہے یہ جا نہ ٹھہرنے کا یہ محل
آتا نہیں وہ پھر کے کبھی جو جدا ہوا

بندے کے صبر ہی میں ہے رضامندی اِلٰہ
نہ موت سے فقیر بچے گا نہ بادشاہ
تھے اس مکاں میں پہلے جو ہم سے وہ کیا ہوئے
نا اب ہے کوئی دوست نہ ہمدم نہ جاں نثار
غنچہ ہے نہ شجر ہے نہ گل ہے نہ برگ و بار
گویا کبھی جہاں میں نہ تھے یوں گزر گئے
فانی ہیں سب اگر ہے تو باقی اسی کی ذات
اُٹھتے کبھی جہاں سے نہ سردارِ کائنات
سوچو مگر تمہیں کہ ان سے تو بہتر نہیں ہوں میں
اب والدہ کہاں ہیں کہاں شاہ بحر و بر
ان کی ہمیں خبر نہ ہماری انھیں خبر
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے
راضی تھیں دشمنوں سے نہ تھا دل میں کچھ عناد
کچھ منھ سے غیر شکر نہ بولیں وہ خوش نہاد
اُمت کے حق میں آپ کبھی بددعا نہ کی
مریخ کانپ جاتا تھا جن کے عتاب سے
مسجد میں خود جگا دیا قاتل کو خواب سے
فرمایا چل نماز کو کیوں بے حواس ہے
تڑپو نہ مثل برق نہ رو ؤ مثال ابر
آخر ہے سب کے واسطے آزارِ مرگ و قبر
بہنوں سے بھائی بھائی سے بہنیں بچھڑ گئیں
گر آج بچ گئے تو یہی مرحلہ ہے کل
دنیا میں صبر سے نہیں بہتر کوئی عمل
روئے پدر کے واسطے برسوں تو کیا ہوا

زینب نے عرض کی کہ بجا ہے یہ سب کلام
پر کیونکر اپنے دل کو میں سمجھاؤں یا امام
انصاف کیجئے، یہ بکا کا نہیں مقام؟
کس گھر پہ ایک دن میں ہوا ہے یہ قتل عام
چشموں سے جوئے اشک نہ کیونکر رواں رہے
بچے رہے نہ پیر رہے، نے جواں رہے

نکلے تھے گھر سے چار جنازے نہ ایک بار
تھا میرے سر پہ ایک کے بعد ایک غمگسار
اب تو فقط ہیں آپ ہی یا شاہ نامدار
بابا کے ماں کے بھائی کے ہیں آپ یادگار
اولاد قتل ہو گئی ماں باپ اُٹھ گئے
پھر کون سرپرست ہے جب آپ اُٹھ گئے

دنیا میں کوئی مجھ سا نہ ہوئے گا سخت جاں
مجھ کو اجل بھی بھول گئی یا شہ زماں
دنیا سے اُٹھ گیا علی اکبر سا نوجواں
اب تک جہاں میں جیتی ہے یہ پیر ناتواں
سب میری عمر، آہ و بکا میں گزر گئی
اماں یہ گھر اُجڑ گیا اور میں نہ مر گئی

بابا نے ماں نے بھائی نے ہنگام احتضار
حضرت سے یہ کہا تھا کہ زینب ہے ہوشیار
شبیر ہے تمہارے حوالے یہ سوگوار
اب مجھ کو سونپتے ہیں کسے شاہ نامدار
اماں جو کہہ گئی ہیں اُسے یاد کیجئے
کچھ تو بہن کے باب میں ارشاد کیجئے

بیٹھوں کہاں جو فوج ستم لوٹنے کو آئے
اتنا تو ہو کوئی کہ یہ کہہ کر ردا بچائے
اُلٹے مرے نصیب بڑھاپے میں ہائے ہائے
اماں کو آج ڈھونڈھ کے زینب کہاں سے لائے
چادر اُڑھائے کون، جو عریاں سر پھرے
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ میں در بدر پھروں

شہ نے کہا تمہیں نہیں لازم یہ اضطرار
راہ خدا میں ہے یہ اسیری بھی افتخار
گر قید ہو گئیں تو چھڑائے گا کردگار
ہے ذات اس کی راحم و ستار و پردہ دار
سمجھو مرے سخن کو بہن با تمیز ہو
میں اُس کو سونپتا ہوں کہ جس کی کنیز ہو

لو الوداع جا کے پھر اب ہم نہ آئیں گے
اس تین دن کی بھوک میں تلوار کھائیں گے
سر دے کے عاصیوں کے گنہ بخشوائیں گے
اب بعد عصر نانا کی خدمت میں جائیں گے
ہشیار ان سے رہیو کہ نازوں کے پالے ہیں
زینب یہ سب یتیم تمہارے حوالے ہیں

شب کو جو مجھ کو ڈھونڈ کے روئے سکینہ جاں
زینب خدا کے واسطے رکھیو تم اس کا دھیان
لو بی بیو کریم تمہارا نگاہباں
لو شہر بانو ہوتا ہے رخصت یہ میہماں
کبرا کدھر ہے دلبر زہرا کو دیکھ لے
سجاد کو جگا دو کہ بابا کو دیکھ لے

یہ کہہ کے خود چلے تھے شہنشاہ بحر و بر
دیکھا کہ آپ آتے ہیں سجادِ نوحہ گر
دونوں بیاں سنبھالے ہیں بازو ادھر اُدھر
ہے دست مرتعش میں عصا اور جھکا ہے سر
چہرے سے ہے عیاں کہ سراپا ہیں درد سے
مانند زعفران رُخ پُرنور زرد ہے

کہنے لگے یہ بڑھ کے امام فلک اساس
کیوں آئے تم کہ آتے تھے ہم خود تمہارے پاس
کیا حال اب مزاج کا ہے اے خدا شناس
خود بے خبر ہیں صبح سے ہے یہ ہجوم یاس
ہم سا بھی کوئی ہوگا نہ بےکس زمانے میں
آیا ہے وقت ظہر کا لاشے اُٹھانے میں

یہ سب قبا پہ سینۂ اکبر کا ہے لہو
بے جاں ہوا ہے گود میں میری وہ ماہ رو
یہ بھینی بھینی سب ہے اسی کے بدن کی بو
ہم سر کٹا کے مر نہ گئے اُس کے روبرو
نیزہ ستم کا چاند سے سینے پہ چل گیا
وہ کیا بچھڑ گئے کہ کلیجہ نکل گیا

شکر خدا کہ اب نہیں باقی کسی کا دم
سترہ دو تن میں ہے فقط اپنا ہی ایک دم
ہمدم نہیں ہے کوئی بجز خنجر دو دم
مقتل سے سب کی لاشیں اُٹھا لا چکے ہیں ہم
کٹ کر یہ سر سناں پہ جو چڑھنے کو جائے گا
حیرت ہے کون لاش ہماری اُٹھائے گا

جس دم سنا حسینؑ سے یہ درد کا بیاں
رو کر قدم پہ گر پڑے سجاد ناتواں
بغلوں میں ہاتھ دے کے یہ بولے شہ زماں
بس بس غش آ نہ جائے کہیں اے پدر کی جاں
اس تپ میں بیڑیوں کی مصیبت اُٹھائی ہے
بیٹا ابھی بہت تمہیں آفت اُٹھانی ہے

بستر پہ جا کے لیٹ رہو اور کوئی دم
مُہلت نہ دیں گے پھر تمہیں یہ بانی ستم
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے تب وہ اسیر غم
چھوڑوں گا میں نہ قبلۂ کونین کے قدم
بیٹا نہ ایسے وقت میں بابا کے ساتھ ہو
بیمار چاہیے کہ مسیحا کے ساتھ ہو

قابل نہیں ہے تیغ کے گو دست رعشہ دار
کھائے گا نیزے آپ کے بدلے یہ جاں نثار
کچھ غم نہیں جو تپ سے دہکتا ہے جسم زار
لڑنے کو جب چلے تو اُتر جائے گا بخار
لڑنا ہے سہل قید میں جایا نہ جائے گا
خادم سے بار طوق اُٹھایا نہ جائے گا

شہ نے کہا کہ اس میں نہیں جائے دم زدن
بیٹا یہی ہے مصلحت ربّ ذوالمنن
کیجو زباں سے تم نہ شکایت کے کچھ سخن
نقصان کیا ہے طوق ہو گردن میں یا رسن
ہے اختیار خالق عادل کے واسطے
ظلمت گہن کی ہے مہ کامل کے واسطے

عالم ہے ذاتِ پاکِ خدا اے خجستہ خو
ہر وقت چاہیے سرِ طاعت رہے فرو
سب اس جہاں میں آئے ہیں جانے کے واسطے

قاسم کے تن کے واسطے تھے خنجر و حسام
اکبر کو حکم تھا کہ سناں کھائے ہوں تمام
حکمِ خدا میں بس ہے نہ ماں کا نہ باپ کا
صبر اب تمھارا ارث ہے یہ جانتے ہیں سب
بچوں کا یاں کے قہر ہے اللہ کا غضب

بہتر ہے وہ جو مرضیِ ربّ العباد ہے
باندھیں اگر رسن میں گلا یہ ستم شعار
ہر شے کا ہر مقام پہ موقع ہے ہیں نثار

توڑا تھا ایک دن درِ خیبر جہان میں
اس دن جو کرتے جنگ تو تھا دین کا ضرر
موقع نہ تیغ کا ہو تو پھر ڈال دے سپر
گردن جھکا دو آج جو اس میں فلاح ہے

اب تو تمھیں ہو وارثِ ذرّیتِ پدر
بے جاں ہوئے تو کون سنبھالے گا میرا گھر
ناموسِ مصطفیٰ کے مدار المہام ہو
گھر جلتے وقت تم کو اگر آگیا جلال
زنجیر و طوق سامنے لائیں جو بدخصال
مطلق نہ بولنا کوئی ناری جو گرم ہو
حق نے کیا ہے اب تمھیں سردارِ قافلہ
کڑیاں بھی جھیلتے ہیں خدا دے جو حوصلہ
چشموں سے خوفِ حق میں رواں جوئے اشک ہو

عہدہ وہی دیا اسے لائق تھا جس کے جو
راحت ہے اس کی راہ میں ایذا جو ہو سو ہو
پیدا ہوئے ہیں رنج اٹھانے کے واسطے
بے دست ہو یہ تمھارے بھائی کے پائے نام
گردن کٹائیں تیغ سے یہ ہے ہمارا کام
پہنو گلے میں طوق یہ حصہ ہے آپ کا
ہوتا ہے تیرے شیر کی طاقت میں فرق کب
سب عاجزی یہ بخشش امت کا ہے سبب

اے نورِ عین صبر تمھارا جہاد ہے
تم جانیو کہ ہم ہوئے دادا کے ورثہ دار
کیا کیا نہ کافروں سے لڑے شیرِ کردگار
اک روز تھا انھیں کا گلا ریسمان میں
جرأت کے سو چلن ہیں شجاعت کے سو ہنر
ویسا ہی روز آج ہے صدقے ہو یہ پدر
حکمِ نبی تھا وہ، یہ ہماری صلاح ہے
محرم کوئی تو ہو جو کھلیں بی بیوں کے سر
قائم رہے گی تم سے مری نسل اے پسر
تم میرے بعد سارے جہاں کے امام ہو
ہو جائے گی تباہ رسول خدا کی آل
تم میری بیکسی کی طرف کیجیو خیال
دکھلائیو وہ صبر کہ آہن بھی نرم ہو
صابر جو ہیں یاں سے وہ کرتے نہیں گلہ
بیڑی کو جانیو کہ ہے بخشش کا سلسلہ
گردن میں یوں ہو طوق کہ قمری کو رشک ہو

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے سجادِ تشنہ کام
اچھا اسیر ہونے کو حاضر ہے یہ غلام
جب تک کہ بیڑیوں میں اسیرِ ستم رہوں
فرمایا شاہ نے کہ خدا حافظ اے پسر
بچہ بہن کو گود میں لینے لگے جو گھر
لینا خبر رسن میں اگر اُن کا ہاتھ ہو
جب رن میں بعد عصر شہ بحر و بر چلے
چلائی دوڑ کر یہ سکینہ کدھر چلے
وہ بولی کیا اب آپ نہ تشریف لائیں گے!
بیت الشرف سے نکلے جو سلطان بحر و بر
حضرت نے باگ تھام کے دیکھا اِدھر اُدھر
تنہائی حسین پہ زہرا نے رو دیا
اُس دم یہ جبرئیل کو حق کا ہوا خطاب
گردن جھکائے روتا ہے وہ مالک الرقاب
کام آئے گی ہر اک کو محبت حسینؑ کی
روح الامیں نے آکے جو تھامی رکاب شاہ
اللہ رے شان و شوکت و اقبال و عز و جاہ
تھا اک عروج خلق کے سر تاج کے لئے
حوریں تھیں ساتھ ساغرِ کوثر لئے ہوئے
جبرئیل تھے نجات کا دفتر لئے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیٔ عنبر سرشت میں
چہرے سے آشکار تھی خیر الوریٰ کی شان
زہرا کا حُسن اور حسنؑ مجتبیٰ کی شان
ششدر ملک تھے دیکھ کے چہرہ جناب کا

جو مصلحت کریم کی جو مرضیٔ امام
بیدل خدا کی راہ میں جاؤں گا تا بہ شام
حضرت دعا کریں کہ میں ثابت قدم رہوں
فرصت ملے تو آئیو بابا کی لاش پر
اپنی عبا اڑھائیو ماں کا کھلے جو سر
زینبؑ تمھارے ساتھ ہیں تم ان کے ساتھ ہو
پیچھے امام دیں کے حرم ننگے سر چلے
فرمایا شہ نے خالقِ اکبرؑ کے گھر چلے
مڑ کر کہا حسینؑ نے ہاں اب نہ آئیں گے
دیکھا کہ ذوالجناح کھڑا ہے جھکائے سر
کوئی نہ دوست تھا نہ برادر نہ تھا پسر
غربت پہ اپنی خود شہِ والا نے رو دیا
سب مر چکے اکیلا ہے فرزند بوتراب
ہاں جاکے تھام لے مرے شبیرؑ کی رکاب
بس آخری رہی ہے یہ خدمت حسینؑ کی
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
گویا براق پر تھے رسول فلک پناہ
غل تھا حسینؑ جاتے ہیں معراج کے لئے
قدسی جلو میں تھے طبقِ زر لئے ہوئے
جھولی میں تھی نسیم گلِ تر لئے ہوئے
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں
پیدا تھی سر سے تا بہ قدم مرتضیٰ کی شان
ایسے حسین بھی ہوتے ہیں بندے خدا کی شان
جلوہ تھا ایک چاند میں چار آفتاب کا

ان گیسوؤں کی مدح کوئی کیا کرے رقم
شانے نے بھی کھلا نہ کبھی جن کا پیچ و خم
رکھتے ہیں موشگاف بھی یاں سوچ سوچ کر
تاریک شب ہے دیکھ کے چل راہ اے قلم
اے بے خبر یہ کوچۂ زلفِ سیاہ ہے
لغزش نہ ہو کہ بال سے باریک راہ ہے

کیا ذکرِ عطر و عنبر و مشک و عبیر و عود
سونگھیں اگر یہ بو تو ملائک پڑھیں درود
کرتی ہے بوئے زلفِ رسا عرش تک صعود
ژولیدہ اک گیاہ ہے سنبل کی کیا نمود
نکہت سے گیسوؤں کی زمیں آسماں بسے
عنبر ہیں کب یہ بو ہے کہ سارا جہاں بسے

چہرہ ہے گیسوؤں میں کہ ہالے میں ہے قمر
پیدا سوادِ شام میں ہے جلوۂ سحر
طول اس کلام میں ہے بہت قصہ مختصر
ہاں اب درود پڑھ کے جبیں پر کرو نظر
یاں کیا فروغ روشنیِ کوہِ طور کو
دیکھو اس آئینے میں محمدؐ کے نور کو

تارا یہ صبح کا ہے کہ سجدے کا ہے نشاں
قرباں ہے ابروؤں کی کشش پر ہر اک کماں
ہر تیرِ مژہ کی تصدقِ ہزار جاں
دیکھیں تمام عمر تو خاطر نہ ہوں نشاں
شرمندہ حسنِ چشم سے آہوئے تتار کے
نرگس کے پھول پھینک دو صدقے اتار کے

نیلم ہیں گو کہ فرطِ عطش سے عقیق لب
نسبت بھلا ہے لعلِ بدخشاں سے ان کو کب
اپنی زباں چوسائیں جسے سید العرب
سولہ پہر ملے نہ اسے آب ہے غضب
کیسی تھی دشمنی عمرِ تیرہ بخت کو
وہ کون ہیں جو دیتے ہیں پانی درخت کو

قربان آبِ گوہرِ دندانِ بے عدیل
مشتاق جن کے کوثر و تسنیم و سلسبیل
پایا ہے اختروں نے یہ کب رتبۂ جلیل
ہیروں کو بھی صفا میں ہے دعوائے بے دلیل
اس میں یہ آب و تاب نہ یہ رنگ ڈھنگ ہے
یہ نور کی صدف کے گہر ہیں وہ سنگ ہے

پوچھے یہ جوہری کوئی دُرِ خوش آب ہے
رشتہ نہیں ہے کچھ بھی رسالت مآب سے
ادنیٰ کا کیا مقابلہ عالی جناب سے
یہ شیرِ فاطمہؑ سے بنے وہ سحاب سے
یہ زیبِ گوشوارۂ عرشِ عظیم ہیں
دعویٰ ہے کیا بد سے ہوئے درِ یتیم ہیں

وہ ریشِ پاک روئے ضیا پرور جناب
گویا کہ جوفِ لیل سے نکلا ہے آفتاب
وہ صبح شیب کی ہے تو یہ ہے شبِ شباب
دن اس سے بہرہ مند ہے شب اس سے فیض یاب
ہو اس طرح کا چاند شبِ تار کے لئے
ایسی ہو رحل مصحفِ رخسار کے لئے

آئینہ گلوئے مبارک کو کیا لکھوں ؛
یا شمعِ بزمِ فاطمہؑ و مرتضےٰ لکھوں
پروانہ وار صدقے ہیں عاشق حضور کے
شانے وہ ہیں کہ جن پہ شفاعت کا بار ہے
ساعد میں قوتِ اسدِ کردگار ہے
ہے چاند سی ضیا کفِ نیکو سرشت کی
کیونکر بشر سے ہو صفتِ سینۂ امام
قرآں کا اور اس کا برابر ہے احترام
مصحف ہے ان کے سینۂ انور کے واسطے
کیا یہ انقلاب ہے اے چرخِ بیم دار
سینہ ہو جس کا مخزنِ اسرارِ کردگار
دشمن بھی یوں بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
کیا بات اس ولی کے قدم کے ثبات کی
قائم بنا انھیں سے ہے صوم و صلوات کی
لکھی ہوئی ہے بسر ارم سرنوشت میں
بالائے سر عمامۂ محبوبِ کردگار ؛
حمزہ کی ڈھال دوش پہ قبضے میں ذوالفقار
ہے خیرگی نگاہ کو حسنِ جناب سے
چترِ زری لگائے تھا واں ابنِ سعدِ شوم
وہ شور دار و گیر کا وہ فوج کا ہجوم
چھایا ہوا تھا ابرِ ستم میہمان پر
چمکا کھڑا تھا دھوپ میں زہرا کا نازنیں
رخ سے پسینہ پونچھ کے کہتے تھے شاہِ دیں
سر پر خدا ہے یا مرے مالک حضور ہیں

بدر الدجیٰ بتاؤں کہ شمس الضحیٰ لکھوں
پابوسہ گاہِ حضرتِ خیر الوریٰ لکھوں
ڈھالا ہے شمعِ طور کو سانچے میں نور کے
بازو کی آستیں سے ضیا آشکار ہے
پنجہ وہ جس کے قبضے میں خود ذوالفقار ہے
دس انگلیاں کلید ہیں آٹھوں بہشت کی
ایماں کی جان، علم کا گھر عدل کا مقام
رتبے میں کیا سخن ہے برابر ہیں کیا کلام
سینہ ہے ان کا مصحفِ اکبر کے واسطے
شمرِ لعیں اسی پہ رکھے پائے چکمہ دار
دوڑائیں گھوڑے اس پہ ہزارانِ کارزار
ایسے ستم ہوں اور قیامت بپا نہ ہو
تھی جس کی فیض سے برکت کائنات کی
ہر نقشِ پا دکھاتا ہے صورت نجات کی
پیرو انھیں کے جائیں گے سیدھے بہشت میں
گورا وہ رنگ اور وہ ریشِ خضاب دار
رخ سے خدا کے شیر کا سب رعب آشکار
آنکھیں ملا سکا ہے کوئی آفتاب سے؟
دو سو تھے گرد و پیش رئیسانِ شام و روم
وہ جا بجا نقیبوں کا غل صف کشی کی دھوم
کیا آ بنی تھی بیکس و تنہا کی جان پر
ٹاپوں سے اُٹھتا تھا جلتی تھی یہ زمیں
لیجئے خبر غلام کی یا ختمِ مرسلیں!
امت کا حال کس سے کہوں آپ دور ہیں

نانا بس اب نواسے کو جلد ہی بلائیے
کوثر سے بھر کے جام کوئی ساتھ لائیے
ہوتا ہے وہ ستم کہ مروّت سے دور ہے
عالم مسافرت کا ہے یا سیّد البشر
جب آگ سے جلائیں گے خیموں کو اہل شر
غارت گروں کا غول جو درّانہ آئے گا

حضرت کی آل پاک کے دشمن ہیں تیغ زن
کشتے سب اپنے دفن کیے یا شہ زمن
سب نقش ہیں سموں کے تن پاش پاش پر
آئی صدا اے حضرت محبوب کردگار
پیارے میں دیکھتا ہوں یہ سب تیرا حال زار
تجھ پر یہ پیاس کے نہیں صدمے گزرتے ہیں

روتے ہیں آج صبح سے حیدرؑ ترے لیے
پھرتی ہے مضطرب تری مادر ترے لیے
خالی ہے اے حسینؑ ترے جا بہشت میں
کس جا چھپیں گے روز قیامت کو اہل شام
گھبرائیو نہ اے مرے شبیر تشنہ کام
ایذا کے دن گزر گئے راحت سے سوئیں گے

رضواں کھڑا ہے کھولے ہوئے در ترے لیے
رکھے ہیں سلسبیل کے ساغر ترے لیے
غرفے کھلے ہیں فوج ملک کا ہجوم ہے
پھولا نہیں سماتا ہے فردوس کا چمن
عالم یہ ہے بہشت کا اے میرے گل بدن
کیا کیا ہیں قصر لعل کے اعلیٰ بنے ہوئے

مقتل میں آ کے حال مرا دیکھ جائیے
پیاسا ہوں تین روز کا پانی پلائیے
امت سے پوچھئے کہ مرا کیا قصور ہے
تنہا ہوں اب کوئی نہ برادر ہے نہ پسر
بچوں کو لے کے جائیں گی سیدانیاں کدھر
اس وقت کون چادر زینبؑ بچائے گا

ان باغیوں نے لوٹ لیا آپ کا چمن
اکبرؑ کی لاش کو کوئی دیتا نہیں کفن
گھوڑے پھرائے ہیں مرے قاسمؑ کی لاش پر
اے بیکس و غریب نواسے ترے نثار
امت نہ سمجھی آہ تجھے میرا یادگار
خنجر سے اہل ظلم مجھے ذبح کرتے ہیں

شبیر بے قرار ہے شبر ترے لیے
میں تڑپتا ہوں اے مرے دلبر ترے لیے
تو میرے پاس رات کو ہوگا بہشت میں
اللہ سب لے گا ترے خوں کا انتقام
بس آج عصر تک ہے یہ سب مرحلہ تمام
پانچوں خدا کے نور جمع آج ہوئیں گے

آراستہ ہوا ہے نیا گھر ترے لیے
لہرا رہا ہے چشمۂ کوثر ترے لیے
حوروں کے غول ہیں تری آمد کی دھوم ہے
بالیدگی سے ٹکڑے ہوا جاتا ہے بدن
پہنے ہو جیسے پھولوں کا گہنا نئی دلھن
غل ہے حسینؑ آتے ہیں دولھا بنے ہوئے

نرگس کی چشمِ تر کو ترا انتظار ہے
طوبیٰ کے برگ برگ کا دل بے قرار ہے
بھڑکی ہے آگ عشق کی لالہ کے داغ میں

خیر النساؑ کے ماہ پہ جب چھا گئی سپاہ
تنہا جو ابنِ فاطمہؑ کو پا گئی سپاہ
ڈالی جو سب نے آنکھ شہِ ارجمند پر

کاندھے پہ ذوالفقار کو رکھ کر یہ دی صدا
تنہا تو ہوں مگر بہ خداوندیِ خدا
پھر دم نہ لے گی تیغِ علیؑ، خوں میں پیر کے

ہم شیر مانتے ہیں کہیں بھوک پیاس کو
عیش و طرب سمجھتے ہیں اندوہ و یاس کو
دل خوں ہوا پہ چشم کو پُرنم نہیں کیا

غالب رہے سدا سپہِ روم و شام پر
رغبت ہمیں نہ آب پہ ہے نہ طعام پر
لیتے ہیں کچھ تو خالقِ اکبرؑ سے لیتے ہیں

دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دانا جو ہیں وہ مزرعِ عقبیٰ سمجھتے ہیں
نہ تخت سے غرض ہے نہ شاہی سے کام ہے

ناحق شکستہ دل کے ستانے سے کیا حصول
بے کس پہ تیغیں تول کے آنے سے کیا حصول
مضطر ہیں ورثہ دار جنابِ امیرؑ کے

ہیں میرے ساتھ چند جو سیدانیاں غریب
ان سب کو دوست رکھتا ہے اللہ کا حبیب
تھی غیر فقر کون سی دولت علیؑ کے پاس

ہر نخلِ میوہ دار کو فکرِ نثار ہے
اے گل ترا فراق درختوں پہ بار ہے
سر ڈالیاں بھی گردنیں ڈالے ہیں باغ میں

کچھ شہ پہ آئی کچھ لبِ دریا گئی سپاہ
نیزہ اُٹھا اُٹھا کے قریب آ گئی سپاہ
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر

بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے قومِ اشقیا
سر لوٹتے پھریں گے بیاباں میں جا بجا
پیچھے قدم ہٹاؤ جو طالب ہو خیر کے

چڑھتی ہے ہم تک آتے ہوئے تپ ہراس کو
جس دن سے ہوش ہے نہیں چھوڑا حواس کو
اکبرؑ سے نوجواں کا بھی ماتم نہیں کیا

نصرت کا ہے مدار ہماری حسام پر
غربت پہ جان دیتے ہیں مرتے ہیں نام پر
ہم آپ فاقے کرتے ہیں سائل کو دیتے ہیں

وہ خود بُرے ہیں جو اسے اچھا سمجھتے ہیں
ہے سہل و مختصر ہم اسے کیا سمجھتے ہیں
درویش کو رضائے الٰہی سے کام ہے

دُکھتے ہوئے جگر کو دُکھانے سے کیا حصول
اک بے گنہ کے خون بہانے سے کیا حصول
واللہ مال و زر نہیں گھر میں فقیر کے

بے کس، عزیز مردہ، جفاکش، بلا نصیب
رشتے ہیں ہیں رسولِ خدا سے بہت قریب
زر کیا ردا تلک نہیں ثابت کسی کے پاس

تقویٰ ہی ہے زیور ان کا تو شرم و حیا لباس
ہیں سالک طریقِ بتولِ فلک اساس
ہاں ایک نقدِ عصمت و عفت ہے سب کے پاس
اک اک خدا پرست ہے اک ایک حق شناس
سب مرتضیٰ علیؑ کے چلن اُن کو یاد ہیں
ایذا میں شکر کرتے ہیں فاقوں میں شاد ہیں

ہر دم ہیں محوِ بندگیٔ ربِّ بے نیاز
روتی ہیں جب تو ہوتا ہے پتھر کا دل گداز
سجدے ہیں حق سے کہتی ہیں اپنے دلوں کا راز
دامن وہ پاک ہیں کہ فرشتے پڑھیں نماز
کچھ قدرِ مال و زر نہیں ان کی نگاہ میں
بیٹوں کو صدقے کر دیا خالق کی راہ میں

چلّایا ابنِ سعدِ ستم پیشہ و جہول
لوٹیں گے بعدِ فتح و ظفر خانۂ بتول
یہ عجز ناپسند ہے یہ عذر نا قبول
تیغِ دو دم کو کھینچئے باتوں سے کیا حصول
مرسل ہو یا امام ہو کچھ مانتے نہیں
پتھر ہیں قلب رحم کو ہم جانتے نہیں

کیا رحم کی جوانیٔ اکبر پہ بھی نہ جا
ہنگامِ نزع اپنی زباں کو دکھا دکھا
مارا اُسے خبر نہ ہوئی ہم کو مطلقا
ہنستے تھے مانگتا تھا جو پانی وہ مہ لقا
بے رحمیوں کی گھر سے قسم کھا کے آئے ہیں
گھوڑے اسی کی لاش پہ دوڑا کے آئے ہیں

غیظ آگیا یہ سُن کے شہِ نامدار کو
کھینچا کمر سے مثلِ علیؑ ذوالفقار کو
جلوہ دیا جو صاعقۂ شعلہ بار کو
دہشت سے تپ چڑھی فلکِ بیم دار کو
سب کو یقیں ہوا کہ دو عالم اُلٹ گئے
روح الامیں بھی چھوڑ کے سدرہ کو ہٹ گئے

نعرے سے دشت گونج گیا ہل گئے جبال
جھکتے تھے بار بار درختوں کا تھا یہ حال
شیروں کے تن پہ ڈر سے کھڑے ہو گئے تھے بال
دبکے ہوئے تھے چوکڑی بھولے ہوئے غزال
جنگل سے کوہ تک جو شرر اُڑ کے آئے تھے
دہشت سے اژدہے بھی دم اپنا چرائے تھے

چمکی ادھر تو تیغِ شہنشاہِ قلعہ گیر
کوندا ادھر زمیں پہ سمندِ فلک مسیر
شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بے نظیر
کی تیز رو نے جست کہ نکلا کماں سے تیر
صرصر کبھی رُکی ہے بھلا اونچ نیچ میں
اُترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں

بجلی گری کہ تیغِ شہِ بحر و بر چلی
نکلی کمر سے بڑھ کے تو بالائے سر چلی
پہنچی شکست ادھر یہ عدو کش جدھر چلی
آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے
لشکر کے سربلند جوان پست ہو گئے

ڈھالیں اُٹھا کے جب وہ ستم کی گھٹا بڑھی
ہر سو اُٹھا یہ شور کہ سیلِ فنا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا
بازو کسی کا تن سے جدا تھا کسی کا سر
کوئی تڑپ رہا تھا اِدھر اور کوئی اُدھر
بھاگڑ میں اہلِ ہوش بھی سب بے حواس تھے
اک وار روکنا انھیں دشوار ہو گیا
جو آزمودہ کار تھا بے کار ہو گیا
ہر صف لہو کے آنسوؤں سے رو کے رہ گئی
حق نے دیا تھا تیغ علیؑ ولی کو جس
پیدل تھے راس جب تو پیادے تھے پیش و پس
سر اُن کے اُڑ گئے جنھیں دعویٰ جدل کا تھا
جس صف پہ جس پرے پہ وہ خونخوار چل گئی
گویا چمک کے برق گری اور نکل گئی
رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
بھڑکی تھی آگ ظلم کی جنگل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ شام کے بادل میں ہر طرف
گر گر کے ریگِ گرم پہ ناری پھڑکتے تھے
تکبیر کی صدا تو اُدھر سے بلند تھی
موجِ آبِ ذوالفقار کی سر سے بلند تھی
سب خوں گرفتہ کشتۂ تیغِ عذاب تھے
غل تھا علیؑ کی تیغ کا مُنھ ہے کہ قہر ہے
لوہے میں اس کے آب کے پانی میں زہر ہے
دل کانپتا ہے کون اجل سے دوچار ہو

مانندِ برق کوند کے یہ جاں گزا بڑھی
وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے مُنھ قضا بڑھی
گویا چھری لئے ملک الموت ساتھ تھا
دو تھا بہ شکلِ لا کوئی گردن سے تا کمر
بیٹے سے چھُٹ گیا تھا پدر باپ سے پسر
زندہ جو تھے وہ کُشتۂ تیغِ ہراس تھے
دو ہاتھ جس جواں پہ چلے چار ہو گیا
کٹ کر سروں کا کھیت میں انبار ہو گیا
سارے ستم کی کشت ورد ہو کے رہ گئی
آفت تھی اس کی باڑھ قیامت تھا اس کا کس
لیکن وہ جب چلی نہ چلا کچھ کسی کا بس
رو کے سپر کسے وہ طمانچہ اجل کا تھا
ساتھ اس کے دشمنوں کے سروں پر اجل گئی
کُشتے تو کیا زمیں بھی حرارت سے جل گئی
شعلے پناہ مانگتے تھے اُس کی آنچ سے
اک الاماں کا شور تھا مقتل میں ہر طرف
گرتی تھی برق کوند کے ہر دل میں ہر طرف
تن سے لہو نہ اُڑتا تھا شعلے بھڑکتے تھے
فریاد و آہ لشکرِ شر سے بلند تھی
ندی لہو کی رن میں کمر سے بلند تھی
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے
دم خم میں گھاٹ، باڑھ میں یکتائے دہر ہے
تلوار کی چمک نہیں افعی کی لہر ہے
اس کی ہوا لگے تو کلیجے کے پار ہو

رُستم بھی اس کے مُنھ پہ ٹھہرتا نہیں کبھی
وہ زخم ہے اسی کا جو بھرتا نہیں کبھی
جنّات اُس کے سایے سے پرہیز کرتے تھے
چمکی وہ جب تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑے
سر کٹ کے پانچ سات کے اک بار گر پڑے
کس اس کا دیکھ بیٹی تھی وہ جس میں کھوٹ تھی
جب رن میں وقت عصر کے تنہا لڑے حسینؑ
ایسا لڑا نہ کوئی کہ جیسا لڑے حسینؑ
غُل تھا خدا کی راہ میں بس دو ولی لڑے
دو ہاتھ حق نے خلق کیے بہر ذوالفقار
ایماں قوی جو اُس سے تو دیں اس سے استوار
عقدے ظفر کے اور کے ناخن سے کیا کھلیں
اللہ رے حسینؑ کا وہ آخری جہاد
ہر ضرب پر علیؑ ولی دے رہے تھے داد
فوجیں کٹی پڑی ہوئی تھیں روم و شام کی
گھوڑا اڑھا کے شاہ یہ کہتے تھے بار بار
سب طرح کا دیا ہے مجھے حق نے اختیار
اُمّت کی مغفرت سے ہے مطلب حسینؑ کو
آئی صدائے حضرتِ محبوب ذوالجلال
یہ سُن کے شہ کو شوقِ شہادت ہوا کمال
اب عنقریب خلق سے رحلت ہماری ہے
یوں اسلحہ اتار کے رکھتے تھے زیں پہ شاہ
ابرِ ستم میں گھر گیا خیر النسا کا ماہ
سینہ علیؑ کے لال کا غربال بن گیا

ڈوبے جو گھاٹ پر وہ ابھرتا نہیں کبھی
زہر اس کا جب چڑھا تو اُترتا نہیں کبھی
یہ وہ بلائے بد ہے کہ ساحر بھی ڈرتے تھے
گھوڑوں سے ڈر کے خاک پہ اسوار گر پڑے
آگے سے دو جو بھاگ گئے چار گر پڑے
تلوار کی بھی چار پہ ہر بار چوٹ تھی
حیدرؑ کی شان سے لبِ دریا لڑے حسینؑ
اللہ رے حرب لاکھوں سے تنہا لڑے حسینؑ
یا فاطمہؑ کا لال لڑا، یا علیؑ لڑے
دستِ حسینؑ دستِ یداللہ نام دار
رونق وہ شرع کی تو یہ اسلام کا وقار
ہاتھ ایسے ہوں تو جوہرِ تیغِ خدا کھلیں
بھولے گی حشر تک نہ زمانے کو جس کی یاد
لرزاں تھا خوف سے عمرِ سعدِ بد نہاد
جنگل میں شور تھا کہ دُہائی امام کی
دیکھی رسولِ حق کے نواسے کی کارزار
طالب نہیں ہیں فتح کا اے قومِ نابکار
لو آؤ بس شہید کرو اب حسینؑ کو
ہاں اب تو وقتِ عصر بھی ہے اے علیؑ کے لال
تلوار رکھ کے میان میں بولا وہ خوش خصال
اے ذوالفقار تجھ سے بھی رخصت ہماری ہے
جو پھر پڑی شکست اُٹھائی ہوئی سپاہ
تیغوں کی بجلیاں تھیں کہ اللہ کی پناہ
ناوک ہزار ہا جو چلے جسم چھن گیا

برچھوں کی نوکیں اور تنِ شبیر ہائے ہائے
سینہ خدا کے نور کا اور تیر ہائے ہائے
بازو وہ اور نیزہ و شمشیر ہائے ہائے
اک جان اور سینکڑوں بے پیر ہائے ہائے
غش آ گیا حبیبِ خدا کے حبیب کو
اتنا نہ تھا کوئی کہ سنبھالے غریب کو

تیغوں کے وار شاہ پہ چلتے تھے بار بار
زخموں کا خون چہرے پہ ملتے تھے بار بار
لختے لہو کے منہ سے نکلتے تھے بار بار
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
یہ بیکسی بتول کے آرام جاں پہ تھی
لیکن دعائے اُمتِ عاصی زباں پہ تھی

گھوڑے پہ جھومتا تھا وہ اُمت کا خیر خواہ
مارا کسی نے تیر سہ شعبہ گلے پہ آہ
تر ہو گئی لہو میں محمدؐ کی بوسہ گاہ
رکھ کر گلے پہ ہاتھ پکارا علیؑ کا ماہ
اچھا ستاؤ روزِ عدالت قریب ہے
اے ساکنانِ شام قیامت قریب ہے

یہ کہہ کے ذوالجناح سے وہ مقتدا گرا
ہر زخم سے بدن کے لہو جابجا گرا
آواز دی زمین نے عرشِ علا گرا
زہراؑ پکاری ہائے مرا لاڈلا گرا
ڈیوڑھی پہ اہلِ بیت اِدھر پیٹنے لگے
سجادؑ غش سے چونک کے سر پیٹنے لگے

فضہ کو دیکھ کر کے پکارا وہ نوحہ گر
دیکھا ہے میں نے خواب میں بابا کو ننگے سر
روتا ہے در پہ کون پھوپھی جان ہیں کدھر
جلدی بتا مجھے شہِ والا کی کچھ خبر
چلائی وہ کہ آلِ نبیؐ در پہ روتے ہیں
لٹتا ہے گھر امامِ اُمم ذبح ہوتے ہیں

اٹھ کر گرا جو ضعف سے وہ زار و ناتواں
تکیے پہ سر پٹک کے کہا ہائے بابا جاں
بنتِ علیؑ کے بین سے لرزاں تھا آسماں
بانوئے شاہِ دیں کو سنبھالے تھیں بیبیاں
سیدانیوں کے رونے سے بچے بلکتے تھے
پردے سے سر نکال کے میداں کو تکتے تھے

پردہ اُٹھا کے ننھے سے ہاتھوں سے بار بار
چلاتی تھی یہ شہ کو سکینہؑ جگر فگار
مقتل سے بابا جان چلے آؤ میں نثار
رو کر صدا یہ دیتے تھے شبیرؑ نامدار
گردن کٹا کے آج اسی بن میں سوئیں گے
ہٹ جاؤ در سے تم کہ ہم اب ذبح ہوئیں گے

جی بھر کے دیکھ لیں دمِ آخر جو تم کو پائیں
تیغوں سے پرزے پرزے ہے سب جسم کیونکر آئیں
کس طرح خوں بھری ہوئی صورت نہیں دکھائیں
بی بی اِدھر تک آنے کی طاقت کہاں سے لائیں
سر سے کریں گے آج ادا فرضِ عین کو
بابا نثار صبر کرو اب حسینؑ کو

لکھتا ہے ایک راوی غم گیں ماں کا حال
سُن کر صدائے نالۂ عموئے نوش خصال
گھبرا کے بنتِ فاطمہؑ باہر نکل پڑی
تصویر تھا حسنؑ کی سراپا وہ ماہ رو
عموؑ کا اشتیاق، شہادت کی آرزو
دل بے قرار، ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
گرتا وہ رزم جسم میں وہ پھول سا بدن
وہ لعلِ لب کہ جس پہ فدا برگِ یاسمن
یعنے پسر ہوں بادشہِ مشرقین کا
بازو پکڑ کے بنتِ یداللہ نے کہا
چلائی ہاتھ جوڑ کے ماں غم کی مبتلا
قاسمؑ گئے بہشت میں اُن سے تو یاس ہے
دیکھا یہ سانحہ تو پکارے شہِ زمن
اعدا کے ہاتھ سے نہ بچے گا یہ گل بدن
اس کا گلا بھی تیرِ ستم کا ہدف نہ ہو
بیٹھی ہوئی تھی زینبِ غمگین و سوگوار
لیکن لہو کے جوش سے دل تھا جو بے قرار
ماں اپنا ہاتھ رکھتی تھی جب دستِ پاک پر
ماں کہتی تھی کہ آؤ میں قربان جاؤں آؤ
وہ کہتا تھا لباس کے بدلے کفن پنہاؤ
عموؑ کے ساتھ خدمتِ حیدرؑ میں جائیں گے
دیکھو تو حال بے کسئ شاہِ بحر و بر
ٹکڑے ہیں پیچ سبز عمامے کے سر بسر
کیونکر نہ اس ولی کے بچانے میں کد کریں

ہمراہ تھا سکینہ کے چھوٹا حسنؑ کا لال
نکلا تڑپ کے خیمے سے باہر وہ خرد سال
بیٹے کے ساتھ ماں بھی کھُلے سر نکل پڑی
چہرہ تو آفتاب سا اور چاند سا گلو
گردن میں طوق دوش پہ گیسوئے مشک بو
آنکھیں تو نرگسی مگر آنسو بھرے ہوئے
خوشبو کو جس کے پہونچے نہ یوسف کا پیرہن
عمامہ سر پہ سبز قبا سرخ زیبِ تن
بیٹا حسنؑ کا ہوں تو بھتیجا حسینؑ کا
چل گھر میں اے یتیم حسنؑ تجھ پہ میں فدا
بیوہ ہوں مجھ پہ رحم کر اے میرے دلربا
اب آسرا خدا کا ہے یا تیری آس ہے
لے جاؤ پھیر کر اسے خیمے میں اے بہن
ڈر ہے مجھے کہ دیکھ نہ لیں اس کو تیغ زن
دیکھو بہن! حسنؑ کی نشانی تلف نہ ہو
ماں ننھے ننھے پاؤں پہ گرتی تھی بار بار
ہرگز نہ مانتا تھا کسی کی وہ گلعذار
ہٹ ہٹ کے پچھلے پاؤں مچلتا تھا خاک پر
کرتا پھٹا ہوا ہے بدل دو کہ رن میں جاؤ
اماں خدا کے واسطے اب ہم سے ہاتھ اٹھاؤ
گر جان جائے گی تو نہ اب گھر میں آئیں گے
ہے ہے علیؑ کے لال کا چہرہ ہے خوں میں تر
کھا کھا کے زخم دیکھ رہے ہیں ادھر ادھر
یہ دُکھ ہو غیر پر تو ہم اُس کی مدد کریں

ماں سر پہ ہاتھ مار کے کہتی تھی ہے غضب
وہ کہتا تھا کسی کا نہیں دھیان مجھ کو اب
سچ ہے کسی کا حال کوئی جانتا نہیں
تیغیں چچا پہ چلتی ہیں کیونکر نہ جائیں ہم
کیونکر چچا کے بدلے نہ تلواریں کھائیں ہم
تبلاؤ گھر میں کون ہے سب کوچ کر گئے
ماں رو کے کہتی تھی تری ہمت کے میں نثار
وہ کہتا تیغ چاہئے کیا ہم کو آبدار
جو سیف کبریا ہے پسر اُس ولی کے ہیں
ماں کہتی تھی ارے ترے مرنے کے ہیں یہ دن
بے تجھ کو منع کرتے ہیں سلطان انس و جن
پہونچے ریاض خلد میں کس آن بان سے
ناگاہ آئی صاف یہ آواز مجتبا
یہ خوں کا جوش ہے نہ رکے گا یہ مہ لقا
چھوڑے یہ ایسے وقت میں کیونکر حسینؑ کو
بیٹے کو روکتی ہے جو گر گر کے پاؤں پر
صدقے حسینؑ پر ہوں جو ایسے ہوں سو پسر
موقوف کچھ جواں پہ ہے نے خورد سال پر
تھرا گئی یہ سُن کے صدا زینب حزیں
جا پہونچا قتل گاہ میں وہ طفل مہ جبیں
تھرائے ہاتھ پاؤں، کلیجہ اُلٹ گیا
ملنے لگا جو منہ سے منہ اپنا وہ گلعذار
کیوں اس بلا میں گھر سے نکل آئے میں نثار
بہنیں ہیں بے قرار پھوپھی بلبلاتی ہیں

کیا ہو گیا پھوپی کا بھی اس دم نہیں ادب
رن میں اکیلے ہیں مرے عمو نے تشنہ لب
میں کیا کروں ارے مرا دل مانتا نہیں
پالا ہے جس نے کام نہ آج اُس کے آئیں ہم
اچھا اگر بچے تو کسے منہ دکھائیں ہم
قاسمؑ دلھن کو چھوڑ کے کیوں آج مر گئے
بے آؤ پنجہ تو کوئی بہر کارزار
یہ ننھے ننھے ہاتھ ہمارے ہیں ذوالفقار
سب ہم کو جانتے ہیں کہ پوتے علیؑ کے ہیں
اے دلبر حسن نہ جیوں گی میں تیرے بن
وہ کہتا تھا بتائیے اصغر کا کیا تھا سن
گردن پہ تیر کھا کے سدھارے جہان سے
زینب اب اس کے روکنے سے فائدہ ہے کیا
قاسم کی ماں سے کہہ دو کہ اب اس سے ہاتھ اٹھا
بھائی پہ صدقے ہونے دو اس نور عین کو
کیا فاطمہؑ کے لال کی اس کو نہیں خبر؟
ہوتا جو آج میں تو کٹاتا خود اپنا سر
فخر اس کو ہے جو نثار ہو زہراؑ کے لال پر
مادر بھی گر کے خاک پہ غش ہو گئی وہیں
غش میں زمیں پہ جھوم رہے تھے امام دیں
پھیلا کے دونوں ہاتھ چچا سے لپٹ گیا
بولے یہ غش سے چونک کے شاہ فلک وقار
دنیا میں ہو نہیں مرے بھائی کے یادگار
لو جاؤ گھر میں جاؤ کہ ماں نکلی آتی ہیں

کہتا تھا گرد شاہ کے پھر کے وہ لالہ فام
گھر میں نہ ہوں جب آپ تو پھر گھر سے کیا ہے کام
قاسمؑ اخیؑ شبیہ پیمبرؐ کے ساتھ ہیں
ہیں بے کسی پہ آپ کی قربان یا امامؑ
حضرت جہاں ہیں گے رہے گا وہیں غلام
اب گھر کہاں کا ہم علیؑ اصغر کے ساتھ ہیں

آتے تھے تیغیں تول کے حضرت پہ جب شریر
کہتے تھے ایک ایک سے شاہِ فلک سریر
معصوم ہے یتیم ہے اور خورد سال ہے
بڑھ بڑھ کے ظالموں کو ہٹاتا تھا وہ صغیر
اس کے عوض لگا دو مجھے گرز و تیغ و تیر
اے اہلِ شام، یہ زنِ بیوہ کا لال ہے

وہ کہتا تھا چچا پہ نہ تیغیں علم کرو
موقوف عزمِ قتلِ امامِ اُمم کرو
سمجھو غنیمت اس شہِ عالی مقام کو
منظور ان پہ جو ہے وہ مجھ پر ستم کرو
جھکتا ہوں میں بدن سے مرا سر قلم کرو
دنیا میں پھر نہ پاؤ گے ایسے امامؑ کو

تلواریں تول کے جو بڑھا اک عدوئے دیں
بولا چڑھا کے کرتے کی ننھی سی آستیں
کافر بھی ہو کوئی تو نہ ایسا عمل کرے
گھبرا گیا تڑپ گیا وہ طفلِ مہ جبیں
کیا میرے عم کو قتل کرے گا تو اے لعیں!
جا دور ہو خدا ترے ہاتھوں کو شل کرے

سن کر یہ بات غیظ میں آیا وہ نابکار
معصوم نے بڑھا دیا ہاتھوں کو ایک بار
صدمہ ہوا حسنؑ کے دلِ دردناک پر
چاہا کہ مارے شاہ کو شمشیرِ آب دار
دونوں کلائیوں پہ لگا اک ستم کا وار
بچے کے دونوں ہاتھ گرے کٹ کے خاک پر

تڑپا جو گر کے گود میں شہ کی وہ نونہال
ماں نکلی خیمہ گاہ سے بکھرائے سر کے بال
ہے ہے یتیم کہہ کے جو ماں بلبلاتی ہے
آئی صدائے فاطمہؑ ہے ہے حسنؑ کے لال
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے شبیرؑ خوش خصال
رن سے حسنؑ کے رونے کی آواز آتی ہے

پانی چچا سے مانگتا تھا وہ مہِ منیر
کھینچا جو شہ نے تیر تو حالت ہوئی تغیر
کرتا تمام خون سے گردن کے بھر گیا
مارا کسی نے چاند سی گردن پہ ایک تیر
آغوش سے تڑپ کے گرا خاک پر صغیر
دامن میں شہ کی ہچکیاں لے کے مر گیا

منہ کر کے سوئے چرخ پکارے شہِ اُمم
دکھ یہ ہے دکھ جفا یہ جفا اور غم یہ غم
اعدا میں قید ہو زینبِ عالی صفات ہو
یارب ترے حسینؑ پہ ہوتے ہیں یہ ستم
اب تک نہیں ڈگے ہیں تری راہ سے قدم
دوزخ سے شیعیانِ علیؑ کو نجات ہو

غش ہو گئے یہ کہہ کے جو شبیرؑ نامور
چلایا فوج کو پسر سعد بدگہر
شمر و سناں و نوفل و حجاج ہیں کدھر
ہاں جلد کاٹ لو پسر فاطمہ کا سر
بیٹھو نہ جب تلک سر شبیر کٹ نہ جائے
زینبؑ تن حسینؑ سے آ کر لپٹ نہ جائے

تاکید کر کے جوں ہی ہٹا وہ عدوئے دیں
نکلے اٹھا کے تیغوں کو چالیس اہل کیں
تھرائے آسمان، لرزنے لگی زمیں
تھا غش میں قبلہ رو پسر ختم مرسلیں
چادر تھی اک لہو کی تن پاش پاش پر
رکھے تھے دونوں ہاتھ بھتیجے کی لاش پر

بڑھ کر بن انس جو ہیں آیا قریب تر
حضرتؑ نے آنکھیں کھول کے دیکھا ادھر ادھر
بھاگا شقی زمیں پہ تلوار پھینک کر
جو پوچھا تھا کہتا تھا اس سے وہ بدگہر
کاٹوں گا میں گلا نہ شہ مشرقین کا
محبوب حق کی گود میں ہے سر حسینؑ کا

ڈر کر کسی نے جب نہ کیا عزم قتل شاہ
خنجر کو تیز کر کے بڑھا شمر روسیاہ
ترک ادب کا ڈر ہے کہوں کس زباں سے آہ
بیٹھو سروں کو ذبح ہوئے شاہ دیں پناہ
گھر لٹ گیا بتولؑ کا دنیا اجڑ گئی
زینبؑ سے شاہ، شاہ سے زینبؑ بچھڑ گئی

حضرتؑ کو ذبح کر کے ہٹا جب وہ بدگہر
زلفیں پکڑ کے لے چلا سبط نبی کا سر
ٹکرائے کوہ آ گئے جنبش میں بام و در
آندھی اٹھی سیاہ کہ اڑ گئے شجر
غل تھا کہ اٹھ گئی برکت اب جہان سے
قطرے لہو کے گرنے لگے آسمان سے

ہاں اے غاشقو حسینؑ کے آہ و بکا کرو
زہرا کا ساتھ دو مدد مصطفےٰ کرو
حق محبت شہ والا ادا کرو
بے سر ہوئے حسینؑ قیامت بپا کرو
سمجھو شریک مجلس ماتم بتولؑ کو
سب مل کے دو حسینؑ کا پرسا رسولؐ کو

یا مصطفےٰ حضور کے پیاروں کو روتے ہیں
یا فاطمہ حسینؑ پہ قربان ہوتے ہیں
سن کر حدیث مرثیہ جانوں کو کھوتے ہیں
سر پیٹتے ہیں اشکوں سے دامن بھگوتے ہیں
تھی واں ہماری یاد شہ مشرقین کو
پھر کس کو رو دیں ہم جو نہ رو دیں حسینؑ کو

بس اے انیس طول سے بہتر ہے اختصار
یہ بزم اور آج کا پڑھنا ہے یادگار
کم ہے جو اس سخن پہ جواہر کریں نثار
بہتر ہے موتیوں سے تری نظم آبدار
سچ ہے یہ طرز خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

مرثیہ ۲۱

بند ۶۰

جب خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے
چلائی سکینہ مرے بیکس پدر آئے
حضرت کو جو ناموسِ پیمبرؐ نظر آئے
رو کر کہا ہم قبر میں اصغرؑ کو دھر آئے
لو بی بیو! شبیرؑ جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہؑ کا لال چراغِ سحری ہے

تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں
قاسم ہیں کہ عمو کے عوض خوں میں نہائیں
عباسؑ ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنے کٹائیں
اکبرؑ ہیں جو بابا کے عوض برچھیاں کھائیں
یاور کوئی جز بیکسی و یاس نہیں ہے
اصغرؑ بھی موئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے

تقدیر میں جو داغ اُٹھانے تھے اُٹھائے
ان آنکھوں سے فرزندوں کے لاشے نظر آئے
اکبرؑ سا پسر مر گیا ہم مرنے نہ پائے
خالق مجھے اس قافلے سے جلد ملائے
کس سے کہوں جو ہجرِ عزیزاں کا قلق ہے
دل ٹکڑے ہے سینے میں کلیجہ مرا شق ہے

تم سب کو کیا خالقِ اکبرؐ کے حوالے
زہراؑ کے حوالے کیا حیدرؑ کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابدؑ مضطر کے حوالے
ہے میری سکینہؑ مری خواہر کے حوالے
ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلائیو جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

اصغرؑ کو لئے گود میں پھرتی تھی وہ دن بھر
بہلائے گی دل کس سے کہ مارے گئے اصغرؑ
اب ادہ یتیمی کی بلا آتی ہے سر پر
غم ہے کہ یہ کس طرح جیئے گی مری دختر
کون اس کے بھلا ناز اُٹھائے گا مرے بعد
چھاتی پہ اُسے کون سُلائے گا مرے بعد

افسوس مری پیاری پہ اب ہوئے گی بیداد
دُر کے لیے ماریں گے طمانچے ستم ایجاد
چلائے گی لے لے کے مرا نام وہ ناشاد
مر کر بھی غم و رنج سے ہم ہوں گے نہ آزاد
ہیہات گلا باندھے گا جب شمر رسن میں
لاشا مرا صدمے سے تڑپ جائے گا رن میں

کہہ کر یہ سخن رونے لگے سیدِ اکرم
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہو گیا ماتم
سر پیٹ کے زینبؑ نے کہا اے شہِ عالم
کس سے سخنِ یاس یہ فرماتے ہو اس دم
کچھ میری بھی ہے فکر جو سر دیتے ہو بھائی
ہے ہے مجھے مرنے کی خبر دیتے ہو بھائی

جاتے ہو تو ہمراہ بہن کو بھی لیے جاؤ
جب غش میں سر پاک کو گرنے پہ جھکاؤ
تنہا تمہیں شمشیر و تبر کھانے نہ دوں گی

بابا نہیں، اماں نہیں، بیٹے بھی نہیں پاس
اس خواہر غمگیں کو فقط آپ کی ہے آس
ہر شہر میں سر ننگے میں دل خستہ پھروں گی

رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر شہ ابرار
فرمایا کہ دے صبر تجھے ایزد غفار
کس طرح نہ مرنے کا ارادہ کرے زینبؑ

جانے دو بہن، خالق اکبرؑ کی قسم ہے
زہراؑ کی تمہیں روح مطہر کی قسم ہے
تنہائی سے دل سینے میں گھبراتا ہے بھینا

یہ سن کے گری زینبؑ دلگیر زمیں پر
پھر شہ نے کہا دیکھ کے بانوؑ کو کھلے سر
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی سینہ زنی ہے

رو کر کہا بانو نے کہ یا سبط پیمبرؐ
کس طرح میں چھاتی کو نہ پیٹوں مرے سرور
جینے کی نہیں دل پہ بڑا رنج و تعب ہے

شہ نے کہا بانوؑ یہی قسمت میں لکھا ہے
آیا ہے جو دنیا میں وہ اک روز فنا ہے
دو بیٹے فدا کر چکی ہو راہ خدا میں

پیغام رنڈاپے کا سنا شاہ سے جس دم
عابدؑ کے سرہانے گئے روتے شہ عالم
کیا غش میں ہو رخصت کو پدر آیا ہے بیٹا

میں تیر ستم کھاؤں گی تم برچھیاں کھاؤ
میں تھام لوں تا خاک پہ تم گرنے نہ پاؤ
مر جاؤں گی پر آپ کو میں جانے نہ دوں گی

پردیس میں یاں ہے کون بجز بیکسی و یاس
بعد آپ کے کوئی نہیں کرنے کا مرا پاس
صدقے گئی در در میں رسن بستہ پھروں گی

چھاتی سے لگایا اسے با دیدۂ خوں بار
واللہ بہن بھائی ہے اس امر میں ناچار
ہے مرضی خالق یہی تو کیا کرے زینبؑ

رو کو نہ ہمیں تم کو پیمبرؐ کی قسم ہے
بس صبر کرو تم کو مرے سر کی قسم ہے
اب ٹھہروں تو وعدے میں خلل آتا ہے بھینا

چلائی کہ دنیا سے چلے ہائے برادر
صاحب کہو کیا حال ہے کیوں پھینک دی چادر
ہم تو ابھی جیتے ہیں یہ کیا شکل بنی ہے

کچھ ہوش نہیں جب سے موئے ہیں علی اکبرؑ
اکبر ہی کو روتی تھی کہ مارے گئے اصغرؑ
آقا نے بھی لونڈی کو جو چھوڑا تو غضب ہے

تقدیر سے کچھ زور نہیں صبر کی جا ہے
گھبراؤ نہ ہر دکھ میں مددگار خدا ہے
شوہر کو بھی قربان کرو راہ خدا میں

یہ روئی کہ بے ہوش ہوئی بانوئے پر غم
بازو کو ہلا کر کہا با دیدۂ پر نم
اٹھو کہ وصیت کو پدر آیا ہے بیٹا

بابا کی صدا سُن کے اُسے ہوش جو آیا
شہ بیٹھ گئے اور اُسے آہستہ اُٹھایا
روشن ہوئیں آنکھیں شہِ والا نظر آئے
شہ نے کہا دے تجھ کو شفا ایزدِ غفار
خیمے کے جلانے کو اب آئیں گے جفا کار
اس گھر کے بس اب مالک و مختار تمھیں ہو
سمجھاتا ہوں جو کچھ وہی کرنا مرے دلدار
ہوتا ہیو سر دیکھتے ہی طوقِ گراں بار
فرزند ہو تم ابنِ شہِ عقدہ کشا کے
اور اک یہ وصیت رہے یاد اے مرے جانی
جو ہیں پہر گزرے ہیں پایا نہیں پانی
تم فاتحہ بابا کی دلا دیجیو بیٹا
اور سوئے وطن جائیو جب قید سے چھٹ کر
بی بی! تجھے بھولا نہیں ہیں بیکس و مضطر
تقدیر نے زندہ ہمیں پھیرا نہ سفر سے
سجادؑ نے حضرت سے کہا تھام کے رقت
اس قیدِ مصیبت سے تو بہتر ہے شہادت
یہ شدتِ تپ اور یہ تنہائی ہماری
شہ نے کہا صدقے تری مظلومی کے شبیرؑ
کس طرح سے تو حلق دھرے گا تہِ شمشیر
تا زیست تجھے باپ کے ماتم میں ہے رونا
ہر چند کہ ہے تم یہ فراقِ پدری جبر
آجائے نہ غش رو ؤ نہ بیٹا صفتِ ابر
ناموسِ رسولِ دوسرا کو تمھیں سونپا

اُٹھا نہ گیا سر قدمِ شہ پہ جُھکایا
مُنھ دیکھ کے حضرت کا یہ عابد نے سُنایا
بس اب ہوئی صحت کہ مسیحا نظر آئے
جاتا ہے پدر مرنے کو اے عابدِ بیمار
رہنا حرمِ پاک سے بلوے میں خبردار
بے وارثی رانڈوں کے مددگار تمھیں ہو
رسّی بندھے گردن میں تو مت کیجیو تکرار
رکھ دیجیو قدم، بیڑیاں لائیں جو ستمگار
پابند رہو سلسلۂ صبر و رضا کے
کیجیو نہ فراموش، مری تشنہ دہانی
دیں پانی اگر بعد مرے ظلم کے بانی
اور پیاسی سکینہ کو پلا دیجیو بیٹا
صغرا سے یہ کہیو مری جانب سے مقرر
تھی یاد تری دل میں گلا تھا تہِ خنجر
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے
کیا بندے کو مرنے کی نہ دیجے گا اجازت
بن آپ کے ہے زیست مرے حق میں قیامت
گر آپ نے چھوڑا تو اجل آئی ہماری
اے عابدِ بیکس ہے یہی خواہشِ تقدیر
پیارے ترے حصے میں تو ہے طوقِ گلوگیر
چالیس برس تجھ کو مرے غم میں ہے رونا
جب تم نہ ہوئے کون بناوے گا مری قبر
اب گھر میں نہ ہم آئیں گے بابا کو کرو صبر
سونپا تمھیں گھر، اور خدا کو تمھیں سونپا

غش ہو گئے سجادؑ حزیں سُن کے یہ تقریر
صدمے سے ہوا زرد رخِ زینبؑ دلگیر
اُٹھتا ہے مرے شاہ کا سایا مرے سر سے
سمجھاتے تھے ایک ایک کو شہ بادلِ ناشاد
بھولو نہیں اب، خالقِ اکبر کو کرو یاد
یہ سُن کے ہر اک تکتی تھی شبیرؑ کی صورت
خیمے سے برآمد ہوئے آخر شہِ صفدرؑ
کیا کیجے بیاں بےکسی سبطِ پیمبرؐ
تھامے جو رکاب آپ کی اتنا نہ کوئی تھا
کس یاس سے ہر چار طرف تکتے تھے سرورؑ
رو کر کبھی چلّاتے تھے آؤ علی اکبرؑ
لو جلد خبر بےکس و بےیار ہوں عباسؑ
رو رو کے یہ کہتے تھے شہنشاہِ دو عالم
ہرگز دلِ زینبؑ کو قرار آیا نہ اُس دم
اے بھائی دکھاؤں کسے تنہائی تمھاری
شہ نے کہا زینبؑ تری اُلفت کے میں قربان
پھر گھوڑے کے نزدیک گئے سرورِ ذی شان
زینبؑ نے رکھا ہاتھ رکابِ شہِ دیں پر
میداں کو چلی سیدِ بےکس کی سواری
جنگاہ میں پہونچا اسدِ ایزدِ باری
کیا رُعب تھا کیا دبدبہ تھا ابنِ علیؑ کا
بچپن کا تھا مرکبِ نہ دراں برق کی تمثال
کہتے تھے ستمگار نہ ہے حشمت و اجلال
لب تشنہ کئی دن شہِ مظلوم رہے ہیں

روتے ہوئے میداں کو چلے حضرتِ شبیرؑ
چلّا کے کہا بانو نے ہے ہے مری تقدیر
لوگو میں چھٹی جاتی ہوں زہراؑ کے پسر سے
اے بی بیو بے فائدہ ہے نالہ و فریاد
شاکر رہو ہر دکھ میں کہ حق کا ہے یہ ارشاد
شہ دیکھتے تھے رو رو کے ہمشیر کی صورت
سب بی بیاں ڈیوڑھی پہ ہیں کھولے ہوئے سر
بیٹا نہ بھتیجا نہ علمدار نہ لشکر
رہوار تھا یا راکب دوش نبوی تھا
دکھلائی نہ دیتا تھا کوئی مونس و یاور
دل تھام کے کہتے تھے کبھی ہائے برادر
تم تھامو رکاب آ کے تو اسوار ہوں عباسؑ
مظلومی شبیرؑ پہ تھا خیمے میں ماتم
چلّاتی ہوئی ڈیوڑھی سے نکلی وہ بصد غم
تھامے گی رکاب آج یہ ماں جائی تمھاری
بھائی کے لئے پڑے کا تم کو نہ رہا دھیان
رو رو کے کہا لو بہن، اللہ نگہبان
شبیرؑ ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر
زینبؑ گئی خیمے میں بصد گریہ و زاری
اس غیظ سے دیکھا کہ لگے کانپنے ناری
قبضے کی طرف ہاتھ نہ بڑھتا تھا کسی کا
ہر مرتبہ چمکاتا تھا فاطمہؑ کا لال
دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال
پر اشیر سے میداں میں کھڑے جھوم رہے ہیں

دن ہو گیا جلوے سے رخِ پاک کے مہتاب
ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرہ گلِ شاداب
آئینہ ہے گردن، تو صراحی سا گلا ہے
اتنے میں ہوئے بڑھ کے رجز خواں شہِ صفدر
نانا ہے پیمبر مری ماں بنتِ پیمبر
ہیں سروِ روانِ چمنِ شیرِ خدا ہوں
تم وہ ہو کہ لکھ لکھ کے خطِ شوق بلایا
تم وہ ہو کہ بے جرم و خطا مجھ کو ستایا
تم وہ ہو کہ تصویرِ پیمبر کی مٹا دی
بے جاں کئے تم نے مرے یاور مرے پیارے
تم صبح و مسا رہتے ہو دریا کے کنارے
مہماں کو بھی ایذا کبھی دنیا میں ملی ہے
کچھ بولے نہ حضرت کے سخن سن کے ستمگار
کی سبطِ پیمبر نے علم تیغِ شرربار
دم بند ہوئے تیغ سے بیدادگروں کے
کس سے ہو بیاں تیزیِ تیغِ شہِ عالم
کہئے اسے برقِ غضبِ خالقِ اکرم
جس غول پہ بجلی سی وہ جا پڑتی تھی تھم کے
میداں میں ازبس خون کے دریا کا ہوا جوش
نامی جو بہادر تھے نہ تھا ان میں ذرا ہوش
کیا جانے بھلا سبطِ پیمبر کے برابر
کیا تیغ تھی کیا ضرب تھی العظمۃ للہ
دم لینے نہ دیتے تھے کسی کو شہِ ذی جاہ
تھا جاں سے فدا ضربتِ دستِ شہِ دیں پر

ابرو ہیں حریمِ حرمِ پاک کے محراب
لب غیرتِ یاقوت ہیں دنداں درِ خوشاب
حضرت کا بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہے
پہچانو مرے رتبے کو اے قومِ ستمگر
بھائی حسنِ سبز قبا عاشقِ داور
واللہ ڈرو مجھ سے کہ میں شیرِ خدا ہوں
میں وہ ہوں کہ گھر چھوڑ کے اس گرمی میں آیا
میں وہ ہوں کہ شکوے کا سخن لب پہ نہ لایا
میں وہ ہوں کہ جس نے تمھیں بخشش کی دعا دی
میں رہ گیا سب جانبِ فردوس سدھارے
بچے موئے جاتے ہیں مرے پیاس کے مارے
پانی نہیں دیتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
اک بار بجے طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
بجلی کی طرح جا ہی پڑا فوج میں رہوار
ہر چار طرف چھا گئے بادل سپروں کے
ہنگامِ رقم حرف کٹے جاتے ہیں باہم
خوں ریز و جفاکار و سرانداز و ستمگر دم
سر گرتے تھے مانندِ تگرگ اہلِ ستم کے
مچھلی کی طرح لوٹتے پھرتے تھے زرہ پوش
تھا شور کہ بس شمعِ حیات اب ہوئی خاموش
اک برق نکل جاتی ہے ڈوکر کے برابر
یاں کوہ جو ہووے تو کٹے مثلِ پرِ کاہ
دوزخ کی طرف رن سے چلے جاتے تھے گمراہ
کتنے ہی تڑپتے نظر آتے تھے زمیں پر

کرتا ہے علم سیفِ زباں راویِ پُرغم
تھے گھاٹ جو روکے ہوئے واں سیکڑوں ظالم
آئی جو ہوا اسپِ شہِ تشنہ دہاں کو
حضرت نے جو دیکھا کہ بہت تشنہ ہے رہوار
فرمایا کہ سیراب ہو اے اسپِ وفادار
اور میں تو کبھی پانی سے لب تر نہ کروں گا
بے جاں ہوئے پانی سے تڑپ کر علی اکبرؑ
دم توڑتی ہے خیمے میں پیاسی مری دختر
اب دل کو مرے ساغرِ کوثر کی ہوس ہے
راکب کی جو تقریر سُنی گھوڑے نے ساری
رُو رُو کے یہ کی عرض کہ اے عاشقِ باری
حضرت کی طرح آب سے بے زار ہوں آقا
رونے لگے یہ سُن کے شہِ بیکس و بے پر
چاہا جو ہیں شہ نے کہ لبِ خشک کریں تر
پانی سے ابھی حلق نہ تر کیجئے حضرت
تاراج ہوا اہلِ حرم کا زر و زیور
یہ سنتے ہی شاہِ دوجہاں ہو گئے مضطر
لے تیغِ دودم ہاتھ میں گھوڑے پہ سنبھل کر
گھر سیدِ مظلوم کا سالم نظر آیا
عباسؑ کے لاشے کو جو دیکھا تو سُنایا
گھر ہو گیا ویراں علی اکبرؑ گئے مارے
رو رو کے ابھی کہتے تھے یہ سبطِ پیمبرؐ
تیر ایسے پڑے چھن گیا سارا تنِ انور
ٹکڑے ہوا تیغوں سے عمامہ شہِ دیں کا

لڑتے ہوئے دریا پہ جو پہونچے شہِ عالم
اک حملے میں اُن سب کو کیا درہم و برہم
لٹکا دیا پانی پہ نظر کر کے دہاں کو
ٹھکرا کے اُسے ڈال دیا نہر میں اک بار
پرچھا ہے ابھی گھیرے نہیں پھر کہیں کفار
پیاسے موئے عباسؑ، ہیں پیاسا ہی مروں گا
ہاتھوں پہ مرے تشنہ دہن مر گئے اصغر
اے گھوڑے تو منصف ہو میں پانی پیوں کیونکر
اور حلق کو آبِ دمِ خنجر کی ہوس ہے
اک ندی ہوئی آنسوؤں کی چشموں سے جاری
سیراب ہوں میں ورنہ مجھے پیاس تمہاری
میں بھی نہ پیوں گا کہ وفادار ہوں آقا
پھر سوچ کے کچھ پانی بھرا چلو کے اندر
چلا کے یہ تب کہنے لگا ایک ستم گر
گھر لٹتا ہے ہاں جلد خبر لیجئے حضرت
سب اہلِ حرم خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
اُس پانی کو بس پھینک دیا نہر کے اندر
خیمے کو لگے دیکھنے دریا سے نکل کر
مطلق اثر اُس شامی کی باتوں کا نہ پایا
اے بھائی! خبر لو ہمیں اعدا نے ستایا
اُٹھ کر ہمیں پُرسا دو کہ اصغر گئے مارے
جو گھیر لیا فوجِ ستم گار نے آکر
سینے پہ پڑیں برچھیاں اور پہلو پہ خنجر
آلودۂ خوں ہو گیا جامہ شہِ دیں کا

زخمی جو بہ شدت ہوا زہرا کا وہ جانی
تلواریں لگاتے تھے کھڑے ظلم کے بانی
کرتا تھا کوئی رحم نہ اُس تشنہ دہن پر
فرماتے تھے افسوس نہ رتبہ مرا جانا
سمجھے ہو گنہ پیاسے کو پانی کا پلانا
تلواریں یہ سب چلتی ہیں حیدر کے جگر پر
سنتے تھے نہ مظلوم کی فریاد ستم گر
بہہ بہہ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر
لگتے تھے جو پیکانِ ستم چہرے پہ آ کر
اتنے میں چھدا تیر سے حلقِ شہِ ابرار
حلقوم سے کھینچا جو نہی وہ ناوکِ خونخوار
صدمہ تھا عجب دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
پیشانی پہ اک تیر لگا اور بھی کاری
مل مل کے لہو چہرے پہ وہ عاشقِ باری
فردوس میں جا کر یونہی بابا سے ملوں گا
ناگاہ بن وہب نے اک برچھی لگائی
وہ دلبر زہرا کے کلیجے میں در آئی
سنبھلا نہ گیا دوشِ محمدؐ کے مکیں سے
سب زخم بدن پھٹ گئے گرتے ہی زمیں پر
آلودہ ہوئے خاک سے گیسوئے معنبر
تھی خشک زباں بول نہ کچھ سکتے تھے حضرت
چلاتی تھی ڈیوڑھی پہ کھڑی خواہرِ شبیرؑ
دم توڑتے ہو پانی پلاتے نہیں بے پیر
تلواریں پڑیں گی تو نہ گھبراؤں گی بھائی

طاقت جو گھٹی اور بڑھی تشنہ دہانی
ہونٹوں پہ زباں پھیر کے شہ کہتے تھے پانی
پانی کے عوض تیر برستے تھے بدن پر
اے ظالمو اچھا نہیں زہرا کا ستانا
ملبوس بنی کرتے ہو تیروں کا نشانہ
پڑتے ہیں یہ سب تیر پیمبرؐ کے جگر پر
اک پیاسے پہ ٹوٹا ہوا تھا شام کا لشکر
رہوار بھی مجروح تھا تیغوں سے برابر
ہر مرتبہ خوں جھاڑتا تھا سر کو پھرا کر
پیکانِ ستم گردنِ انور سے ہوا پار
فوارے کے مانند چھٹی خون کی اک دھار
گرتا تھا گریباں سے لہو دامنِ زیں پر
آلودۂ خوں ریشِ مبارک ہوئی ساری
کہتا تھا کچھ اُمت نے نہ کی قدر ہماری
جنت میں اسی طرح سے نانا سے ملوں گا
تھی زہر میں ظالم نے سناں اس کی بجھائی
گردن شہِ مظلوم نے ہرنے پہ جھکائی
یا شیرِ خدا کہہ کے گرے خانۂ زیں سے
بسمل کی طرح خوں میں تڑپنے لگے سرورؑ
تلواریں لگانے لگے گرد آ کے ستم گر
مظلومی سے ایک ایک کا منہ تکتے تھے حضرت
اس بیکسی و مظلومی کے صدقے ہو یہ ہمشیر
اب رن میں نکل آتی ہوں میں بیکس و دلگیر
ہیں آپ کو خیمے میں اُٹھا لاؤں گی بھائی

ریتی پہ تڑپتے ہو تمھیں کون اُٹھائے
ہے ہے کہوں کس سے کہ تمھیں پانی پلائے
یا حیدرِ صفدر تمھیں امداد کو پہونچو
فریاد سنی زینبؑ ناشاد کی جس دم
دیکھا کہ یہ ہے خواہرِ غم دیدہ کا عالم
تھامے ہیں کسی بی بیاں اُس خستہ جگر کو
لشکر سے بڑھا شمرِ لعیں کھینچ کے خنجر
زانو سے دبا سینۂ زخمی جو سراسر
خنجر کو رکھا شہ کے گلے پر جو لعیں نے
ظالم کو زباں سوکھی دکھائی کئی باری
جب تک کہ نہ گردن کی رگیں کٹ چکیں ساری
جس وقت جدا ہو گیا سر تیغ سے کٹ کر
غل پڑ گیا بے سر ہوا سردارِ دو عالم
خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں ماتم
غیر از غمِ شبیرؑ کوئی غم نہ ذرا دے

ہے ہے کسے بھیجوں جو لعینوں سے بچائے
ہے ہے کسے ماں جائی ترا حال سُنائے
بھائی کا گلا کٹتا ہے فریاد کو پہونچو
خیمے کی طرف تکنے لگے سیدِ اکرم
سر پیٹتی ہے ہاتھوں سے اور کرتی ہے ماتم
اس صدمے سے غش آ گیا زہراؑ کے پسر کو
فریاد ہے چھاتی پہ چڑھا شہ کے ستمگر
اُس وقت لہو منہ سے اُگلنے لگے سرور
تکبیر کہی کھول کے آنکھیں شہِ دیں نے
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
تکبیر رہی شہ کے لبِ خشک پہ جاری
خم ہو گیا قبلے کی طرف جسم اُلٹ کر
خنجر سے دلِ جانِ نبیؐ ہو گیا بے دم
اب خالقِ اکبر سے دعا مانگ یہ اس دم
یا رب مجھے تو قیدِ تفکر سے چھڑا دے

رُباعی

اے بادشہ کون و مکاں اَدْرِکْنی!
اے عقدہ کُشائے دو جہاں اَدْرِکْنی!
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیسؔ
یا حضرتِ صاحب الزّماں اَدْرِکْنی!

۲۲ مرثیہ ۹۶ بند

جب آمدِ سردارِ دو عالم ہوئی رن میں
سب فوجِ عدو درہم و برہم ہوئی رن میں
اک جلوہ گری نور کی جس دم ہوئی رن میں
اک بار صفِ فوجِ ملک خم ہوئی رن میں
غل تھا کہ حسینؑ آج لڑائی پہ چڑھیں گے
یا صاحبِ معراجؐ لڑائی پہ چڑھیں گے

کیا دبدبہ و رعب ہے العظمۃ للّٰہ
شیر آنکھ چراتا ہے یہاں صورتِ روباہ
ہے ایک فقط فاطمہؑ کی روح تو ہمراہ
خادم بھی جلو میں نہیں اور نہ حشم و جاہ
حلقے میں ملک اسپِ صبادم کو لیے ہیں
اور فرق پہ جبرئیلِؑ امیں سایہ کیے ہیں

بخشا ہے خدا نے انھیں اقبالِ محمدؐ
خال و خطِ رخسار خط و خالِ محمدؐ
شوکت جو علیؑ کی ہے تو اجلالِ محمدؐ
کیا مرتبہ ہے صلِّ علیٰ آلِ محمدؐ
حق کے کرمِ نامتناہی سے بنے ہیں
یہ پانچ بشر نورِ الٰہی سے بنے ہیں

اعجازِ رسولانِ سلف ان میں ہے موجود
آہن کو ابھی موم کریں صورتِ داؤدؑ
اُف کر دیں تو جل جائے یہ سب لشکرِ مردود
پر ہیں یہ طلبگارِ رضامندیٔ معبود
صدقے کیا اکبرؑ سا پسر راہِ خدا میں
خوش ہو کے لٹا دیتے ہیں گھر راہِ خدا میں

دو ٹکڑے ہو تیغ ان کی اگر کوہ پہ چل جائے
فولاد بھی شمشیر کی آتش سے پگھل جائے
نعرہ جو کریں شیر کا دم تن سے نکل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ فوج سے ٹل جائے
خود شیر ہیں یہ اور خلفِ شیرِ خدا ہیں
ضرب ان کی رُکے کیا کہ یہ شمشیرِ خدا ہیں

ہے قہرِ خدا غیظِ شہنشاہِ دو عالم
مجموعۂ عالم ہوا ابھی درہم و برہم
پیری میں قیامت ہے جواں بیٹے کا ماتم
رونے کے عوض شکرِ خدا کرتے ہیں باہم
صابر کوئی آفاق میں ایسا نہیں دیکھا
یہ دل نہیں دیکھا یہ کلیجا نہیں دیکھا

تنہائی میں دیکھو تو ذرا شانِ سواری
کیا شوکت و صولت ہے زہے قدرتِ باری
چالاکیٔ توسن سے خجل بادِ بہاری
رُخ نورِ خدا کا ہے سوئے لشکرِ ناری
گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے یوں آتے ہیں رن میں
جس طرح کوئی سیر کو آتا ہے چمن میں

پیشانیِ روشن کی ضیا دورِ تلک ہے
میدانِ شہادت کی زمیں ہے کہ فلک ہے
نسبت ہے نہ خورشید کو نہ بدر کی ضو کو
کیا رُتبۂ اعلیٰ ہے زہے حشمت و اجلال
روشن ہے جبیں آئینۂ مہر کی تمثال
ہے جلوہ گری نور کی پیشانیِ شہ میں

ابروے جگر گوشۂ زہراؑ کی زہے شان
اور گوشۂ ابرو سے اشارہ ہے یہ ہر آن
جبرئیل کو یارا نہ پہونچنے کا جہاں تھا
گرد آنکھوں کے کس حسن سے پلکیں ہیں صف آرا
کرتی ہے ہر اک چشم کی پتلی یہ اشارا
قرباں ہو ان آنکھوں پہ اگر عین شرف ہے

رخسارۂ روشن گلِ خورشید پہ وہ رہا ہے
یہ ریشِ مطہر نہیں ہالے میں قمر ہے
پہلو میں شبِ قدر کو یاں بدر لئے ہے
ہے آئینۂ نورِ خدا گردنِ انور
تھا تنگ گریبان تو روئے تھے پیمبرؐ
زہراؑ سے ڈرا وہ نہ علیؑ سے نہ خدا سے

وہ دست زبردست شہنشاہِ فلک جاہ
تھے دستِ نگر جس کے زمانے کے شہنشاہ
خنجر سے گلا شمرِ بد افعال نے کاٹا
وہ سینہ جو تھا مخزنِ اسرارِ امامت
دیکھو تو ذرا شامیوں کی شومیِ شامت
مقتل میں جو وہ شمر کے زانو سے دبا تھا

اس نور کا پروانہ رُخِ حور و ملک ہے
یہ ذرّے ہیں خورشید درخشاں کی چمک ہے
شرماتے ہیں نقشِ سُمِ توسن مہ نو کو
لاریب کہ ہے نورِ خدا فاطمہؑ کا لال
ہے سجدۂ خالق کا نشاں اخترِ اقبال
عکسِ گلِ سوسن ہے یہ آئینۂ مہ میں

یہ ہیں وہ کمانیں کہ علیؑ جن پہ ہیں قرباں
نانا ہے مرا کعبۂ دیں قبلۂ ایماں
واں احمدؐ و محمود میں فرق دو کماں تھا
یاں مردمِ بد بیں کو نظر کا نہیں یارا
یہ احمدِ مختار کی آنکھوں کا ہے تارا
ہر دم حق بیں کی نظر اُن کی طرف ہے

اس جا گلِ تر بھی عرقِ شرم میں تر ہے
ہے صاف ہویدا کہ یہ شب ہے وہ سحر ہے
اور بدر کو ہالے میں شبِ قدر لئے ہے
چوما تھا رسولِ عربیؐ نے جسے اکثر
واں شمرِ جفا جو نے رکھا حلق پہ خنجر
کاٹا اُسی گردن کو ستمگر نے قفا سے

ہاتھ آیا تھا حصے میں جسے زورِ یداللہ
اُس شاہ کے ہاتھوں کا ہیں کیا حال لکھوں آہ
پہونچوں سے ہر اک ہاتھ کو جمال نے کاٹا
سب جانتے ہیں جس کی بزرگی و کرامت
بیتر اُس پہ لگائے نہ کیا خوفِ قیامت
محبوبِ الٰہی کا گریبان پھٹا تھا

پہنے ہیں زرہ حضرتِ داؤدؑ کی بر میں
شیروں کو نہیں تاب یہ ہے رعب نظر میں
یاد آتے ہیں عباسؑ تو رک جاتے ہیں شبیرؑ

رانیں وہ ستوں کعبۂ ایماں کی ہیں دو طاق
فاقوں سے ہے گو طاقتِ اعضائے بدن طاق
پروا نہیں کٹ جائے جو سر تیغِ جفا سے

اس شان سے میداں میں جو پہونچے شہِ ابرار
لشکر میں بجا طبل۔ علم کھل گئے اک بار
اک دل ہوئے سب قتلِ شہِ جن و بشر پر

حربوں کو میانوں سے ستمگاروں نے کھینچا
تیغوں کو کمر سے جو سب اسواروں نے کھینچا
پھل برچھیوں کے رن میں چمکتے نظر آئے

حضرت نے جو دیکھی یورشِ لشکرِ اظلم
فرمایا کہ تم لاکھوں ہو اور ایک مرا دم
جب کھینچی ہے تیغِ دو زباں، کھیت پڑے ہیں

یہ جنگ نہیں غزوۂ خندق سے زیادہ
جس وقت کیا عمروؔ سے لڑنے کا ارادہ
نصرت کے خبردار خبر لے کے پھرے تھے

سب خلق کو خیبر کی لڑائی کی خبر ہے
اور دودھ کا زہراؑ کے بھی رگ رگ میں اثر ہے
بچپن سے تن زار میں طاقت ہے نبیؐ کی

بگڑوں تو ابھی نقشِ فنا تم کو بنا دوں
سب فوج کو شمشیر کی آتش سے جلا دوں
منظور ہے مجھ کو کہ رضامند خدا ہو

اور تیغِ یداللہ ہے مولا کی کمر میں
اکبرؑ کے جواں مرنے سے ہے درد جگر میں
گھوڑے پہ کمر تھام کے جھک جاتے ہیں شبیرؑ

گھٹنے ہیں سدا سجدۂ معبود کے مشتاق
مولا کی ہے ثابت قدمی شہرۂ آفاق
بڑھ کر نہیں ہٹتے ہیں قدم راہِ رضا سے

اک شور ہوا گھاٹ سے دریا کے خبردار
اعدا کے پرے ہو گئے آمادۂ پیکار
فوجوں کی گھٹا چھا گئی زہراؑ کے قمر پر

چلّوں کو کمانوں سے کمانداروں نے کھینچا
سر چرخ پہ جوں صاعقہ تلواروں نے کھینچا
نیزے صفِ دشمن میں لچکتے نظر آئے

خود نادِ علیؑ پڑھ کے بڑھے قبلۂ عالم
پر لشکرِ روباہ سے ڈرتے نہیں ضیغم
اکثر شہِ مرداں بھی اکیلے ہی لڑے ہیں

اسوار ہوں میں آج وہ اس دن تھے پیادہ
کشتے تھے ہزاروں بسرِ خاک فتادہ
اور شیرِ خدا عمروؔ کا سر لے کے پھرے تھے

شمشیر اسی صاحبِ طاقت کا پسر ہے
میں سیفِ خدا ہوں مرے قبضے میں ظفر ہے
چوسی ہے زباں میں نے رسولِ عربیؐ کی

جوں حرفِ غلط صفحۂ ہستی سے مٹا دوں
آجاتا ہے پر رحم کہ ایذا انھیں کیا دوں
میری تو ظفر یہ ہے کہ سر تن سے جدا ہو

لڑنا ہی جو ہوتا مجھے اے قوم ستمگر
نیزے سے مرے سامنے مارے گئے اکبرؑ
واقف ہے خدا تم نے جو کچھ جبر کیا ہے
دل سوز نہیں داغِ جگر کس کو دکھاؤں
منصف نہیں ہیں داغِ پسر کس کو دکھاؤں
دل جس سے قوی تھا وہ برادر بھی نہیں ہے
اس عالمِ فانی سے بزرگ اُٹھ گئے سارے
جو عاشقِ صادق تھے وہ دنیا سے سدھارے
پھر جاتی ہے ایک ایک کی تصویر نظر میں
زد سے ہیں تیروں کی بچاتا نہیں کوئی
میدان میں سر دینے کو جاتا نہیں کوئی
ہم وہ ہیں کہ سب کے تنِ صد پاش پہ روئے
روئے ستم آرا کئی سُن سُن کے یہ تقریر
تقصیر تمہاری ہے مری کچھ نہیں تقصیر
گو اب بھی تم اس صابر و شاکر کو اماں دو!
اک خیر ہے یہ بھی کہ مجھے شر سے بچا دو
اس سینے کو زانوئے ستمگر سے بچا دو
یثرب میں، نہ کوفے میں، نہ بطحا میں رہوں گا
صحرا کے بسانے میں ضرر ہو جو تمہارا
شبیرؑ کو منظور ہے خود، سب سے کنارا
طوف حرم خالقِ اکبر کو بھی چھوڑا
سرحد میں تمہاری اگر آؤں تو قسم لو
گھر شہر میں رہنے کو بناؤں تو قسم لو
صحرا میں جگہ خاک پہ سونے کو بہت ہے

ہیں! تم سے نہ لیتا، عوض خون برادر؟
رہ جاتا میں ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر؟
شبیرؑ نے مقدور پہ کیا صبر کیا ہے
یہ خشک لب اور دیدۂ تر کس کو دکھاؤں
ٹوٹی ہوئی پیری میں کمر کس کو دکھاؤں
قاسمؑ بھی نہیں ہے علی اکبرؑ بھی نہیں ہے
اب غیرِ خدا کوئی نہیں پاس ہمارے
فرزندِ نبیؐ اُن کو کہاں جا کے پکارے
آنکھوں سے نہاں ہو گئے سب تین پہر میں
اب چاند سی تصویر دکھاتا نہیں کوئی
ہم مرنے کو آئے ہیں اور آتا نہیں کوئی
اتنا نہیں کوئی جو مری لاش پہ روئے
اُس وقت یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
باز آؤ مرے قتل سے اے فرقۂ بے پیر
مظلوم کو، سید کو، مسافر کو اماں دو!
مظلوم کو اس ظلم کے لشکر سے بچا دو
یہ خشک گلا شمر کے خنجر سے بچا دو
میں آج سے گھر چھوڑ کے صحرا میں رہوں گا
بتلا دو پہاڑوں کی مجھے راہ خدارا
پھر شہر سے کیا، جب نہ رہا کوئی ہمارا
لو گھر کو بھی اور قبر پیمبرؐ کو بھی چھوڑا
صورت بھی کسی کو جو دکھاؤں تو قسم لو
روضے پہ محمدؐ کے جو جاؤں تو قسم لو
اور کوہ کا دامن مرے رونے کو بہت ہے

ہر رجس سے ہیں پاک، ہوں طاہر مجھے سمجھو!
عالم ہوں ہر اک علم کا ماہر مجھے سمجھو!

روضے کا محمدؐ کے مجاور مجھے سمجھو!
حاجی ہوں میں کعبے کا مسافر مجھے سمجھو!

میں یہ نہیں کہتا کہ نواسا ہوں نبیؐ کا
زوّار تو ہوں قبر رسول عربی کا

محتاج ہوں گھر میں زر و زیور نہیں رکھتا
خوش ہو کے جسے لوٹو گے وہ گھر نہیں رکھتا

تکیے پہ بجز خاک کبھی سر نہیں رکھتا
میں قاقم و سنجاب کا بستر نہیں رکھتا

کپڑے بھی تکلف کے نہیں زیبِ بدن ہیں
ہے ایک عبا چھال کی اور رختِ کہن کی

ناموس مرے فاقہ کشی میں بھی ہیں خورسند
ایک ایک ہے زہراؑ کی طرح صبر کا پابند

راضی وہ خدا سے ہیں خدا ان سے رضامند
چادر کوئی ایسی نہیں جس میں نہ ہو پیوند

غش آتے ہیں پر حق کی عبادت نہیں جاتی
فاقوں میں بھی قرآں کی تلاوت نہیں جاتی

مختارِ دو عالم ہوں پہ کیا تم سے کہوں حال
فاقے سے بھی سو رہتے ہیں اکثر مرے اطفال

دنیا کا طلب گار نہیں فاطمہ کا لال
صَرف رہِ خالق ہے ملا کچھ جو زر و مال

واں ہوگا تہی دست جو یاں دے نہیں جاتا
اسباب جہاں ساتھ کوئی لے نہیں جاتا

مجھ سے بھی سخی ہیں حرمِ سید عالی
سائل کبھی جاتا نہیں دروازے سے خالی

چہرے پہ فقیری میں بھی رہتی ہے بحالی
شکوے کی کبھی بات نہیں منھ سے نکالی

کچھ کام انھیں لذتِ دنیا سے نہیں ہے
کہنہ تو ردائیں ہیں، غذا نان جویں ہے

بہنیں مری زہراؑ سے بزرگی میں نہیں کم
اک غیرت حوّا ہے تو اک ثانی مریمؑ

بعد اپنے انھیں کی ہے تباہی کا مجھے غم
خنجر کے تلے نکلے گا مشکل سے مرا دم

گھبرائی ہوئی خیمۂ ویراں میں پھریں گی
سر پیٹتی لاشے پہ مرے آکے گریں گی

بولا یہ حصین ابن نمیر ستم آرا
زینبؑ کی تباہی جو نہیں تم کو گوارا

پھر کس لئے ہے بیعتِ حاکم سے کنارا
یہ عجز نہ مانا ہے نہ مانیں گے تمہارا

شرمندہ ہوں گو، احمدِ مختار سے آگے
سر کاٹ کے لے جائیں گے سردار کے آگے

اب یاں سے کہاں جاؤ گے راہیں تو ہیں مسدود
اور گرد ہیں دو لاکھ جواں قتل پہ موجود

حضرت نے کہا دور ہو او ظالم مردود
چاہوں تو اشارے میں یہ سب فوج ہو نابود

عاقل کبھی فاسق کی اطاعت نہیں کرتے
سر دیتے ہیں دیندار، پہ بیعت نہیں کرتے

کیا ہوگا اگر چار طرف بند ہیں راہیں
مفتاحِ درِ خلدِ بریں ہیں مری آہیں
اک دم میں سر اب تن سے جدا کرتا ہے شبیرؑ

بڑھ کر صفِ جنگاہ سے اک ظالمِ غدّار
لہراتی ہے کیا نہر مثالِ شکمِ مار
دریا سے تو یہ شام کا لشکر نہ ہٹے گا
حضرت نے کہا سوئے فلک ہاتھ اُٹھا کر
فرما نہ چکے تھے یہ ابھی سبطِ پیمبرؐ
پاس اُس کے ہر اک شخص لئے جاتا تھا پانی

دی تھی جو دعا بد اُسے شاہِ دوسرا نے
سقّوں کے پرے کھولے تھے مشکوں کے دہانے
چلّاتا تھا وہ پیاس مری آہ بجھا دو
تھے پیاس کی گرمی سے زبس جان کے لالے
غیرت سے کھڑے کانپتے تھے دیکھنے والے
ہر موج کا خم اُس کے لئے ناگ ہوا تھا

آنکھوں کو نکالے تھے حبابوں کا یہ تھا حال
دریا اُسے بڑھ بڑھ کے کئے دیتا تھا پامال
جھکتا تھا جو پینے کو تو ہٹ جاتا تھا پانی
واں بھی نہ بجھی پیاس گرا نہر میں بے پیر
گرداب بنا طوق تو موجیں ہوئی زنجیر
قطرہ بھی نہ اک حلقِ جفاکار میں پہونچا

دیکھا پسرِ سعد نے جس وقت یہ اعجاز
ہے آلِ رسولِ عربی سحر میں ممتاز
جب حلق سے شبیرؑ کے شمشیر ملے گی

کھل جائیں درِ قصرِ فلک گر ابھی چاہیں
ہم وہ ہیں کہ جو منھ سے کہیں اُس کو نباہیں
عاجز نہیں حجّت کو ادا کرتا ہے شبیرؑ

چلّایا کہ دیکھو تو ادھر یا شہِ ابرار
پر آپ کو قطرہ بھی نہیں ملنے کا زنہار
پیاسا ہی گلا آپ کا خنجر سے کٹے گا
اس وقت سزا دے اسے اے خالقِ اکبر
ناگاہ اُدھر پیاس کا غلبہ ہوا اُس پر
کم ہوتی نہ تھی پیاس پئے جاتا تھا پانی

اک آگ کلیجے میں لگا دی تھی قضا نے
جلتا ہوا گھر جاتے ہیں جس طرح بجھانے
اب خانۂ تن جلتا ہے للہ بجھا دو
ساحل پہ گرا جا کے زباں منھ سے نکالے
جب پانی پیا حلق میں سو پڑ گئے چھالے
پانی کا بھی اُس وقت مزاج آگ ہوا تھا

موجوں کے طمانچوں سے ہوا جاتا تھا منھ لال
مچھلی سا تڑپتا تھا کنارے وہ بدافعال
بڑھتا تھا وہ سفّاک تو گھٹ جاتا تھا پانی
دریا میں ہوا شور یہ ہے دشمنِ شبیرؑ
ناگاہ وہیں موت ہوئی آ کے گلوگیر
پانی میں بعیں غرق ہوا نار میں پہونچا

گھبرا کے جفاجو نے یہ دی فوج کو آواز
شبیرؑ کا سر لاؤ جو ہونا ہے سرافراز
منصب تمہیں ہاتھ آئے گا جاگیر ملے گی

جس وقت سُنی یہ پسرِ سعد کی تقریر
فرمایا کہ رکھ دوں گا گلا خود تہِ شمشیر
تو نے جو بلایا تو مدینے سے ہم آئے
ٹھہرا کے یہ بولا پسرِ سعد جفاکار
پہلے جو اماں دیجے تو حاضر ہو گنہگار
ہم سا تو کریم آج دو عالم میں نہیں ہے
نکلا وہ لعیں چترِ زریں سر پہ لگائے
چُپ تھا وہ شقی سر کو خجالت سے جھکائے
پانی کا نہ طالب ہوں نہ سائل ہوں اماں کا
تو بھی ہے قریشی تجھے لازم ہے مرا پاس
سر کٹنے کا اپنے مجھے مطلق نہیں وسواس
جب روتے ہیں وہ دل پہ چھری چلتی ہے غم کی
یہ فوج تری بعد مرے گھر کو نہ لوٹے
خو کی ہے یہ کہہ بانوئے بے پر کو نہ لوٹے
دنیا نہیں رہنے کی اسے جب تعب آیا
جب بعدِ ظفر شمرِ لعیں لوٹنے جائے
عابدؑ پہ کوئی دستِ تعدی نہ اٹھائے
ہو تجھ سے جو یہ امر تو احسان ہے تیرا
اور دوسرے کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
کُہنہ سا جو پہنے ہوں میں ناموسِ پیمبرؐ
غارت شہِ لولاکؐ کی پوشاک نہ کیجو!
حضرت کا سُخن سُن کے نہ بولا وہ جفاگار
اشک آنکھوں میں بھر کر یہ پکارے شہِ ابرار
تو دستِ تعدی کو نہ کوتاہ کرے گا

میداں سے بڑھے چند قدم حضرت شبیرؑ
دو باتیں ہیں سُن لے انھیں او ظالمِ بے پیر
تجھ سے نہیں ہوتا کہ اِدھر دو قدم آئے
اس دم سے جلال آپ کو یا سیّدِ ابرارؑ
حضرت نے کہا مکر نہیں ہم کو سزاوار
ڈرتا ہے عبث، عیب و دغا ہم میں نہیں ہے
پاس اُس کے حسینؑ ابنِ علیؑ دھوپ میں آئے
فرمایا کہ ہے کس لئے تو آنکھ چُرائے
غم ہے مجھے ناموسِ رسولِؐ دو جہاں کا
تنہا ہوں نہ اکبرؑ ہے نہ قاسم ہے نہ عباسؑ
غم یہ ہے کہ ناموسِ نبی ہوتے ہیں بے آس
آیا ہوں ترے پاس سفارش کو حرم کی
رانڈوں کے سروں سے کوئی چادر کو نہ لوٹے
نادار ہے کوئی مری خواہر کو نہ لوٹے
چادر سرِ زینبؑ سے چھنی اور غضب آیا
لازم ہے کہ تو چادرِ زینبؑ کو بچائے
کوئی مرے بچوں کو طمانچے نہ لگائے
ورنہ مرا ہاتھ اور گریبان ہے تیرا
رو دیں گی مری لاش پہ سر پیٹ کے مادر
تن پر سے اُتارے نہ اسے کوئی ستمگر
عُریاں مرا لاشہ تہِ افلاک نہ کیجو!
اپنی صفِ لشکر میں گیا چھیڑ کے رہوار
سمجھا ترے مطلب کو میں اے ظالمِ غدار
رانڈوں کی حمایت مرا اللہ کرے گا

بیکس کو مسافر کو کفن کچھ نہیں درکار
رونے کو نہ ہوں ماں نہ بہن کچھ نہیں درکار
ملبوس تو ہے رخت کہن کچھ نہیں درکار
مظلوم کو آرائش تن کچھ نہیں درکار
مُردوں کو نہ زینت ہے ہوس اور نہ طلب کچھ
جب جا کے ملے خاک میں پھر خاک ہے سب کچھ

اعدا سے یہ فرماتے تھے حضرت کہ چلے تیر
اور تول کے نیزوں کو بڑھے فوج سے بے پیر
کھینچی پسر شیر الٰہی نے جو شمشیر
گیتی کو تزلزل ہوا کانپا فلک پیر
حضرت نے تو اس برق مجسّم کو سنبھالا
کرّوبیوں نے عرش معظم کو سنبھالا

سکان سماوات بھی گھبرا گئے سارے
تھرانے لگی گاوِ زمیں خوف کے مارے
جبریل امیں نادِ علی پڑھ کے پکارے
کاٹا ہے اسی تیغ نے شہپر کو ہمارے
عالم کو دو عالم کا شہنشاہ بچائے
اس برق جہاں سوز سے اللہ بچائے

تھی آگ ہوا آتش شمشیر دو سر سے
طائر گرے گھبرا کے ادھر بحر میں برسے
پریوں کے اڑے ہوش کہ آگ آئی کدھر سے
جنات پہاڑوں میں چھپے جان کے ڈر سے
غل تھا کہ نہ قلزم پہ یہ برق اجل آئے
ساحل سے ادھر مردم آبی نکل آئے

اژدر سے چھٹا غار تو شیروں سے چھٹا بن
اور آہوؤں نے چھوڑ دیا کوہ کا دامن
مُرغان ہوا بھول گئے اپنے نشیمن
دشت کے چرندے بھی اٹھانے لگے گردن
لرزاں و تپاں کون نہ تھا کون و مکاں میں
آثار قیامت نظر آتے تھے جہاں میں

تلوار کو چمکا کے پکارے شہ عالم
ہیں رزم پہ آمادہ ہوں نکلے کوئی اظلم
سب مل کے گراتے ہو تو اس کا نہیں کچھ غم
لڑنے میں ہزاروں سے کبھی بند نہیں ہم
کھل جائے گا احوال دم جنگ تمہارا
اس میں بھی مرا نام ہے اور ننگ تمہارا

فرزند ید اللہ کئی بار پکارا ؎
دو لاکھ میں بڑھنے کا نہ تھا ایک کو یارا
مردود کے سر پر اجل آئی جو قضارا
نکلا صف لشکر سے تمیم ستم آرا
کافر کو غرور اپنی شجاعت پہ بڑا تھا
اکثر صف لشکر میں اکیلا ہی لڑا تھا

پہنے ہوئے چار آئنہ و جوشن و بکتر
اور کہنیوں تک ہاتھوں میں دستانے برابر
اسپ دو در کا بہ تہ ران دیو سا پیکر
شہرہ تھا کہ پر زور تو رستم سے قوی تر
ہونٹوں کو چباتا تھا یہ غصے میں بھرا تھا
پیچھے ستم آرا کے سواروں کا پرا تھا

نیزہ وہ جسے دیکھ کے کانپے فلک پیر — اور کوہ سے لنگر نہ اٹھے جس کا وہ شمشیر
گھر موت کا تھی قوس تو پیغام اجل تیر — وہ واں سے چلایاں سے بڑھے حضرت شبیر
تھرائی زمیں چوب لگی طبل وغا پر — حملہ کیا نامرد نے شاہ شہدا پر

کج باز نے سیدھا جو کیا نیزۂ خونخوار — تلوار سے دو کر دیا شہ نے اسے اک بار
چلّایا کماں لے کے وہ بدکیش و خطا کار — لو اب یہ پیام اجل آتا ہے خبردار
سایہ جو پڑا شاہ کی تیغ دوزباں کا — ترکش تھا، نہ چلہ تھا، نہ حلقہ تھا کماں کا

جس وقت کہ ترکش میں نہ سرکش کے رہے تیر — تھرایا جگر سہم گیا خوف سے بے پیر
قبضے میں جفا جو نے لیا قبضۂ شمشیر — فرما کے خبردار، بڑھے حضرت شبیرؑ
اک جست میں سر پر فرس تیز قدم تھا — کھینچے بھی نہ پائی تھی کہ بس ہاتھ قلم تھا

پھر سر پہ چمک کر جو وہ برق اجل آئی — مثل غضب خالق عزوجل آئی
گردن سے جو ترچھی گئی زیر بغل آئی — کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی
پہلے تو سلامت ستم آرا نظر آیا — گھوڑے سے گرا جب تو دو پارا نظر آیا

زینب نے در خیمہ سے دیکھا جو یہ ساماں — چلّائی کہ بھیّا بہن اس ضرب کے قرباں
یہ پیاس کئی دن کی یہ دھوپ اور یہ میداں — جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جاں
بیٹی جو چھٹے باپ سے پالا نہیں جاتا — اب مجھ سے سکینہ کو سنبھالا نہیں جاتا

خود پردے کے پاس آکے سکینہ نے پکاری — اے سبط نبیؐ ابن علیؑ عاشق باری
لڑنے کے فدا آپ کی تنہائی کے واری — نزدیک تو آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری
اماں کا مری غم سے عجب حال ہے بابا — یہ ہاتھوں سے پیٹی ہیں کہ منہ لال ہے بابا

تیکھے علی اصغر کے کلیجے سے لگائے — چلّائی ہیں کیا ہو گئے ہے ہے مرے جائے
نزدیک ہے بابا کہ اب اماں کو غش آئے — میداں سے تم اب تک مرے بھیّا کو نہ لائے
گودی میں دیا کس کو کدھر کھو گئے اصغر — دریا کی ہوا کھاتے ہی کیا سو گئے اصغر

میداں میں سنی شہ نے سکینہ کی جو زاری — صابر تھے مگر آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
بیٹی کو پکارے کہ نہ رو اے مری پیاری — اب ہو گی قیامت میں ملاقات ہماری
فرزند نہیں ہیں نہیں مرجائیں گے بی بی — اصغر نہ جئیں گے نہ ہم اب آئیں گے بی بی

یہ سُن کے لگی پیٹنے سر زینبِ مضطر
تیروں کی ہوئی مار چلے نیزۂ و خنجر
ٹاپوں سے پیادوں کو کچل جاتا تھا گھوڑا
اک صف سے گئے دوسری صف سے نکل آئے
لڑ بھڑ کے ہر اک تیغ بکف سے نکل آئے
اک برق گری اُڑ کے جدھر آ گیا گھوڑا
جس رخ کو سواروں کا رسالا نظر آیا
برچھی بھی نظر آئی نہ بھالا نظر آیا
گھوڑے تو الف ہو کے سواروں گرے تھے
صفدر نے سواروں کے رسالوں کو نہ چھوڑا
بے قتل کیے برچھیوں والوں کو نہ چھوڑا
کس کا یہ کلیجہ تھا کہ جو ٹوک کے لڑتا
رن میں قدمِ لشکرِ کفار نہ ٹھہرے
بھاگے صفتِ تیر کماں دار نہ ٹھہرے
زندوں کو بھی مُردوں میں قلم بند کیا تھا
ہٹ ہٹ کے جماتے تھے ستمگار صفوں کو
دم لینے نہ دیتی تھی وہ تلوار صفوں کو
ہر سو تنِ بے سر کے سرِ بے تن نظر آئے
جب ضربتِ سرور کی لعیں لا نہ سکے تاب
ناداں تھے جنھوں نے نہ کیا آپ کا آداب
جیتا یہ نہ چھوڑے گی کسی پیر و جواں کو
حضرت سے بر آئے گی نہیں ساری خدائی
ناگاہ صدا شیرِ الٰہی کی یہ آئی
اُمت کو نہ برباد مری جان کرو تم

واں شہ پہ جھکا چار صفیں باندھ کے لشکر
یاں شیرِ خدا کہہ کے دھنسے فوج میں سَرور
بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا
دہنے سے گئے بائیں طرف سے نکل آئے
گھر کر مددِ شاہِ نجف سے نکل آئے
جب باگ ہلی برچھیوں پھرا گیا گھوڑا
دم میں وہیں اسپِ شہِ والا نظر آیا
سب شام کا لشکر تہ و بالا نظر آیا
اسوار پیادوں کی قطاروں پہ گرے تھے
ثابت صفِ جنگاہ میں بھالوں کو نہ چھوڑا
بے دو کیے تلوار نے ڈھالوں کو نہ چھوڑا
کیا منہ تھا جو اک وار کوئی روک کے لڑتا
دم میں صفِ ہیجا میں ستمگار نہ ٹھہرے
پیدل کا تو کیا ذکر ہے اسوار نہ ٹھہرے
اک تیغ نے دو لاکھ کا دم بند کیا تھا
پامال کیے دیتا تھا رہوار صفوں کو
دو حملوں میں یوں تنگ کیا چار صفوں کو
میداں میں نہ اسوار نہ توسن نظر آئے
چلّائے کہ اے باغِ نبیؐ کے گلِ شاداب
لے جاتے ہیں ہم نہر سے مشکیزۂ پُر آب
للہ بس اب روکیے تیغِ دو زباں کو
فریاد علیؐ کی ہے محمدؐ کی دُہائی
شبیر بس اعدا نے سزا ظلم کی پائی
اب روحِ محمدؐ کی طرف دھیان کرو تم

تم قول کے صادق ہو نہیں غیظ کا ہنگام
صدقے ترے اے فاطمہ زہراؑ کے گل اندام
اتنی بھی رکھی بات ہمارا ابھی کیا نام
بس ختم ہوئی جنگ رکھو ہاتھ سے صمصام
یہ چاند سی گردن تہ خنجر بھی دکھا دو
اللہ کو اب صبر کے جوہر بھی دکھا دو

بیٹوں کو نہ روؤ کہیں مُردے بھی جیے ہیں
محبوب خدا چاک گریبان کیے ہیں
در ہائے فلک قدسیوں نے کھول دیئے ہیں
جبریل امیں قتل کے محضر کو لیے ہیں
سر نذر کرو صادق الاقرار ہو تم تو
اُمت کی شفاعت کے طلب گار ہو تم تو

آواز پدر سُنتے ہی تلوار کو روکا
پھر بڑھ کے نہ پیدل کو نہ اسوار کو روکا
کفار پہ چلتی ہوئی تلوار کو روکا
روکا اسے کیا برق شرربار کو روکا
فرمایا اب اُٹھے گا نہ ہاتھ اہل جفا پر
موقوف رکھا ہم نے یہ انصاف خدا پر

تلواریں لگانے لگے پاس آ کے جفاجو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
تیغوں سے کٹے ابن یداللہ کے بازو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیر سہ پہلو
سب خوں میں محمدؐ کی قبا لال ہوئی تھی
بھائی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

خاتون قیامت کی صدا دشت سے آئی
گرتا ہے مرا لال دُہائی ہے دہائی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی
اب کیا کروں ہے ہے مری اماں کی کمائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے سیّد کو بچاتا نہیں کوئی

یاں ضعف سے ہر نے پہ جھکے جاتے تھے سرور
لگتا تھا بدن پر کبھی نیزہ کبھی خنجر
تیروں سے مشبک تھا وہ سب سینۂ انور
تھے ایک ہزار اور کئی سو زخم بدن پر
شہ کھاتے تھے تلواریں موئی جاتی تھی زینبؑ
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینبؑ

چلاتی تھی لوگو! مرے بھائی کو نہ مارو!
شبیرؑ کے بدلے مرا سر تن سے اُتارو!
للہ مجھے فاطمہؑ کے لال پہ وارو!
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو!
ٹھیرو! ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے
او جھل مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے

صف باندھ لو یا کر لو تمھیں خیمے کا پردا
یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لب دریا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباسؑ کا لاشا
تا دیکھے نہ سر کٹتے مرا دختر زہراؑ
صدمہ نہیں دنیا میں جُدائی کے برابر
شبیر کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

کہتے تھے یہ حضرت کہ لگا پشت پہ بھالا
قربوس پہ غش کھا کے گرے سیّدِ والا
جبریل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
چلائے نبی ہائے مری گود کا پالا
غش ہو گیا طاری جو شہ عرش نشیں پر
بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر

مرکب سے جدا ہو کے جو تڑپے شہ ابرار
گرد شہ دیں ہو کے لگا پھرنے وہ رہوار
فرمایا کہ منزل پہ یہ پہونچا ترا اسوار
رخصت ہو کہ سر اُترے تو ہم بھی ہوں سبکبار
اب تیغ لئے ذبح کو جلاد بڑھے گا
قاتل تری اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا

نیزے کی سواری ہے اب درِ فاطمہؑ کا لال
اُلفت ہے تجھے دیکھ سکے [illegible] مرا حال
پاؤں کے تلے لاش مری ہوئے گی پامال
زینبؑ نکل آئے نہ کہیں کھولے ہوئے بال
سجادؑ کو آگاہ مرے حال سے کر دے
جا! بانوئے بیکس کو رنڈاپے کی خبر دے

گھوڑے کو شہ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خیمے کو چلا سر کو ٹپکتا ہوا مرکب
خالی اُسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینب
یاں قبلۂ عالم پہ لعیں ٹوٹ پڑے سب
زخمی نہ ہو ایسی نہ کوئی تن پہ جگہ تھی
ہاں خنجر خونخوار کی گردن پہ جگہ تھی

شمر ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
سجدے میں جھکا فاطمہؑ کی گود کا پالا
ہاتھوں سے کلیجے کو محمدؐ نے سنبھالا
زہراؑ نے کہا ہائے مرا گیسوؤں والا
قاتل کو تو کچھ منھ سے نہ فرماتے تھے حیدرؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتے تھے حیدرؑ

قرآں پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستم گار
تھرائی زمیں کانپ گیا گنبد دوّار
بحروں میں تلاطم ہوا ٹکرا گئے کہسار
مجروح تھے سر تا بہ قدم سیّد ابرار
سینہ جو دبا نیزوں کی سریاں نکل آئیں
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں

گردن پہ جو خنجر کو ستم گار نے رکھا
حضرتؑ نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
بے رحمی سے جلاد نے پوچھا سبب اس کا
فرمانے لگے رو کے شہ بیکس و تنہا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلنے پر
اماں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکم پیمبرؐ
حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کے برابر
یاں در پہ کھڑی پیٹتی تھی زینبؑ مضطر
دکھلا کے اُسے شمر نے کاٹا سر سرور
شہ ذبح ہوئے زینبؑ دلگیر کے آگے
بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

یہ وقت دعا کا ہے انیس اب نہ ہو غافل
یا رازق و یا حافظ و یا خالق و عادل
عالم میں بہ حشمت رہے یہ بانیٔ محفل
سب مطلب دل ہوں تری درگاہ سے حاصل
ہر لحظہ فزوں دولت و اقبال و حشم ہو
غم ہو تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم ہو

۲۳ مرثیہ بند

جب جنگ کو میداں میں شہِ تشنہ لب آیا
اُس فوج پہ آفت ہوئی نازل غضب آیا
کیا شاد تھے سب مار کے ہم شکل نبیؐ کو
ہم کہتے تھے ہم شکل پیمبرؐ کو نہ مارو
نیزہ پسرِ نائبِ حیدر کو نہ مارو
اکبر سا پسر جس کا جواں سامنے مر جائے

کب زندگی سوجھے اُسے فرزند کے غم میں
ڈھونڈھو گے تو جیتا نہ ملے گا کوئی ہم میں
سمجھو نہ اکیلا یہ ہزاروں سے لڑے گا
تم دیکھو تو کس حال سے آتا ہے یہ رن میں
ہے پیاس سے بے کام زباں کام و دہن میں
آنکھیں نظر آتی ہیں جو سُرخ ابنِ علیؑ کی

اک بولا کہ کیوں خوف سے کرتے ہو یہ تقریر
نے زخم کوئی نیزے کا کھایا ہے نہ شمشیر
لڑنے کا ارادہ نہیں پہچانتے ہیں ہم
حضرت نے کہا سُن کے کہ اے قوم ستم گار
تم جانتے ہو میری کمر میں ہے وہ تلوار
پر بازوؤں کا زور تو سب لے گئے عباسؑ

طاقت جو جگر کی تھی وہ اکبرؑ کے گئی سات
دل میں نہ ہو طاقت تو اُٹھے جنگ کو کب ہات
تب تک مجھے آرام نہ ہووے گا جہاں میں

اعدا میں پڑا غل کہ امیرِ عرب آیا
اب تک اسے آیا تھا نہ غصّہ پر اب آیا
اب روکے کوئی سبطِ رسولؐ عربی کو
پچھتاؤ گے دیکھو علی اکبرؑ کو نہ مارو
مارو ہمیں پر اس مہِ انور کو نہ مارو
انصاف کرو تم کہ وہ کیا مرنے سے ڈر جائے

لشکر کو یہ سُتھراؤ کرے گا کوئی دم میں
یہ شیر غضبناک ہے بچّے کے الم میں
اکبر نہ جئے گا نہ اسے چین پڑے گا
بے جنگ کئے ضُعف سے رعشہ ہے بدن میں
قوّت نہ رہی قوّتِ بازوئے حسنؑ میں
رویا ہے بہت لاشِ پہ ہم شکلِ نبیؐ کی

گھبراؤ نہ مجروح نظر آتا ہے شبیرؑ
حالت ہے مگر سیّدِ مظلوم کی تغیر
اب صُلح بھی گر چاہیں تو کب مانتے ہیں ہم
ڈرتا نہیں تم سے خلفِ حیدرِؑ کرّار
بچتا نہیں ہے ضرب سے جس کی کوئی زنہار
بھائی کو فقط اپنا الم دے گئے عباسؑ

اکبرؑ نہیں جیتا ہم ابھی جیتے ہیں ہیہات
جب تک علی اکبرؑ سے نہ ہووے گی ملاقات
پڑ جائے کہیں تفرقہ جلدی تن و جاں میں

تم سب مجھے زخمی جو بتاتے ہو بجا ہے
مجروح اسی تیر نے مجھ کو بھی کیا ہے
فرقت ہوئی ہے جب سے پدر اور پسر میں
اب ہوش مجھے کچھ نہیں اپنے تن و سر کا
دکھلائے خدا داغ کسی کو نہ پسر کا

گو جسم کا تیغوں سے ہر اک بند جدا ہو
راضی تھا میں تیغوں سے لہو میرا بہاتے
تم کاٹ کے شانوں سے مرے ہاتھ گراتے
کچھ غم نہ تھا پامال جو کرتے مرے تن کو
مرتا ہے عزیز ایک جو دنیا میں کسی کا
لشکر تھا ابھی سبطِ رسولِ عربی کا

اک جاں ہے سو محبوسِ غم و رنج و بلا ہے
میرے لئے ایک ایک نے جاں اپنی گنوائی
اب پاس نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
تنہائی میں جینے کا مزا آہ نہیں ہے
عباسؑ علی دیکھ نہ سکتے مجھے مرتے
اکبرؑ نہیں جو قبر میں لاشا مرا دھرتے

پر غم نہیں کچھ پاس نہ ہونے سے کسی کے
گو خشک دہن میں ہے زباں تشنہ لبی سے
پھر جائے اگر سارا جہاں سبطِ نبیؐ سے
تنہا مرے ہونے میں کچھ اسرار نہاں ہے
چھٹپن سے مرے حال پہ اُس کی ہے عنایت
بابا کی طرح مجھ میں بھی ہے زورِ امامت
آج اُس کے کرم سے بھی مقدور ہے مجھ کو

جو تیر گلے پر علی اصغرؑ کے لگا ہے
پر زخم مرے بازو کا واللہ یہ کیا ہے
اس زخم سے گہرا ہے کہیں زخم جگر میں
سب بیٹوں میں عاشق تھا میں اس رشکِ قمر کا
یہ زخم کہاں، اور کہاں زخم جگر کا

برباپ کے سینے سے یہ فرزند جُدا ہو
برچھی مگر اکبرؑ کی نہ چھاتی پہ لگاتے
پر دستِ ستم بازو پہ میرے نہ اُٹھاتے
گھوڑوں سے کچلتے نہ مگر ابن حسنؑ کو
کیا حال کہو ہوتا ہے اُس شخص کے جی کا
اب کوئی بجز یاس نہیں ابنِ علیؑ کا

اک دل ہے سو داغوں سے عزیزوں کے بھرا ہے
کیا کیا سہے صدمے ہوئی کس کس سے جُدائی
سب مر گئے، افسوس مجھے موت نہ آئی
دنیا سے ہے کوچ اور کوئی ہمراہ نہیں ہے
قاسم نہیں عمّو کی مدد آ کے جو کرتے
تنہا جو نہ ہوتا تو یہ صدمے نہ گزرتے

اللہ تو ہے سر پہ حسینؑ ابن علی کے
بندہ وہ جسے کام ہو خالق کی خوشی سے
نومید نہ ہوں ذاتِ جنابِ احدی سے
وہ خوب سمجھتا ہے مجھے فہم کہاں ہے
سب طرح کی بخشی ہے مجھے قوت و قدرت
اک پل میں اگر چاہوں تو کر دوں تہہ غارت
پر اس کی جو مرضی وہی منظور ہے مجھ کو

جیسے رُفقا تھے پھر اگر ویسے ہی پاؤں
صدقے کروں اس راہ میں غم ان کا نہ کھاؤں
کچھ دھیان عزیزوں کی محبت کا نہ لاؤں
قربان کروں سب کو اور اُمت کو بچاؤں
تنہائی میں بھی تابعِ مرضیٔ خدا ہوں
نانا تھے فدا مجھ پہ میں اُمت پہ فدا ہوں

پر حیف کہ کچھ قدر نہ کی تم نے مری آہ
اب بھی میں نکل جاؤں جو روکو نہ مری راہ
جو مجھ پہ کیا ظلم، خدا اس سے ہے آگاہ
اس پر بھی خصومت مجھے تم سے نہیں واللہ
اکبرؑ کا، نہ اصغرؑ کا، نہ عباسؑ کا غم ہے
ناموسِ محمدؐ کی تباہی کا الم ہے

مظلوم کو، سیّد کو، زیادہ نہ ستاؤ
میں جاؤں کسی سمت کو تم شام کو جاؤ
للہ مرے قتل سے اب ہاتھ اُٹھاؤ
احسان مرے نانا کے تو نہ دل سے بھلاؤ
بے جان کرو گے آج جو فرزندِ علیؑ کو
کیا مُنھ نہ دکھاؤ گے رسولؐ عربی کو؟

گر راضی ہو اس امر پہ اے قومِ جفاکار
تو اتنی اجازت کا بھی ہوں تم سے طلبگار
بے دفن پڑے ہیں جو عزیز اور مرے انصار
قبریں کروں ان بیکس و مظلوموں کی تیار
مارے گئے جو یاں مرے ساتھ آکے وطن سے
کیونکر انھیں محروم رکھوں گور و کفن سے

تھوڑی سی بھی مہلت اگر اس وقت میں پاؤں
تو خاک میں ان چاند سے ٹکڑوں کو چھپاؤں
آغوشِ لحد میں علی اکبرؑ کو سلاؤں
اک ننھی سی تربت علی اصغرؑ کی بناؤں
پنہاں کروں لختِ دلِ شبیرؑ کو زمیں میں
گاڑوں تنِ عباسِ دلاور کو زمیں میں

اعدا سے جو شبیرؑ نے رو کر یہ کہی بات
یوں کہنے لگے تیغوں کو چمکا کے وہ بدذات
جانے دیں کہیں یاں سے یہ بے جا ہیں خیالات
اب قتل سے حضرت کے اُٹھاویں گے نہ ہم ہات
کس طرح بھلا گاڑو گے ہفتاد و دو تن کو
محتاج رہو گے تمھیں جب گور و کفن کو

شہ بولے مرا قتل ہی گر مدِّ نظر ہے
تو پیاسے کو کیا پانی پلانے میں ضرر ہے
پیاسا ہو وہ جو ساقیٔ کوثر کا پسر ہے
انصاف کرو دل میں ذرا دھیان کدھر ہے
مرتے ہوئے کے منھ میں چوا دیتے ہیں پانی
حیواں کو دمِ ذبح پلا دیتے ہیں پانی

جس روز بپا ہوئے گا ہنگامۂ محشر
اور پیاس سے سب خلقِ خدا ہوئے گی مضطر
مختار شفاعت کا کرے گا مجھے داور
ہوگا نہ کوئی میرے سوا ساقیٔ کوثر
بے کس ہوں پہ اُس دن میں ہی کام آؤں گا واللہ
جنت میں جسے چاہوں گا لے جاؤں گا واللہ

کہہ کر یہ سخن پانی جو مانگا گئی باری
مظلومیِ شبیرؑ پہ رونے لگے ناری
افواجِ ستم درہم و برہم ہوئی ساری
اور آنکھوں سے گھوڑوں کے بھی آنسو ہوئے جاری
رو دیتے تھے سرور جو لب خشک دکھا کر
نزدیک تھا پانی جو پلاوے کوئی آ کر ؛

تب شمرِ ستم گر نے یہ بڑھ کر کیا مذکور
پانی نہ ملے گا تمہیں یہ دل سے رکھو دور
شہ نے کہا ظالم ترا اتنا نہیں مقدور
پر مرضیِ معبود یہی ہے تو ہیں مجبور ؛
تو چشمے اگر سامنے پانی کے بہیں گے
صابر بھی ہم ایسے ہیں کہ پیاسے ہی مریں گے

اب لطف بھی یہ پانی کے پینے میں نہیں ہے
سب مر گئے پیاسے مری اک جانِ حزیں ہے
کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر بھی قریں ہے
جو دم ہے اب اپنا سو دمِ بازپسیں ہے
کیا غم ہے جو یاں ہم کو میسر نہیں پانی
کوثر کے یہ پانی سے تو بہتر نہیں پانی

لو اس پہ بھی راضی ہوں جو پانی بھی نہ دو تم
سیراب کرو گھوڑوں کو اور آپ پیو تم ؛
سب مل کے عبث پھر مجھے گھیرے ہوئے ہو تم
لڑتے ہو جو مجھ پیاسے سے ایک ایک لڑو تم
ہے داغِ غمِ اکبر و عباسؑ جگر میں
قوت ہے نہ ہاتھوں میں نہ طاقت ہے کمر میں

دستور ہے یہ جنگِ شجاعانِ عرب کا
گو لاکھوں ہوں پر ایک سے ہے ایک ہی لڑتا
انصاف کرو دل میں یہ انصاف کی ہے جا
ہم مور و ملخ سے بھی فزوں ہیں تن تنہا
تنہا کو جو مارا تو بڑا کام نہیں ہے
مردوں کے لئے ننگ ہے یہ نام نہیں ہے

اعدا نے کہا سن کے یہ شبیرؑ کی گفتار
بہتر ہے ہم اس طرح بھی ہیں لڑنے کو تیار
ایک ایک لڑے گا نہیں اس بات میں تکرار
گھوڑے پہ بتجمل بیٹھے یہ سن کر شہِ ابرار
فاقوں میں یہ جی تھا فرس تیز قدم میں
بجلی سا لگا کوندنے میدانِ ستم میں

مقتل میں ابو مخنف راوی نے ہے لکھا
تھے منتظرِ جنگ اُدھر سید والا
اک شخص اُدھر بھی تھا فنِ جنگ میں یکتا
نیزے کو ہلاتا ہوا پہلے وہی نکلا
سر تا بہ قدم آہن میں مسلح وہ جواں تھا
اک پیل سے اسپ دور کا یہ عیاں تھا

حضرت سے کہا اُس نے کہ اے مرد مسافر
تو ایک ہزاروں سے میں ہوں لڑنے کو حاضر
سب اپنے عزیزوں کو بلا جنگ کی خاطر
حضرت نے کہا مارے گئے سب مرے ناصر
تنہا ہوں میں اب کوئی مرے پاس نہیں ہے
لیکن بخدا کچھ مجھے وسواس نہیں ہے

بولا پسرِ شیرِ الٰہی سے وہ بے پیر
فرمانے لگے اُس سے یہ تب حضرتِ شبیرؑ
زخمی ہوں یہ سبقت مجھے منظور نہیں ہے
مشہورِ جہاں ہے مرے بابا کی شجاعت
ہر جنگ میں دشمن سے کبھی کی نہیں سبقت
تھا علم اُنھیں محرمِ اسرارِ خدا تھے
جب وار لعیں نے سرِ اقدس پہ لگایا
ہاتھ اُس پہ یداللہ نے ہرگز نہ اُٹھایا
کس طرح سے سبقت کروں گو تشنہ جگر ہوں
یہ سن کے وہ نیزے کو پکڑ سامنے آیا
جو سیکھا تھا نیزے کا ہنر سب وہ دکھایا
بر آ نہ سکا سبطِ رسولؐ مدنی سے
جھنجھلا کے کماں دوش سے ظالم نے اُتاری
اب دیکھیے حضرت قدر اندازی ہماری
بجلی سی چلی شاہ کی تیغِ دوزباں بھی
دانتوں سے لگا کاٹنے ہاتھ اپنے وہ بے پیر
رد کر چکے جب وار کئی حضرتِ شبیرؑ
دھبا بھی لگا خوں کا نہ شمشیرِ دودم پر
تانے ہوئے گرز آیا پھر اور اک یلِ خودسر
تھی ابنِ یداللہ میں زبس قوتِ حیدر
اس پھرتی سے گرتے پہ کیا وارِ لعیں پر
اک ایک اسی طرح لگا آنے پے جنگ
جو فوج سے نکلا وہ وہیں ہو گیا چورنگ
دہشت سے قدم آگے نہ بڑھتا تھا کسی کا

دعویٰ ہے شجاعت کا تو پھر کھینچیے شمشیر
تو پہلے لگا نیزہ و تیغ و تبر و تیر
حیدر کے گھرانے کا یہ دستور نہیں ہے
تنہا ہی ہزاروں سے لڑے شاہِ ولایت
خود سوتے سے قاتل کو جگایا شبِ ضربت
جو چاہتے سو کرتے پہ راضی بہ رضا تھے
اور سامنے بابا کے وہ پکڑا ہوا آیا
جو آپ کیا نوش وہی اُس کو کھلایا
میں بھی تو اسی شیرِ الٰہی کا پسر ہوں
میدان میں رہوار کو کاوے پہ لگایا
یاں سے بھی جواب اُس نے ہر اک طعن کا پایا
نیزے کو اُڑا دے گئے نیزے کی انی سے
اور جوڑ کے تیر اُس میں لگا کھینچنے وہ ناری
سُن کر یہ سخن فوج سب احسنت پکاری
دو ٹکڑے ہوا تیر بھی چلّا بھی کماں بھی
حملہ کیا نامرد نے پھر کھینچ کے شمشیر
دکھلائی اُسے فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر
اک وار میں سر جا پڑا چالیس قدم پر
بالا قد و زور آور و چالاک و قوی تر
پھینکا سوئے افلاک کمر بند پکڑ کر
دو ہو کے مع گرز گرا روئے زمیں پر
تھا ابنِ یداللہ کی لڑائی کا وہی ڈھنگ
ٹکا کئی اسواروں کو دے ہاتھ تہِ تنگ
تھا فوج میں غل ضربتِ شمشیرِ علیؑ کا

یوں ایک کے بعد ایک سے لڑتا تھا وہ ذیشان
جب پانچ ہزار اہلِ ستم کو کیا بے جان
دل سینوں میں تھراتے تھے جنگِ شہِ دیں سے
اک شور تھا لشکر میں صفیں تھیں تہ و بالا
بے طرح پڑا ہے ہمیں اس شیر سے پالا
میداں میں بڑھا پاؤں کہ سر تن سے جدا ہے
جب شمر کو لشکر کا نظر آیا یہ عالم
واللہ اگر دونوں جہاں آج ہوں باہم
ایک ایک لڑے کس سے یہ حیدرؑ کا پسر ہے
زورِ بشری یاں ہے وہاں زورِ امامت
اللہ نے دی ہے اسے حیدر کی شجاعت
گر فتح ہے منظور تو تدبیر سے لڑ لو
دو چار صفیں گرد ہوں اور بیچ میں شبیرؑ
پھر چلیں اک صف سے تو زخمی ہو یہ دلگیر
غش طاری ہو جب ضعف سے اس سرورِ دیں کو
آراستہ کیں سُن کے یہ ظالم نے صفیں چار
تھے جانبِ چپ نیزوں کو تانے ہوئے خونخوار
تیغیں لیے اک غول پس پشت کھڑا تھا
چلتے تھے جفا کیشوں کے تیر ایک طرف سے
تھی سنگ زناں فوج کثیر ایک طرف سے
لاکھوں میں کھڑے تشنہ دہن تیغ بکف تھے
نیزوں سے نیستاں میں کبھی جا پڑے جوں شیر
گہ آئے کمانداروں پہ کھینچے ہوئے شمشیر
گھوڑے سے پلٹ تیغ زنوں سے یہ لڑے تھے

معمور سر و تن سے نظر آتا تھا میداں
لشکر میں ہوا شور ہوئی فوج ہراساں
تکبیر کی آتی تھی صدا لشکرِ کیں سے
کہتے تھے بچا لیجو اللہ تعالےٰ!
اب ایک کو جیتا یہ نہیں چھوڑنے والا
یہ ضربتِ شمشیر نہیں قہرِ خدا ہے
گھبرا کے پکارا عمرِ سعد کو اُ ظلم
شبیر سے بر آ نہ سکے گا کوئی اس دم
کٹ جائے گی سب فوج ترا دھیان کدھر ہے
مخدومۂ عالم کی یہ ہے دودھ کی طاقت
یہ ہے وہی طاقت وہی جرأت وہی ضربت
اب چار صفیں باندھ کے شبیرؑ سے لڑ لو
اک صف سے چلے نیزے تو اک صف سے چلے تیر
اور مستعد اک صف رہے کھینچے ہوئے شمشیر
تب مار کے تلواریں گرا دو انہیں زمیں پر
استادہ کیے دہنی طرف سارے کماندار
اور سامنے تھے سنگ لیے سنگدل اشرار
اور بیچ میں تنہا پسرِ شیرِ خدا تھا
اور نیزے لگاتے تھے شریر ایک طرف سے
تھا شور بدار اور تکبیر ایک طرف سے
حملے شہِ والا کے مگر چار طرف سے
نیزوں کو قلم کر دیا لاشوں کا کیا ڈھیر
جوں تیر گریزاں ہوئے سب آ گے سے رُخ پھیر
بت بن گئے پتھر جو لیے لوگ کھڑے تھے

رہوار کو غازی کے نہ تھی حاجتِ مہمیز
ہر غول پہ تھی آتشِ شمشیر شرر ریز
آہن میں نہاں سامنے اُس تیغ کے جو تھا
یکبار ہوئیں چار صفیں درہم و برہم
اے سیدِ لب تشنہ شہنشاہِ دو عالم
شہ بولے جو ہے پاس رسولِ دوسرا کا
سلطانِ رسالت کی میں بیٹی کا ہوں جایا
مجھ سے مرے پیارے علی اکبر کو چھڑایا
حملہ کیا پھر تول کے شمشیر دو دم کو
جنگِ پسرِ فاطمہؑ کا دیکھ کے انداز
شہ بولے یہ جرأت کسے دکھلاؤں میں جانباز
اے لختِ جگرِ بنتِ رسولِ مدنی کے
کرتا نہیں تعریف سمجھ کر تمہیں فرزند
لڑتا رہا لاکھوں سے مگر اے مرے دلبند
تنہائی میں ایسا نہ کوئی کھیت پڑا تھا
مارے نہ گئے تھے مرے یاور مرے آگے
بے جاں نہ ہوئے تھے مرے دلبر مرے آگے
اس غم میں لڑے لاکھوں سے کب تاب بشر ہے
سُن کر یہ صدا خوش ہوا سبطِ شہِ لولاک
وحشت سے زمیں ہل گئی تھرا گئے افلاک
غل تھا کہ نہیں بچنے کا جیتا کوئی اب کے
کچھ دور نہیں ہے اگر آجائے قیامت
یاں آج ہے ہنگامۂ فردائے قیامت
غصے میں نواسا ہے رسولِ دوسرا کا

ان فاقوں میں چالاکی میں صرصر سے بھی تھا تیز
صحرائے قیامت تھا وہ میدانِ بلاخیز
یہ فرق ملک پہونچی کہ بے فرق وہ دو تھا
اور شور ہوا لشکرِ اعدا میں یہ اس دم
کر رحم کہ ہیں اُمّتِ محبوبِ خدا ہم
بتلاؤ کہ میں کون ہوں محبوبِ خدا کا
کیوں تم نے محمدؐ کے نواسے کو ستایا
یہ کہتے ہی اس غازی کو اک طیش بھر آیا
بے جان کیا ہیں ہزار اہلِ ستم کو
کہتے تھے ملائک یہ شجاعت ہے کہ اعجاز
اک بار یہ آئی اسد اللہ کی آواز
میں صدقے تری پیاس کے اور تیغ زنی کے
گھبرایا نہیں میں بھی کسی جنگ میں ہرچند
پانی ترے بابا پہ ہوا تھا نہ کبھی بند
دو روز کا پیاسا تو کبھی میں نہ لڑا تھا
ٹکڑے نہ ہوا تھا مرا لشکر مرے آگے
بے دست ہوا تھا نہ برادر مرے آگے
اے فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی جگر ہے
پھر تیرا حملہ کیا جوں شیرِ غضبناک
برہم ہوئی اک بار صفِ لشکرِ سفاک
اس حملے میں سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے
میدانِ ستم ہو گیا صحرائے قیامت
اللہ نہ اس طرح کی دکھلائے قیامت
اب خاتمہ ہے اُمّتِ محبوبِ خدا کا

اعدا پہ چلی تھی نہ ابھی شاہ کی تلوار
اے سبطِ پیمبرؐ خلفِ حیدرِ کرار
غصّہ ہے اگر آج یہی لشکرِ کیں پر
ہم نے وہ عطا کی ہے تجھے قوت و قدرت
پر آج نہ ہوئے گی اگر تیری شہادت
گر جان ہے پیاری تو لعینوں کو بھگا دو

تھرّا گئے سُن کر یہ صدا حضرتِ شبیرؑ
کہنے لگے اے ربِّ عُلا مالکِ تقدیر
ناچار ہوا تھا کہ بہت بے ادبی کی :
اب قتل کروں میں اُنھیں میرا نہیں مقدور
تیروں سے ہے چھلنی کہ بدن تیغوں سے ہو چور
تلواریں ہی اب کھاؤں گا گردن کو جھکا کر

ایذا کو سمجھتا ہوں تری راہ میں راحت
ملتی ہے مجھے برچھیاں کھانے میں حلاوت
کچھ رنج نہیں زخمی اگر تیروں سے ہوں گا
شمر آئے گا گر پاس مرے کھینچ کے خنجر
ہاتھ اس کا اگر کانپے گا اے خالقِ اکبر
بیتاب ہوں اُمّت کی شفاعت کی خوشی ہے

سر کٹ کے جو تن سے مرا نیزے پہ چڑھے آج
لاشہ رہے میرا کفن و گور کا محتاج
بلوے میں سرِ زینب و کلثوم کھلا ہو
یہ کہہ کے لعینوں کو صدا دی کہ اب آؤ
خوں شوق سے احمدؐ کے نواسے کا بہاؤ
صبرِ پسرِ شاہِ ولایت کو بھی دیکھو!

جو آئی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے اک بار
وہ یاد ہے بچپن میں کیا تھا جو کچھ اقرار
جیتا نہیں بچنے کا کوئی روئے زمیں پر
ہو تجھ سے مقابل یہ کسی میں نہیں طاقت
ہوگی نہ کبھی اُمّتِ عاصی کی شفاعت
بخشانی ہے اُمت تو گلا جلد کٹا دو

نہوڑا لیا سر رکھ لی وہیں میان میں شمشیر
عالم ہے تو اس کا کہ مری کچھ نہیں تقصیر
لڑتا میں نہ اُمت سے رسولِ عربیؐ کی
بندے کو وہ منظور ہے جو ہے تجھے منظور
دم ماروں ترے حکم میں اس کا نہیں مقدور
دیکھوں گا نہ قبضے کی طرف آنکھ اُٹھا کر

یہ ننگ ہیں زخموں پہ مری سنگِ جراحت
تلواروں کے خط جسم پہ ہیں خطِ شفاعت
بوسہ لبِ ہر زخم سے سوفاروں کا لوں گا
بے عذر جھکا دوں گا خوشی ہو کے وہیں سر
رکھ دوں گا دمِ تیغ کو آپ اپنے گلے پر
بچپن سے مجھے اپنی شہادت کی خوشی ہے

تو فخر کروں میں کہ ملا رُتبہ معراج
ناموس مرے قید ہوں گھر ہو مرا تاراج
یہ سب ہو مگر اُمّتِ عاصی کا بھلا ہو
بس لڑ چکے ہم اب ہمیں تلواریں لگاؤ
تیروں کا نشانہ مرے سینے کو بناؤ
جرأت کو جو دیکھا مری غربت کو بھی دیکھو

خائف تھے ستم گار یہ حیدر کے پسر سے
فرماتے تھے شہ کھول کے ہتھیار کمر سے
تلوار مری ڈوب چکی خونِ عدو میں
بھاگے ہوئے یہ سُن کے ستم گار پھر آئے
اک تیر کے چلّے سے کماں دار پھر آئے
زخم تبر و تیر لگے سینہ و سر پر
زخمی ہوا تیغوں سے سرِ سبطِ پیمبرؐ
نیزے بھی لگے چھاتی پہ اور ظلم کے خنجر
سر تا بہ قدم چور ہوئے تیغ و سناں سے
پہلو پہ جو مارا کسی بے رحم نے بھالا
مظلوم کا واں کوئی نہ تھا تھامنے والا
سب چھاتی جو مجروح تھی اس تشنہ گلو کی
حالِ شہِ دیں شمرِ سیہ رو نے جو دیکھا
ہمراہ تھے نامرد کئی شمرِ ستم آرا
قبلے کی طرف خاک پہ حضرت تو پڑے تھے
سر ننگے کھڑی بی بیاں دیتی تھیں دوہائی
چلاتی تھی یوں حیدرِ کرار کی جائی
حاجی ہے مسافر ہے گرفتارِ بلا ہے
چلاتی رہی پیٹ کے سر زینبِ ناشاد
چھاتی پہ چڑھا سبطِ پیمبرؐ کی وہ جلاد
بس آگے انیسؔ اب کسے یارائے بیاں ہے

نزدیک نہ آتا تھا کوئی جان کے ڈر سے
کیوں ڈرتے ہو ہرگز نہ وغا ہو گی ادھر سے
ارمان تڑپنے کا ہے اب اپنے لہو میں
تانے ہوئے نیزوں کو جفا کار پھر آئے
چمکاتے ہوئے تیغ کو اشرار پھر آئے
سب ٹوٹ پڑے فاطمہؑ زہراؑ کے پسر پر
عمامۂ محبوبِ خدا خوں سے ہوا تر
قبلے کی طرف ضعف سے ہرنے پہ جھکا سر
جز [illegible] نہ کوئی حرف زباں سے
سنبھلا نہ گیا آپ کو ہر چند سنبھالا
گھوڑے سے گرا فاطمہؑ کی گود کا پالا
زخموں سے اڑیں دور تلک چھینٹیں لہو کی
کھینچے ہوئے وہ خنجرِ کیں فوج سے نکلا
اُن سب نے کیا سیدِ مظلوم پہ نرغا
کھینچے ہوئے خنجر وہ لعیں گرد کھڑے تھے
کیوں لوٹتے ہو فاطمہؑ زہراؑ کی کمائی
مظلوم ہے سید ہے لعینوں مرا بھائی
یہ ظلم محمدؐ کے نواسے پہ روا ہے؟
ظالم نے سُنی دخترِ زہراؑ کی نہ فریاد
مظلوم کی گردن پہ رکھا خنجرِ فولاد
یہ مرثیہ مقبولِ امامِ دوجہاں ہے

مرثیہ ۲۴

بند ۱۲۵

جب قطع ہوئے نخل گلستان علیؑ کے
بے دم ہوئے دلدار دل و جانِ علیؑ کے
خاک اُڑنے لگی پنجتن پاک کے گھر میں
باقی تھا نہ ہمدرد دنیا ور شہِ دیں کا
خالی ہوا تا ظہر بھرا گھر شہِ دیں کا
عباس نہیں ہیں، علم ادلے ہیں ہے

ہر دار سے جا جا کے یہ کہتے تھے ستم گار
آنکھیں ہیں تو بے نور ہیں نہ ہاتھ ہیں بیکار
اس غم میں کہاں جنگ کا یارا شہِ دیں کو
جس سے ہو جدا یوسفِ ثانی وہ لڑے کیا
ہوئے جسے یہ تشنہ دہانی وہ لڑے کیا
چندے جو پسر آنکھوں سے روپوش رہا تھا

ہیں سر سے قدم تک الم و درد کی تصویر
یہ ہاتھ میں رعشہ ہے کہ تھمتی نہیں شمشیر
خم ہو گئے کھو کر علیؑ اکبر سے پسر کو
بازو تو شکستہ ہے کمر ضعف سے خم ہے
پیری میں جواں لال کے مر جانے کا غم ہے
تھی سامنے لاشِ اکبر مجروح جگر کی

جب باپ کو خود بیٹے نے آواز سنائی
اور جب سے بہن خیمے سے باہر نکل آئی
بے پردہ ہو زینب سی بہن شرم کی جا ہے

ہر کٹ گئے تیغوں سے جوانانِ علیؑ کے
عاشق نہ رہے یوسفِ کنعانِ علیؑ کے
لوٹا گیا زہراؑ کا چمن تین پہر میں
بیٹا نہ بھتیجا نہ برادر شہِ دیں کا
تھا شور کہ ہاں کاٹ لو اب سر شہِ دیں کا
اب فاطمہؑ کے لال کا وہ اوج نہیں ہے

اب قتل حسین ابن کچھ نہیں دشوار
رکھ دیں گے گلا آپ تہِ خنجرِ خونخوار
اکبرؑ کے جواں مرنے نے مارا شہِ دیں کو
دے جس کو پسر داغ جوانی وہ لڑے کیا
دو دن نہ ملا ہو جسے پانی وہ لڑے کیا
یعقوب کو اس داغ سے کب ہوش رہا تھا

واللہ کہ پہچانے نہیں جاتے ہیں شبیرؑ
یعقوب کو یوسف کی جدائی نے کیا پیر
تھی ریش مبارک میں سپیدی نہ سحر کو
صدمہ ہے بھتیجے کا برادر کا الم ہے
بولا کوئی آنکھوں میں بصارت بھی تو کم ہے
حضرت سے نہ پہچانی گئی لاش پسر کی

تب لاش پسر حضرت کونین نے پائی
رخساروں پہ زردی ہے اسی وقت سے چھائی
فرزند کے مر جانے سے یہ داغ ہوا ہے

تھا حق بہ طرف لاکھ دکھوں سے جسے پالا
کیا سنبھلے وہ جس کا ہو کلیجہ تہ و بالا
ورنہ کبھی باہر قدم اُن کا نہیں نکلا
ہم سمجھے تھے مر جائیں گے فرزند کے ہمراہ
گودی میں پسر مر گیا پر منہ سے نہ کی آہ
لیکن غم فرزند کچھ آسان نہیں ہے

آنکھوں سے چھپا چاند، جہاں ہو گیا اندھیر
طالب ہیں کہ گردن پہ پھرا دے کوئی شمشیر
بجھتے ہوئے دیکھیں گے چراغ اور کسی کا

اب تو کوئی ایسا نہیں جو برچھیاں کھائے
اصغر بھی ہوئے قتل حسینؑ اب کسے لائے
فرزند برابر کا نہ دشمن سے جدا ہو

سوکھی ہوئی ہے منہ میں زباں پیاس کے مارے
اب کس کا بھروسا علی اکبرؑ تو سدھارے
روتے ہوئے ناموس پیمبرؐ میں گئے ہیں

جو قتل ہوا شیر سے جھپٹے ہوئے آئے
تلواریں بھی بے کس پہ چلیں تیر بھی کھائے
زحمت یہ اُٹھے تا بہ کجا تشنہ دہن سے

سن کر یہ سخن کہنے لگا شمرِ ستم گار
ڈر کس کا ہے اب زندہ ہے کیا شہ کا علمدار
زینب کی ردا چھین لو شبیرؑ کے آگے

ڈر یہ ہے کہ دولت نہ کہیں شاہ کی ٹل جائے
پھر شام کا ہے قرب جو دن اور بھی ڈھل جائے
تا زیست کوئی قید سے آزاد نہ ہووے

اس لال کے سینے پہ لگا ظلم کا بھالا
پالے کی محبت نے اُسے گھر سے نکالا
دن کو کسی بی بی کا جنازہ نہیں نکلا
ہیں صبر میں ایوب سے افزوں شہِ ذی جاہ
بولے تو یہ بولے کہ توکلتُ علی اللہ
خاموش تو ہیں تن میں مگر جان نہیں ہے

فاقہ ہے کئی دن کا مگر زیست سے ہیں سیر
فرماتے ہیں اے موت اب آنے میں ہے کیا دیر
کیا ہے ابھی تقدیر میں داغ اور کسی کا

اکبر تھے فقط پاس، سو وہ خوں میں نہائے
اب تو یہی موقع ہے کہ جلدی اجل آئے
اب زیست اسی میں ہے کہ سر تن سے جدا ہو

چہرے سے عیاں موت کے آثار ہیں سارے
ظاہر میں تو زندہ ہیں یہ ہیں گور کنارے
گر گر کئی جا، خیمۂ اطہر میں گئے ہیں

سر ایک کا اتنوں میں نہ ہم کاٹنے پائے
لاشے مگر اس شیر نے جنگل سے اٹھائے
اب تاب و تواں نے بھی کنارا کیا تن سے

خیمے پہ چلو دیر مناسب نہیں زنہار
ہو جائے پسر سامنے بابا کے گرفتار
کاٹو سرِ شبیرؑ کو ہمشیر کے آگے

سجادؑ نہ سیدانیوں کو لے کے نکل جائے
بہتر ہے کہ خیمہ شہِ مظلوم کا جل جائے
لُٹ جائے یہ گھر یوں کہ پھر آباد نہ ہووے

بولا پسرِ سعدِ لعیں سُن کے یہ تقریر
کیا سمجھے ہو تم شیر کا فرزند ہے شبیرؑ
غیظ آگیا گر ابنِ شہنشاہِ عرب کو
سچ ہے کہ بہت خوب لڑا شاہ کا بھائی
دو حملوں میں لی شیر نے دریا کی ترائی

ہے سب سے فزوں حضرتِ شبیرؑ کی طاقت
زور آوری و صفدری حیدرؑ کرار
رگ رگ سے اثر دودھ کا زہراؑ کے نمودار
گیتی جو اُلٹ جائے تو کچھ دور نہیں ہے
جیتا ہے ابھی احمدِ مختار کا پیارا
تلوار کا کیا ذکر جو کردے یہ اشارا

جلدی نہ کرو، فتح میں کچھ پیچ نہ پڑ جائے
شبیر کے سر کٹنے کی جب ہوگی مہم سر
حاکم کی ظفر ہو کہیں عمدہ ہے یہ مطلب
بیمار ہے سجادؑ کا کیا زور چلے گا
خود آئیں گے وہ تم نہ ابھی خیمے پہ جاؤ
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے آؤ
دم بھر میں درِ فتح و ظفر کھول کے سونا

جس وقت سُنے یہ سخن حیلہ و تزویر
جو ٹوٹے ہوئے چلے سے جفا کیش کوئی تیر
لشکر میں یہی قول تھا ایک ایک شقی کا
دو لاکھ جواں قتل پہ مظلوم کے اک دل
بدعہد و بد ایمان و جفا پیشہ و جاہل
قرآن سے واقف نہ خبر اُن کو خبر سے

بے کار یہ باتیں ہیں کرو جنگ کی تدبیر
کُھل جائے گا جب آئیں گے وہ باندھ کے شمشیر
خیبر کی لڑائی نظر آجائے گی سب کو
دن بیس صفوں کی ہوئی اک دم میں صفائی
وہ اور لڑائی تھی یہ ہے اور لڑائی

اس شیر میں ہے فاطمہؑ کے شیر کی طاقت
تاثیرِ لعابِ دہنِ احمدِؐ مختار
بھیجا جسے اللہ نے قبضے میں وہ تلوار
اور زورِ امامت کا تو مذکور نہیں ہے
ناموس کا لٹنا اُسے ہوگا نہ گوارا
دم میں متفرق ہو یہ لشکر ترا سارا

ایسا نہ ہو عجلت میں بنا کام بگڑ جائے
پھر کون ہے لے لیں گے ردائے سرِ زینبؑ
کیا جلدی ہے لوٹو گے تمہیں زیورِ زر سب
ناموس بھی لُٹ جائیں گے خیمہ بھی جلے گا
ٹوٹے ہوئے لشکر کی صفیں پہلے جماؤ
سید کا گلا کاٹ کے فرصت کہیں پاؤ
اب رات کو راحت سے کمر کھول کے سونا

بڑھ بڑھ کے پھرے رن میں جمانے لگے بے پیر
تولے کوئی نیزہ، کوئی برچھی، کوئی شمشیر
دیکھیں گے لہو آج حسینؑ ابنِ علیؑ کا
خوں ریزوں کے نیزوں سے نیستاں سرِ ساحل
دشمن کے طرف دار، ہی زادوں کے قائل
اُلفت بھی تو دنیا سے محبت بھی تو زر سے

قلب ایسے کہ فولاد کی سختی ہے جہاں نرم
خالق سے حیا کچھ نہ محمدؐ سے اُنھیں شرم
مرہم ہوں جو درہم نہ ہو دستار کے اندر
کپڑے بھی سیہ دل بھی سیہ رنگ بھی کالے
خنجر تو کمر بند میں تھے ہاتھوں میں بھالے
مانا نہ علیؑ کو، نہ رسولؐ عربی کو
تھے چار صفیں باندھے ہوئے نہر پہ بے پیر
دو سمت پے قتل شہِ بیکس و دلگیر
یہ فکر تھی اک بے کس و بے یار کی خاطر
توڑے تھے جنھوں نے دُرِ دندانِ پیمبرؐ
کہتے تھے یہ آپس میں برا اپنا جما کر
جو ضرب تن سید والا پہ لگے گی
آمادہ قتل شہِ دیں تھی سپہ شام
سیدانیوں کے رونے کا تھا صحن میں کہرام
معصوم کئی خاک پہ بے ہوش پڑے تھے
تھامے تھی کوئی دامن فرزند پیمبرؐ
جھک کر قدم پاک پہ رکھتی تھی کوئی سر
بے تاب تھے شہ بی بیوں کی نوحہ گری پر
کہتی تھی کوئی ہاتھ کمر بند میں ڈالے
حضرت تو چلے ہم کو کیا کس کے حوالے
ہے کون غریبوں کا اس اُجڑے ہوئے بن میں
جب طبل مخالف کی صدا آتی تھی رن سے
بچے نہ جدا ہوتے تھے سلطان زمن سے
چلاتی تھی ہے ہے مرے ماں جائے برادر

نے درد، نہ الطاف نہ اکرام نہ آزرم
سادات کے خیمے کے جلا دینے پہ سرگرم
دینار جو دیکھیں تو گریں نار کے اندر
تحت الحنکیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے
سادات کے سب قافلے کے لوٹنے والے
دنیا کے لیے ذبح کیا آل نبیؐ کو
اک صف میں تو تھیں برچھیاں اک صف میں فقط تیر
گوپال و سنان و تبر و خنجر و شمشیر
حربے تھے نہ سب ایک تن زار کی خاطر
وہ سنگ دل اک سمت تھے باندھے ہوئے کنکر
ماریں گے ہمیں فاطمہؑ کے لال کو پتھر
چوٹ اس کی دل احمد و زہراؑ پہ لگے گی
خیمے میں کمر باندھتے تھے شاہ خوش انجام
بکھرائے تھی بالوں کو ہر اک بیکس و ناکام
شاہ شہدا رانڈوں کے حلقے میں کھڑے تھے
بچے لیے گودی میں کھڑی تھی کوئی ششدر
رو دیتی تھی چہرے کی بلائیں کوئی لے کر
پروانے گرے پڑتے تھے شمع سحری پر
صدقے ترے اے فاطمہؑ کے ناز کے پالے
چھوڑیں گے نہ یہ کہنہ ردا لوٹنے والے
باندھیں گے گلے آل محمدؐ کے رسن میں
دل بی بیوں کے سینوں میں ہو جاتے تھے تن سے
لپٹی تھی بہن بھائی سے اور بھائی بہن سے
بن بھائی کی ہوتی ہے بہن ہائے برادر

بھیا مجھے غربت میں نہ تم چھوڑ کے جاؤ
سیدانی کو آفت سے اسیری کی بچاؤ
نکلے مرا دم تن سے تو پھر برچھیاں کھاؤ
بن لے جو مری قبر تو جنگل کو بساؤ
کیا کم تھا مرے واسطے ماں باپ کا مرنا
اللہ نہ دکھلائے مجھے آپ کا مرنا

ماں خلق سے جب اُٹھ گئی تھیں جیتے تھے حیدر
تھے باپ کے مرنے سے حسنؑ ہمدم و یاور
سمجھاتی تھی میں دل کو پس از رحلت شبر
شبیرؑ سے بھائی کا ہے سایہ مرے سر پر
حضرت ہیں تو زندہ مرے ماں باپ ہیں بھائی
زینبؑ کے تو جو کچھ ہیں سو اب آپ ہیں بھائی

حضرت کے سہارے پہ تو ماں باپ نے چھوڑا
پھر کون ہے زینبؑ کا جو منھ آپ نے موڑا
اکبرؑ کے جواں مرنے کا ماتم نہیں تھوڑا
مر جاؤں گی بھائی نہ طلب کیجیے گھوڑا
آفت ہے یہ سایا جو مرے سر سے اُٹھے گا
داغ آپ کے مرنے کا نہ خواہر سے اُٹھے گا

عادل ہو عدالت سے کہو یا شہ صفدر
کیا کہہ کے دل زار کو سمجھائے یہ خواہر
دنیا میں کوئی اور ہے زینبؑ کا برادر
قربان گئی صبر مجھے آئے گا کیونکر
مسند کو محمدؐ کی اُلٹتے ہوئے دیکھوں
ہے ہے یہ گلا، تیغ سے کٹتے ہوئے دیکھوں

صدقے میں ترے اے اسداللہ کے پیارے
اماں کے وہ دُکھ درد مجھے یاد ہیں سارے
آقا ترے بدلے مجھے نیزے کوئی مارے
سید ترے قدموں پہ مرا سر کوئی وارے
پردیس میں رسّی سے بندھیں ہاتھ بہن کے
ماں جائے کو رہنے دیں مگر ساتھ بہن کے

مُنھ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دل گیر
ہر آہ تھی حضرتؑ کے کلیجے کے لئے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیرؑ
بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
بیٹی ہو بہر علی اکبرؑ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی
صدمے سے جیے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمہیں پالنے والی
صابر جو ہیں ملتا ہے انھیں رتبہ عالی
ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہو گا ؏
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہو گا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوار ثنا ہے
ہے اُس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دار عنا ہے
آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

دنیا میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
تھے مجھ سے بھی بہتر مرے جد و پدر و ام
رہتا ہے سدا بحرِ جہاں میں یہ تلاطم
دشمن ہے کبھی، دوست کبھی دوست عدو ہیں

یہ دہر نہیں خانۂ آسایش و آرام
ہے جن کی زباں کو خطرِ تلخیٔ انجام
ایسا نہیں کوئی، جسے دل ریش نہ دیکھا
کس کس کو ہم اس عمرِ دو روزہ میں نہ روئے
نایاب تھے جو لال وہ ان ہاتھوں سے کھوئے

تکلیف زیادہ ہے تو رُتبے بھی سوا ہیں
ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر
وہ مجمعِ احباب، وہ دربارِ پیمبر
بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
جبریلِ امیں خود جسے جھولے میں جھلائیں
نعمت کا طبق خلد سے جس کے لیے آئے

گردش نہ رہی ہے نہ سدا دور رہا ہے
اک دن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب
وہ وقت، وہ آرام، وہ ہمدرد وہ احباب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کریں گے
کیا آگے بہن کے نہیں مرتا کوئی بھائی
لُٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینبؑ

جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
پیدا ہوئی جن کے لیے دُنیا وہ کہاں ہیں
جب احمدِ مرسل نہ رہے کون رہے گا
کیا ہو گئے اب اُن کو کہیں دیکھتی ہو تم
اک چشم زدن میں کوئی پیدا تو کوئی گم
ہم لوگ زمانے میں حبابِ لبِ جو ہیں

دانا جو ہیں دنیا کو سمجھتے ہیں سدا دام
شیریں بھی عالم سے سدا رہتے ہیں ناکام
دُنیا کے کسی نوش کو بے نیش نہ دیکھا
کیا کیا دُرِ یکتا صدفِ قبر میں سوئے
گھر سیکڑوں یاں سیلِ فنا نے ہیں ڈبوئے
رہتے ہیں تباہی میں جو خاصانِ خدا ہیں

جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر
وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم، شوکتِ حیدرؑ
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اُڑتی ہے جس میں
کیا گردشِ گردوں ہے کہ وہ یوں ٹھوکریں کھائے
وہ پیاس میں اک بوند بھی پانی کی نہ پائے

دنیا کا ہمیشہ یہی اطوار رہا ہے
یا اک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے
برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہے جدائی
جاتی نہیں بے جان لیے، جب اجل آئی
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینبؑ

برسوں رہے ماتم میں ہمشیرؑ کو نہ پایا
تڑپا کئے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا
جب سینے میں مضطر دلِ بے صبر کو دیکھا
غربت میں کبھی تم سے بچھڑتا نہ برادر
پردیس میں برباد ہوں بچے کہ لٹے گھر
بہتر ہے وہی جس میں رضامندیٔ رب ہو
زندہ ہوں تو آخر کبھی مرنا کہ نہ مرتا
پیمانہ کبھی عمر کا آخر مری بھرتا
پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہے
ہمشیر کا غم ہے کسی بھائی کو گوارا
تیغِ غمِ فرقت سے کلیجہ ہے دوپارا
اس گھر کی تباہی کے لئے روتا ہے شبیرؑ
مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
پیارا نہ کیا اُن کو جو تھے جان سے پیارے
فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
لو جاتے ہیں ہمشیر، خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر، خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہؑ
اے عابدِ بیمار حزیں گھر سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار
مشکل ہو جو اُمت پہ تو حل کیجیو بیٹا
کہہ کر یہ سُخن گھر سے چلا فاطمہؑ کا لال
چلاتی تھی بانوؑ کہ لُٹا اب مرا اقبال
مائیں جو بلکتی تھیں تو غم کھاتے تھے بچے

جس دن سے جُدائی ہوئی حیدرؑ کو نہ پایا
یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا
کیا کیجئے تقدیر جُدا کرتی ہے خواہر
بندہ ہوں اطاعت سے نہ ہوں گا کبھی باہر
کیا عُذر ہے سرکار میں جب وقت طلب ہو
آتی نہ اجل سر جو تہہِ تیغ نہ دھرتا
گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا
خوشنودیٔ معبود ہے اُمت کا بھلا ہے
مجبور ہے لیکن اسد اللہ کا پیارا
کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمہارا
تم چھٹتی نہیں ماں سے جُدا ہوتا ہے شبیرؑ
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
بس اب یہی اُلفت ہے کہ جانے کی رضا دو
اب جسم ہے اور تیر، خدا حافظ و ناصر
ہے رخصتِ شبیرؑ، خدا حافظ و ناصر
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؑ
اے جانِ پدر، آلِ پیمبرؐ سے خبردار
مارے نہ طمانچہ کوئی، خواہر سے خبردار
تحریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا
بیٹھے ہوئیں سیدانیاں بکھرائے ہوئے بال
غُل تھا کہ محمدؐ کا چمن ہوتا ہے پامال
لپٹے ہوئے حضرت سے چلے جاتے تھے بچے

راندوں کی وہ فریاد یتیموں کی وہ زاری
حضرت سے لپٹتی تھی ہر اک درد کی ماری
شبیر برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
دیکھا شہ دیں نے جو قریب فرس آکر
زینب نے پکارا کہ ٹھہرو آتی ہے خواہر
کیا مرتبۂ عالی تھا رکاب شہ دیں کا
ہونچا جو در خانۂ زیں تک قدم شاہ
گھوڑے پہ چڑھا تخت دل سید لولاک
کس منہ سے کہوں حسن نشست شہ دیں کو
تھا زین فرس رحل، تو قرآں شہ والا
وہ دوش صبا بوئے گلستاں شہ والا
بو گل کی نسیم سحری لے کے چلی ہے
ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے
ہر نعل سے خم تھا مہ نو شرم کے مارے
ہو رشک نہ کیوں کر فلک ماہ جبیں کو
مرکب پہ ہیں مولا کہ تجلی ہے سر طور
ہر سنگ پہ تاباں ہے کہ شرمندہ ہے بلور
حیراں ہیں خبر نور خدا کی نہیں جن کو
وہ ریش مخضب وہ رخ سید والا
وہ گیسوئے مشکیں کا رخ پاک پہ ہالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی تھی
معراج میں پہنے تھے جسے سید لولاک
لکھا ہے گلابی تھا عمامہ بہ سر پاک
جیسا تن پُر نور تھا ویسی ہی عبا تھی

غش کھا کے گری خاک پہ زینب کئی باری
ہے ہے کا یہ غل تھا کہ زمیں ہلتی تھی ساری
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے
کوئی نہ پسر تھا نہ بھتیجا نہ برادر
زہرا کی صدا آئی کہ موجود ہے مادر
اک فاطمہ کا ہاتھ تھا اک روح امیں کا
تھرا کے جھکا خود بادب توسن چالاک
جبریل امیں ساتھ ہوئے تھام کے فتراک
معلوم ہوا جڑ دیا خاتم پہ نگیں کو
وہ تخت ہوا تھا تو سلیماں شہ والا
وہ برج شرف نیر تاباں شہ والا
غل تھا کہ سلیماں کو پری لے کے چلی ہے
آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے چکارے
اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
نقش سم توسن سے لگے چاند زمیں کو
چہرے کی ضیا سے ہے زمیں آئینۂ نور
ڈھلتا نہیں دن دھوپ ہوئی جاتی ہے کافور
ہے شور کہ لو کھیت کیا چاند نے دن کو
ہے چاند نے منہ شام کے پردے میں نکالا
تھا صبح پہ دامن شب معراج نے ڈالا
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی تھی
اُس روز بھی زیب تن اطہر وہی پوشاک
فرزند کے ماتم میں گریباں تھا مگر چاک
پیراہن یوسفؑ پہ محمدؐ کی قبا تھی

تعریف قبائے تن پُر نور کروں کیا
بند ایسے کہ سو عقدۂ مشکل کو کریں وا
کلیاں وہ جنھیں غنچہ، دل دیکھ کے کھل جائے
ہر جیب کا گھر نقد شفاعت سے بھرا ہے
جو تار گریباں ہے سو رحمت سے بھرا ہے
ہر بہر نگیں اسم نگیں اسم کی خاطر

دستانے کو کیا ہاتھ میں پہنے وہ شہنشاہ
چار آئینے کی نور خدا کو نہیں کچھ چاہ
کچھ ڈھال کی حاجت بھی دم جنگ نہیں ہے
باندھے ہیں فقط تیغ علی سرور عادل
ہیں سامنے تیغیں لئے فرزندوں کے قاتل
ہے دست قوی، تیغ شہنشاہ عرب پر

اس طرح رجز پڑھتے ہیں تولے ہوئے شمشیر
ڈھالوں کی سیاہی سے ہے سب دشت میں اندھیر
کچھ غیظ جو آیا ہے شہ عرش نشیں کو
ہیبت ہے کہ شیروں کے جگر کانپ رہے ہیں
یوں دشت کو جنبش ہے کہ در کانپ رہے ہیں
ہے خوف کہ کرسی نہ گرے فرش کے اوپر

نیزوں ہی اُچھلتا ہے جو اس نہر کا پانی
شمشیر جو تولے ہے ید اللہ کا جانی
جنگل کے ہرن خوف سے مُنھ موڑے ہوئے ہیں
غیظ شہ عالم نے عجب تہلکہ ڈالا
ہاتھ اپنا جو قبضے پہ دھرے ہیں شہ والا
تکتی ہے زمیں اس کو وہ تکتا ہے زمیں کو

زیب جسد پاک، جگر گوشۂ زہرا
پردہ وہ رہا جس سے گنہگاروں کا پردا
وہ خلد میں ہے سایۂ دامن جسے مل جائے
سینے کا جو پردہ ہے لطافت سے بھرا ہے
دامن وہ ہے جو دین کی دولت سے بھرا ہے
بس قطع وہ جامہ تھا اسی جسم کی خاطر

جس شیر کے پنجے میں ہو خود زور ید اللہ
ہے حفظ الٰہی زرہ سیّد ذی جاہ
خود پشت پناہ دو جہاں وہ شہ دیں ہے
تا جنگ میں کھل جائے ہر اک حق و باطل
غصہ مگر آتا نہیں کیا صبر ہے کیا دل
مولا کے مگر رحم کو سبقت ہے غضب پر

جس طرح سے گونجے کسی جنگل میں کوئی شیر
غل ہے کہ خدا کا غضب آنے میں نہیں دیر
مُردے ہیں تزلزل میں یہ لرزہ ہے زمیں کو
کیا ذکر شجر کا کہ حجر کانپ رہے ہیں
جبریل بہت دور ہیں، پر کانپ رہے ہیں
پڑھتے ہیں ملک نادِ علیؑ عرش کے اوپر

ہر موج کو بھولی ہوئی ہے اپنی روانی
ڈر سے سپر انداختہ ہیں ظلم کے بانی
دریا کی ترائی کو اسد چھوڑے ہوئے ہیں
العظمۃ للہ تقدّس و تعالیٰ
افلاک ہنڈولے کی طرح ہیں تہ و بالا
دوران ہے گردوں کو تو سکتا ہے زمیں کو

فخرہ ہے کہ محبوبِ الٰہی ہے مرا جد
میں خلق میں ہوں وہ گہر قلزمِ سرمد
بیت الشرفِ سیدِ لولاک میں ہی ہوں
بابا ہے مرا حامیِ دیں فاتحِ خیبر
حرزِ دو جہاں جوشنِ بازوئے پیمبرؐ
پُر نور کیا نور سے ایماں کی زمیں کو
ہوتا نہ اگر مصقلۂ تیغ قضا زنگ
تھا ضیغمِ یزداں کی لڑائی کا نیا ڈھنگ
دینداروں کی بستی ہوئی ویرانہ جہاں تھا
دیں جس سے ہے ظاہر وہ علی کا ہے یدِ بینا
ظلمت تھی جہاں کفر کی روشن ہے وہ سینا
آتش کی بھی وہ گرمیِ بازار نہیں ہے
حق کو نہ سمجھتا تھا کوئی خلق میں مطلق
جاری یہ ہوا خلق میں فیضِ اسدِ حق
مردودِ خدا ہو گئے، مقبولِ خدا ہیں
توقیر ملی سب کو اسی شاہ کے گھر سے
ہے عزتِ دیں بھی اسی ذی جاہ کے گھر سے
اک شور تھا تکبیر کے نعروں کا حرم میں
مشہور ہے خیبر کی لڑائی کا فسانا
مشکل ہوا ظالم کو سپر چہرے پہ لانا
تھراتے تھے جن زور فرشتوں کے گھٹے تھے
جو حق سے پھرا امن کہیں اس نے نہ پایا
حیدر کا قدم جب سرِ بیرالعلم آیا
تاب ان کی لڑائی کی بنیؐ جان نہ لاتے

دنیا میں نہیں میرے سوا سبطِ محمدؐ
زہراؑ نے فدا جس پہ کیا لعل و زبرجد
باقی فقط اب پنجتنِ پاک میں میں ہوں
دامادِ نبیؐ، شیرِ خدا، قاتلِ عنتر
سلطانِ قضا، میرِ قدر، حیدرؑ و صفدر
تیغ ان کی جلا دے گئی آئینۂ دیں کو
آئینۂ اسلام سے جاتا نہ کبھی زنگ
دو کر دیا دم میں حق و باطل کو دمِ جنگ
واں خانۂ حق بن گیا، بت خانہ جہاں تھا
ہے امن میں طوفاں سے ہمارا ہی سفینا
حق حق کی صدا ہے عوضِ قلقلِ مینا
اب دور ہے تسبیح کا زنار نہیں ہے
ہر بت کو خدا جانتے تھے جاہل و احمق
آگے بھی کبھی تھی چمنِ دیں کی یہ رونق
دیکھو نہیں کانٹے ہیں جدا پھول جدا ہیں
ہاتھ آیا جسے جو شہِ یداللہ کے گھر سے
بت توڑ کے باہر گئے اللہ کے گھر سے
کیا سخت مہم تھی جسے سر کر دیا دم میں
مرحب کی شجاعت کا معترف ہے زمانا
کس قوم نے اس تیغ کا لوہا نہیں مانا
مرحب کی زرہ کیا یہ جبریل کٹے تھے
انساں تھے مگر دیو کے لشکر کو بھگایا
کوسوں نہ دکھائی دیا جنات کا سایا
بچتی نہ کبھی جان، جو ایمان نہ لاتے

اس زور سے سب تابع فرماں ہیں الٰی لآں
جانیں مرے قدموں پہ کریں فخر سے قرباں
جن کیا ہیں ملائک کا بھی احسان نہ لوں گا
مقدور پہ کیا صبر ہے دیکھو دلِ شبیرؑ
مجھ سا نہ کوئی ہوئے گا یوں تابعِ تقدیر

گو ضعف ہے اور شدّت تشنہ دہنی ہے
ہیں ناظمِ دیں، حصنِ حصیں، حبلِ متیں ہوں
ہیں کعبۂ اسلام ہوں، ہیں قبلۂ دیں ہوں
بچپن ہیں کسی کے لئے یہ اوج کہاں تھا
اللہ نے دی ہے ہمیں کونین کی شاہی
ہم حجت اللہ ہیں ہم سیف الٰہی

اللہ ہے ساتھ اُس کے جو دے ساتھ ہمارا
غصّہ مجھے آجائے تو لشکر تو بھگا دوں
پر اُمتِ احمدؐ ہو ہیں کیا تم کو سزا دوں
نے مکر کی باتیں نہ دغا جانتا ہوں ہیں
مشکل جو پڑے عقدہ کشائی مری دیکھو
ہو جنگ کی طاقت تو لڑائی مری دیکھو

بہتر ہے تہہ تیغ جو یہ خشک گلا ہو
ہیں صاف ہوں اب بھی مرے کہنے کو جو مانو
پچھتاؤ گے تم، قتل مرا دل ہیں نہ ٹھانو
پیارا ہوں جگر گوشۂ فخر دو جہاں کا
حاصل تمہیں کیا گر مرے بچے ہوئے برباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولی ہے مری یاد
للہ کرو پاس، رسول عربی کا

میں چاہوں تو حاضر ہو ابھی قوم بنی جاں
پر محسن عالم کبھی لیتا نہیں احساں
ہیں وہ ہوں کہ خود آئیں گے، اور اذن نہ دوں گا
جوہر تو یہ، اور قبضۂ قدرت ہیں ہے شمشیر
لاکھوں سے بھی عاجز نہیں ہیں بیکس و دلگیر

ہاتھوں ہیں مگر قوت خیبر شکنی ہے
ہیں نور ہوں، ہیں خلق ہیں قرآن مبیں ہوں
ہیں نقش ہوں، ہیں مہر نبوت کا نگیں ہوں
ہیں ہوں وہ مکیں دوش نبی جس کا مکاں تھا
جس قوم پہ چاہیں ابھی آجائے تباہی
ہے زیر نگیں ماہ سے تا مسکن ماہی

کونین ہیں ہے دست خدا ہاتھ ہمارا
ساری یہ صفیں تیغ سے اک دم ہیں اڑا دوں
تم دکھ مجھے دو ہیں تمہیں جب دوں تو دعا دوں
تم سب کو عزیزوں سے سوا جانتا ہوں ہیں
دشمن سے بھی ہوں صاف صفائی مری دیکھو
سر کاٹ لو گر کوئی بُرائی مری دیکھو!

راضی ہوں ہیں جس بات ہیں تم سب کا بھلا ہو
بھٹکے ہو کدھر دین کا رہبر مجھے جانو!
بے کس کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو!
دل بند ہوں ہیں سید قوسین مکاں کا
اجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
فریاد رس خلق کی سنتے نہیں فریاد
زہراؑ مری مادر ہے نواسا ہوں نبیؐ کا

بالفرض نہ سمجھو مجھے دل بندِ پیمبرؐ
حاجی مرے ہونے میں تامّل ہے تمہیں گر
اُمت کا محمدؐ کی ہوا خواہ تو ہوں میں
تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا
کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا
مشتاق مدینے کی حکومت کا نہیں میں
جس شہر میں کہہ دو میں اُسی شہر میں جاؤں
لکھوالو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں
سختی بھی اُٹھالوں گا مصیبت بھی سہوں گا
تا زیست جو چھوڑوں کبھی گھر کا داماں
اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیے ساماں
ممکن نہیں جینے کا مزا رنج و الم میں
دنیا میں نشاں کفر و ضلالت کا نہ گاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو
گو آج زبردست ہو، یا صاحبِ زر ہو
یہ سُن کے لعینوں نے کہا شاہِ اُمم سے
اک دم میں گلا کاٹیں گے شمشیرِ دو دم سے
حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
حضرت نے کہا خوب خوب اس کا دیا دہ
حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بدخواہ
وعدہ ہے جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
گر زعم میں تم سب کے گنہگار ہے شبیرؑ
ان بی بیوں کی شان میں ہے آیۂ تطہیر
لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم

کعبے کا مسافر تو ہوں میں بے کس و بے پر
شبیرؑ مسلماں تو ہے اے قومِ ستم گر
یہ بھی نہیں اک بندۂ اللہ تو ہوں میں
جنگل میں مدینے سے مقدر مجھے لایا
دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں
بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
مجرم جو قلمرو میں تمہارے کبھی آؤں
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہوں گا
پھر ہاتھ ہے تم لوگوں کا اور میرا گریباں
اب عمر بھی آخر ہے کوئی دن کا ہوں مہماں
سُن لیجو کہ مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں
للہ ستون کعبۂ دیں کا نہ اُکھاڑو
عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اُجاڑو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو
جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ ہم سے
زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قیدِ ستم سے
سر کاٹ کے لے جائیں تو ہو نام ہمارا
وہ کام کرو جس میں رضامند ہو اللہ
بہکانے سے بے دیں کے جہنم کی نہ لو راہ
دیکھو! مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو
ناموسِ محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر!
مریم سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر
اے ظالمو! اس گھر کو نہ برباد کرو تم

چلا کے یہ تب کہنے لگا شمر ستم گار
ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیں سے سروکار
وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں درہم و دینار
گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجئے ہتھیار
بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے

اس بات کے سنتے ہی نہ حضرت کو رہی تاب
تھرا گئے، گویا کہ لگا زخم یہ تیزاب
فرمایا کہ کیا بکتا ہے او کافر کذاب
میں بحر امامت کا ہوں اک گوہر نایاب
تو دشمن اولاد رسول دوسرا ہے
فاسق کی وہ بیعت کرے جو دست خدا ہے

یہ سنتے ہی شمشیر کو سرور نے نکالا
فرمان قضا، نائب حیدر نے نکالا
یوں میان سے اس تیغ کو صفدر نے نکالا
غل تھا کہ وہ منہ غار سے اژدر نے نکالا
ہلتی ہوئی دونوں جو زبانیں نظر آئیں
ہونٹوں پہ ستمگاروں کی جانیں نظر آئیں

بجلی کی چمک لشکر دشمن کو دکھائی
شعلے کی لپک ناریوں کے تن کو دکھائی
تیزی کا دم شمشیر نے جوشن کو دکھائی
کٹ کٹ گیا ایسی برش آہن کو دکھائی
کس طرح بھلا اہل ستم دنگ نہ ہو جائیں
چار آئینے ششدر تھے کہ جو زنگ نہ ہو جائیں

سر اڑ گئے گردن سے تو خود اڑ گئے سر سے
شانوں سے تو ڈھالیں زرہیں گر گئیں بر سے
پھل برچھیوں کے کٹ کے گرے پھول سپر سے
دستانے تو ہاتھوں سے، کمر بند کمر سے
اعدا کی صفیں خوف سے منہ موڑ کے بھاگیں
روحیں قفس جسم سے جی چھوڑ کے بھاگیں

اک ضرب میں دو کر دیا بکتا جسے پایا
منہ پھیر لیا اس نے سسکتا جسے پایا
چھوڑا اسے بسمل سا پھڑکتا جسے پایا
دکھلا دی رہ راست بھٹکتا جسے پایا
مطلب تھا چمکنے سے یہ تیغ دو زباں کا
وہ راہ ہے دوزخ کی یہ جادہ ہے جناں کا

رخ مثل کماں پھر گئے ناوک فگنوں کے
تلوار سے دم بند ہوئے تیغ زنوں کے
ضربت تھی کہ دل ٹوٹ گئے صف شکنوں کے
پرزے ہوئے ڈھالوں کے تو ٹکڑے بدنوں کے
کیا منہ تھا جو آتا کوئی اس شیر کے منہ پر
لاتی تھی قضا کھینچ کے شمشیر کے منہ پر

ٹکڑے کہیں لشکر کے کمان دار پڑے تھے
تیروں کے کہیں خاک پہ سوفار پڑے تھے
تھے ہاتھ کسی جا، کہیں ہتھیار پڑے تھے
جا گہ تھی جہاں ایک کی واں چار پڑے تھے
پامال تھے سر تابش خورشید میں تن تھے
پر موت میں روحیں تھیں جہنم میں بدن تھے

چار آئینے والے بُرشِ تیغ سے تھے دنگ
پڑتی تھی جو سر پر تو ٹھہرتی تھی تہِ تنگ
غل تھا کہ دہن کھولے ہوئے صورتِ لا ہے
چلّے پہ جو رکھتا تھا کوئی فتنہ گر انگشت
زہ گیر پہ چلّہ تھا نہ چلّے پہ نرا انگشت
جس وقت ہوا الگ گئی اُس برقِ دودم کی
نیزہ لئے آیا جو کوئی صف سے نکل کر
آواز دی یہ تیغِ یداللہ نے چل کر
وہ نیزۂ خوں ریز جو لڑنے پہ تُلے تھے
جب خود پہ بیٹھی تو جھلم کاٹ کے اٹھی
جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کے اٹھی
بالا تھی وہ شمشیرِ ستم گار فرو تھا
یکتائی خالق میں کوئی شرک جو لایا
اک ضرب میں دو کر دیا مشرک جسے پایا
کفار سے میدانِ وفا صاف کیا تھا
بجلی تھی یہ جنگل کے لئے بن گئی جاروب
نقارے تلک آتے ہوئے کانپتی تھی چوب
شمشیر کے شعلے کی حرارت جو بڑھی تھی
بجلی سی ہوا پر کبھی چمکی، کبھی ٹھہری
پایاب تھی خوں کی کہیں ندی کہیں گہری
جو خاکی و آبی تھا وہ تھا نوحہ گری میں
جب بیس ہزار اہلِ ستم جان سے ہارے
جوہر ہیں بزرگوں کے تری ذات میں سارے
اب خلق ہے اور مرحلۂ تیغِ جفا ہے

جوہر تھے عجب اور عجب آب عجب رنگ
اسوار تو اسوار، فرس ہو گئے چو رنگ
لو کھا گئی گھوڑے کو بھی منھ ہے کہ بلا ہے
شمشیر بتانے کو اُٹھاتی تھی سرِ انگشت
اک ہاتھ میں گرتی تھی قلم ہو کے ہر انگشت
سب اُڑ گئیں شاخیں، شجرِ ظلم و ستم کی
حضرت نے پکارا کہ قدم رکھیو سنبھل کر
یا عقدہ کُشا عقدۂ مقصود کو حل کر
نوک اُس کی نہ پہونچی تھی کہ سب بند کھلے تھے
دستانے کو مانندِ قلم کاٹ کے اٹھی
سر پر جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کے اٹھی
دیکھا تو فرس بھی اسی اک ضرب میں دو تھا
شمشیر نے انگشتِ شہادت کو اٹھایا
باطل تو اُدھر ہو گیا اور حق اِدھر آیا
کیا تیغِ یداللہ نے انصاف کیا تھا
کچلے گئے سر اُن کے جو تھے فوج کے سرکوب
ہیبت سے لرزتا تھا وہ صحرائے پُر آشوب
خورشید کو گردوں پہ تپِ لرزہ چڑھی تھی
تھی عکس سے دریا کی ہر اک لہر سنہری
راحت میں نہ بحری تھے نہ بری تھے نہ شہری
خشکی میں تباہی تھی تلاطم تھا تری میں
آواز یہ آئی کہ بس اے شیر ہمارے
تو وہ ہے کہ لاکھوں سے لڑائی نہیں ہارے
ہاں صابر و شاکر، دمِ تسلیم و رضا ہے

پہلو سے صدا حضرت زہرا کی یہ آئی
دو روز کے فاقے میں یہ جُرأت، یہ لڑائی
پانی کی کوئی بوند بھی پائی کہ نہ پائی
ماں صدقے گئی، دُکھ گئی ہو گی کلائی
پیشانی پہ بوسہ تو ذرا لینے دو بیٹا!
ہاتھوں کی بلائیں تو مجھے لینے دو بیٹا

آئی جو یہ آواز، شہ کون و مکاں کی
تھرا کے رکھا میان میں تیغِ دو زباں کو
اعدا سے کہا روک کے گھوڑے کی عناں کو
جاتے ہو کہاں قتل کرو تشنہ دہاں کو
کر دو خبر اُس کو بھی کدھر شمر لعیں ہے
اب آؤ کہ لڑنے کا مجھے حکم نہیں ہے

یہ سُن کے، پھرے لاکھ جواں دست بہ شمشیر
یا کوئی نہ آسکتا تھا یا گھر گئے شبیر
تلوار! برابر سے، لگانے لگے بے پیر
بس ٹوٹ گئیں پسلیاں ساری یہ چلے تیر
تیغوں سے جو سب عضوِ تنِ پاک کٹے تھے
زخموں کے بھی ماتم میں گریبان پھٹے تھے

تلواروں سے پُرزے تھا عمامہ تو قبا چاک
تھی گل کی طرح خون میں ڈوبی ہوئی پوشاک
سی پارہ تھے جزوِ تنِ سبطِ شہِ لولاک
دو ٹکڑے تھی تلواروں سے جلدِ بدنِ پاک
کٹ کٹ کے کمر بندِ یداللہ کھلا تھا
شیرازۂ قرآن تن شاہ کھلا تھا

غش کھا کے جو ہرنے پہ جھکے سیدِ ابرار
خولی نے لگائی سرِ پُر نور پہ تلوار
سر تھام کے ہاتھوں سے جو سیدھے ہوئے اک بار
برچھی بن اشعث کی کلیجے کے ہوئی پار
مہمان تھے دنیا میں فقط چند نفس کے
غش ہو گئے نیزے سے سنان ابن انس کے

دل سینے میں پھنکتا تھا یہ تھی تشنہ دہانی
ہوش آتا تھا جب غش سے تو فرماتے تھے پانی
جھکتا تھا جدھر زیں سے یداللہ کا جانی
پہلو پہ تبر مارتے تھے ظلم کے بانی
قابو میں نہ دستِ پسرِ عقدہ کشا تھے
تھراتے ہوئے پاؤں رکابوں سے جدا تھے

ڈیوڑھی پہ یہ سیدانیاں دیتی تھیں دُہائی
کیوں لوٹتے ہو فاطمہ زہرا کی کمائی
نکلی ہوئی ڈیوڑھی سے یداللہ کی جائی
چلاتی تھی ہے ہے مرے بھائی مرے بھائی
فریاد! بہن شہ سے جُدا ہوتی ہے لوگو
دوڑو کوئی، سید پہ جفا ہوتی ہے لوگو

غل رانڈوں میں تھا وا اخاوائے حسینا
صدقے تری مظلومی کے دُکھ پائے حسینا
آتی تھی یہ زہرا کی صدا ہائے حسینا
چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسینا
کس یاس سے پھر پھر کے نظر کرتے ہو بھائی
ہے ہے یہ بہن جیتی ہے تم مرتے ہو بھائی

بھیّا تری مظلوم بہن کس کو پکارے
اے تشنہ دہن پیاس تری کون بجھائے
پردیس میں دولت مرے ماں باپ کی بچ جائے
بابا بھی نہیں کون مدد کرنے کو آئے
اے تشنہ دہن پیاس تری کون بجھائے
ویرانے میں فریاد سنے کون کسی کی

اس دشت میں یارب کسی شیعہ کا گزر ہو
ہے ہے یہ مہم جنگ کی کس طرح سے سر ہو
لٹتی ہوئی اماں کی کمائی کو بچائے
سر پیٹ کے چلاتی رہی بنت یداللہ
کھینچے ہوئے خنجر کو بڑھے فوج سے گمراہ
کونین کے دفتر کو الٹتے ہوئے دیکھا

سب جانتے ہیں صدمۂ ذبح شہ خوش خو
وہ حلق وہ شمشیر وہ خاک اور وہ پہلو
آجاتی اسی وقت قیامت تو بجا تھا
خاموش انیس اب کہ ہے سینے میں جگر چاک
حاسد سے نہ کچھ خوف نہ دشمن سے ہے کچھ باک
سب نظم کریں۔ نظم کا یہ نظم و نسق ہے

قسمت میں لکھا تھا کہ بندھیں ہاتھ ہمارے
آقا! مری چھاتی پہ کوئی برچھیاں مارے
سر کاٹ لیں ہم سب کے یہ جان آپ کی بچ جائے
کس شہر سے اماں کو بہن ڈھونڈھ کے لائے
یثرب کے مسافر، تجھے اللہ بچائے
بستی بھی نہیں، کوئی محبان علیؑ کی

افسوس یمن والوں کو کس طرح خبر ہو
یارب کوئی آکر نجفی سینہ سپر ہو
کوئی ترا بندہ مرے بھائی کو بچائے
غش کھا کے ادھر خاک پہ دلدل سے گرے شاہ
دوڑی گئی مقتل کی طرف زینب ذی جاہ
پہونچی تو گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا

کیونکر کہوں سینے پہ رکھا شمر نے زانو
وہ ہاتھ ستمگار کا اور شاہ کے گیسو
الٹی جو نہ دنیا تو خدا جانے کیا تھا
حق ہے تر امداحی سبط شہ لولاک
نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک
باطل ہے سو باطل ہے جو حق ہے سو وہ حق ہے

رباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے! پیری میں بہ شکل نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے، جہاں کا اس قدر تنگ جعفر خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

۲۵ مرثیہ ۵ بند

جب خیمۂ فرزند پیمبر ہوا تاراج — اک شور ہوا، خانۂ حیدر ہوا تاراج
ناموس نبیؐ کا زر و زیور ہوا تاراج — جو رونق دنیا تھا وہی گھر ہوا تاراج
بے دینوں نے لوٹا حرم شیر خدا کو — سیدانیاں محتاج ہوئیں ایک ردا کو

وہ پردہ گیان حرم عزت و توقیر — نازل ہوا تھا جن کے لیے آیۂ تطہیر
میدان میں سر ننگے تھیں اور گرد تھے بے پیر — تھا چار طرف شور، کہ مارے گئے شبیر
تاکید تھی ہر دم عمر و سعد شقی کی — ہاں باندھ لو رسی سے نواسی کو نبیؐ کی

خالق نے ظفر یاب کیا شیروں پہ ہم کو — گھیرے رہو حلقے میں غزالان حرم کو
تھا عشق بہت دختر سلطان عجم کو — دکھلا دو سر نیزہ سر شاہ امم کو
کیں لونڈیاں آزاد بہت راہ خدا میں — اب خود کوئی دن رنج سہے قید بلا میں

ان قیدیوں میں بیٹیاں زہرا کی کہاں ہیں — بے پردہ ہیں اس وقت کہ پردے میں نہاں ہیں
دیکھیں تو کہ کس کے یہ بالائے سناں ہیں — کس کس کے یہ تن ہیں جو سر خاک طپاں ہیں
تلوار پکڑ کر علی اکبر نہیں آتے — اب بہر مدد سبط پیمبر نہیں آتے

کیا ہو گیا وہ خیمۂ زنگاری سرور — کیا ہو گئے وہ شاہ کدھر کو گیا لشکر
مسند ہے کہاں بیٹھتے تھے جس پہ پیمبر — درباں تھے ملک جس کے کہاں آج ہے وہ گھر
وہ تیغ، وہ گھوڑا علی اکبر کا کہاں ہے — وہ ننھا سا جھولا علی اصغر کا کہاں ہے

کہتا تھا کوئی دشمن دیں، بیڑیاں لاؤ — زنجیر، ید اللہ کے پوتے کو پنھاؤ
سجاد کے پہلو سے سکینہ کو ہٹاؤ — لپٹا ہوا ہے باپ سے، باقر کو چھڑاؤ
سرکاٹ لو فرزند حسینؑ ابن علیؑ کا — تا فاتحہ خواں بھی نہ رہے سبط نبیؐ کا

اونٹ آئیں وہ جن پر نہ ہو ہودج نہ عماری — کوفے کی طرف جائے گی رانڈوں کی سواری
ہے روز خوشی کا کہ ہوئی فتح ہماری — کہہ دو کوئی قیدی نہ کرے گریہ و زاری
ہرگز نہ رہائی کسی تدبیر سے ملے گی — بچہ بھی جو روئے گا تو تعزیر ملے گی

بانو یہ تقید تھی کہ اکبر کو نہ روئے
اک شب کی دلھن قاسم بے پر کو نہ روئے
اب لاش پہ بھی سبط رسول مدنی کی
حیدر کو پکارے نہ کوئی غم کی ستائی
یہ غل نہ ہو شہر میں لٹ گئی زہرا کی کمائی
نعروں سے ہلادیں نہ بزرگوں کی لحد کو
لیوے گی سکینہ جو کبھی نام علمدار
ہے ہے مرے بابا جو پکارے گی وہ ہر بار
بھولے سے بھی گر اونٹ پہ فریاد کرے گی
اعدا کی یہ تاکید تھی رانڈوں کا یہ تھا حال
چلاتی تھی بانو مرا لوٹا گیا اقبال
کیونکر نہ دہائی دوں رسولِ دوسرا کی
چلاتی تھی مقتل کی طرف زینب مضطر
بازو مرے رسی سے بندھے چھن گئی چادر
فریاد ہے منہ اشکوں سے دھونا نہیں ملتا
کبرا کو ہیں تقدیر نے یہ ظلم دکھائے
نزدیک ہے مظلوم سکینہ کو غش آئے
منہ خشک ہے پر روتی ہے کانوں پہ دھرے ہاتھ
ایک ایک کو سر کٹنے کا تھا وارثوں کے درد
سینوں میں جو دل جلتے تھے بھرتی تھیں دم سرد
نکلی تھیں جو جلتے ہوئے خیمے کے تلے سے
حلقے میں جفا کاروں کے تھے عابد بیمار
جلاد یہ کہتا تھا کہ اے شمر ستمگار
گردن یہ نہیں طوقِ گلوگیر کے قابل

چھاتی بھی جو بھر آئے تو اصغر کو نہ روئے
زینب سے یہ کہہ دو کہ برادر کو نہ روئے
ہوئیں گے قلم ہاتھ اگر سینہ زنی کی
دیوے نہ کوئی رانڈ محمد کی دہائی
رو کر نہ کہے کوئی کہ ہے ہے مرے بھائی
سب مر گئے اب کوئی نہ آئے گا مدد کو
تو سرخ طمانچوں سے کریں گے گل رخسار
کس دیوے گا رسی سے گلا شمر ستمگار
دلوئیں گے یہ ایذا کہ بہت یاد کرے گی
سر پیٹتی تھیں چہروں پہ بکھرے ہوئے تھے بال
ہیں رانڈ ہوئی قتل ہوا فاطمہ کا لال
سر ننگے ہے بلوے میں بہو شیر خدا کی
یا سبط نبی لوٹی گئی آپ کی خواہر
حلقے میں ستمگاروں کے تنہا ہوں کھلے سر
تم قتل ہوئے اور مجھے رونا نہیں ملتا
خون روتی ہے منہ دستِ حنائی سے چھپائے
زخمی ہوئے ہیں گال طمانچے بھی ہیں کھائے
اور کہنیوں تک چھوٹے سے ہیں خوں میں بھرے ہاتھ
صدمے سے گرفتاری کے تھے چاند سے منہ زرد
تھراتے تھے شعلے کی طرح سے تن پر گرد
لپٹے ہوئے اطفال تھے رانڈوں کے گلے سے
شدت سے تپ غم کی غش آجاتا تھا ہر بار
پہناؤں کسے بیڑیاں اور طوق گران بار
یہ پاؤں نہیں حلقۂ زنجیر کے قابل

طوق اس کو پنہاتے ہیں جو ہوتا ہے توانا
دشوار ہے بیمار کو گردن کا اٹھانا
ان کانپتے پاؤں میں نہ زنجیر پنہانا
ورنہ ابھی ہو جائے گا دم تن سے روانا
نے پاؤں ہیں اس بوجھ کے لائق نہ گلا ہے
یہ ضعف ہی اس کے لئے زنجیر بلا ہے

حدّاد سے یوں کہنے لگا قاتلِ شبیرؑ
تکرار نہ کر جلد پنہا، طوق گلوگیر
یہ شیر ہیں بگڑیں تو نہ بن آئے گی تدبیر
گردن میں رسن چاہیے اور پاؤں میں زنجیر
بیماری میں عالم ہیں ضعیفی میں قوی ہیں
غیظ ان کا غضب ہے کہ یہ اولادِ علیؑ ہیں

لازم ہے کہ اس طرح انھیں کیجے گرفتار
نے پاؤں بڑھیں اور نہ کھینچے ہاتھ سے تلوار
پہونچے یہ کسے جائیں کہ ہوں انگلیاں بے کار
بیڑی ہو یہ بھاری کہ چلے زور نہ زنہار
فریاد کو بھی ہاتھ یہ مضطر نہ اٹھائے
طوق ایسا گراں ہو کہ کبھی سر نہ اٹھائے

عابدؑ نے کہا گو ہیں گرفتارِ مصیبت
بھر جائے زمیں خوں سے جو دکھلائیں شجاعت
ان کانپتے ہاتھوں میں بھی ہے زورِ امامت
کیا جانئے کیا ہے جو دکھاتے نہیں طاقت
نے ضعف کا باعث، نہ نقاہت کا سبب ہے
واللہ فقط بخشش امت کا سبب ہے

برہم ہوں تو عالم کی بنا ہو ابھی نابود
اعجاز ہو موسیٰؑ کا عصا ہیں مرے موجود
گلزار ہو سائے سے مرے آتش نمرود
آہن کو ابھی موم کروں صورتِ داؤدؑ
ہے زور مرے قبضے میں حیدرؑ کے برابر
وہ انگلیاں ہیں تیغ دو پیکر کے برابر

بابا کو جو رو دوں تو اٹھے نوحؑ کا طوفاں
عیسیٰؑ کی طرح مردۂ صد سالہ کو دوں جاں
ہے زیرِ نگیں، خاتمِ انگشت سلیماںؑ
جنات و ملائک ہیں مرے تابع فرماں
پر طوق پنہا دو کہ جھکائے ہوئے سر ہوں
ہیں سید مظلوم کا مظلوم پسر ہوں

دادا کے مرے زور سے ماہر ہے خدائی
کی بت شکنی کفر کی بنیاد مٹائی
ہاتھ ان کے رسی خیبر و خندق کی لڑائی
اس زور پہ پھر رسی سے گردن بھی بندھائی
ہے فخر کی جا، گر مری گردن میں رسن ہو
پوتے میں بھی لازم ہے کہ دادا کا چلن ہو

سب جانتے ہیں صابری و جرأتِ حیدرؑ
اک زور وہ تھا فتح کیا قلعۂ خیبر
اک روز یہ مظلوم ہوئے بعدِ پیمبرؐ
کچھ بولے نہ جب دادی کے پہلو پہ گرا در
دی آتش کیں خیمے کو حیدرؑ کے پسر کے
مجھ پر بھی وہی ظلم ہوا بعد پدر کے

آگے مرے زیور مری مادر کا اُتارا
زینبؑ کی ردا چھن گئی گھر لُٹ گیا سارا
بے جرم طمانچہ مری ہمشیر کو مارا
یہ سب کیا اُمت کے لئے میں نے گوارا
خوش ہو کے اسیری کے بھی دُکھ درد سہیں گے
ہم وہ ہیں کہ ہر درد میں صابر ہی رہیں گے

تم سب نے جو دیکھی مرے بابا کی شجاعت
مارے گئے، کی حاکم فاسق کی نہ بیعت
قربان ہیں اس فہم کے اللہ ری ہمت
رکھ لی پسر فاطمہؑ نے دین کی عزت
خنجر تو نہیں حلق سے جو خون بہے گا
کیا طوق کی ایذا بھی نہ بیمار سہے گا

میں اذن وغا گر شہِ مظلوم سے پاتا
میں چھاتی پہ اکبرؑ کی طرح برچھیاں کھاتا
شش ماہہ مرا بھائی تو جاں اپنی گنواتا
ایسا تو نہ تھا میں کہ گلا بھی نہ کٹاتا
وہ صاحبِ قسمت ہوئے داخل شہدا میں
ہم قید کے قابل تھے پھنسے رنج و بلا میں

یہ سُن کے لعیں تیغ کا حلقہ لئے آیا
کس صبر سے عابدؑ نے سر پاک جھکایا
زنجیر کو جب سامنے بیمار کے لایا
فرزند یداللہ نے خود پاؤں بڑھایا
دم مارا نہ کچھ، طوق گلوگیر پہن کر
سجدے کے لئے جھک گئے زنجیر پہن کر

اُٹھ کر کہا سجدے سے کہ اے مالک تقدیر
یہ قید تری راہ میں ہے عزت و توقیر
بندے کو حصار امن کا ہے طوق گلوگیر
اور سلسلۂ بخشش اُمت ہے یہ زنجیر
ہمت دے کہ ہر رنج میں خورسند رہوں میں
اس قید میں بھی صبر کا پابند رہوں میں

عادل ہے توانا تو ہے، اے قادر مختار
حامی ہے غریبوں کا ضعیفوں کا مددگار
مولا تری طاقت سے قوی ہے یہ دل زار
یہ بار کہاں، اور کہاں، عابدؑ بیمار
یاں ایک قدم چلنے کا مقدور نہیں ہے
پہونچا دے جو منزل پہ تو کچھ دور نہیں ہے

بابا سا شفیق اُٹھ گیا ہوں بیکس و تنہا
عورات کا ساتھ، اور گرفتاری کی ایذا
موجود ہے تو سر پہ تو کچھ غم نہیں اصلا
ماں سے کئی حصہ تری شفقت ہے زیادہ
گو ابلوے میں عریاں سر ناموس نبی ہے
ستار ترا نام ہے، دل اس سے قوی ہے

رو رو کے وہ بیمار یہ کرتا رہا تقریر
اونٹوں پہ چڑھیں بی بیاں باحالت تغیر
اسوار ہوئے گھوڑوں پہ سب ظالم بے پیر
سجاد پیادہ چلے پہنے ہوئے زنجیر
نیزے پہ جو پُر خوں سر شاہ شہدا تھا
اونٹوں پہ نبی زادیوں میں حشر بپا تھا

مقتل میں جو وہ قافلہ سب نوحہ گر آیا
تیغوں سے قلم باغِ محمدؐ نظر آیا
سینے میں، الم سے دلِ سجادؑ بھر آیا
بابا کو پکارے کہ یہ قیدی پسر آیا
صدمہ یہ ہوا زینبِؑ ناشاد حزیں پر
اشتر سے گری ہائے اخی کہہ کے زمیں پر

چلاتی تھی اے زینتِ آغوشِ پیمبرؐ
گردن تو اٹھاؤ، بہن آئی ہے کھلے سر
آئی یہ صدا لاشِ شہِ دیں سے مکرر
بھائی ترے قربان ہوا اے مری خواہر
سچ ہے کہ عجب تم پہ ستم ہوتے ہیں زینبؑ
تیرے لیے نیزے پہ بھی ہم روتے ہیں زینبؑ

جس دم یہ پُردرد صدا کان میں آئی
جا لپٹی تنِ شہ سے وہ گردوں کی ستائی
چلائی کہ فریاد ہے میں لُٹ گئی بھائی
تقدیر نے لاش آپ کی بھینا کو دکھائی
ہوں کور تو یہ ظلم نہ ان آنکھوں سے دیکھوں
صدقے گئی بے سر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

بچپن سے سرِ دوشِ نبیؐ پر تمہیں دیکھا
چھاتی پہ یداللہ کی اکثر تمہیں دیکھا
گودی سے جدا ماں کی نہ دم بھر تمہیں دیکھا
اور آج کے دن خاک پہ بے سر تمہیں دیکھا
اب کوئی بزرگوں میں نہیں، ہائے برادر
بھینا! کسے لاش آپ کی دکھلائے برادر

اک روز وہ تھا بھیجی تھی اللہ نے پوشاک
اور اونٹ سواری کا بنے تھے شہِ لولاک
یہ جامۂ تن آج ہوا تیغوں سے صد چاک
کس بیکسی سے آج پڑے ہو بسرِ خاک
آرام سے پس از رنج و محن بھی نہیں ملتا
مظلوم ہو ایسے کہ کفن بھی نہیں ملتا

چلاتی تھی بانوؑ مرے سیدؑ مرے سرتاج
اُلٹا مرا بخت آپ کے مرنے سے لُٹا راج
حضرت کو تو نیزے پہ ملا رتبۂ معراج
اور لونڈی ہے بلوے میں ردا کے لیے محتاج
گھر لُٹ گیا، بے وارث و والی ہوئی صاحب
بچوں سے بھری گود بھی خالی ہوئی صاحب

اب کون ہے یا شاہ مرا پوچھنے والا
وہ بھی نہیں، اٹھارہ برس تک جسے پالا
کب تک یہ سہوں رنج و ستم اے شہِ والا
اعدا نے مجھے لوٹ کے پردے سے نکالا
بیماری میں سجادؑ گرفتارِ رسن ہے
میں قید ہوں لاش آپ کی بے گور و کفن ہے

رو رو کے بیاں کرتی تھی یہ بانوئے بے پر
جو ماں سے کہا، بالی سکینہؑ نے یہ رو کر
پہچانا ہو تم نے تو بتا دو مجھے مادر
یہ کون ہے مظلوم کا ہے لاشۂ بے سر
بے تاب ہے دل چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
اس لاش سے تو بابا کی بو آتی ہے اماں

بانوؑ نے یہ چاہا کہ سکینہ سے چھپائے
خود لاش نے کہہ کر یہ سخن ہاتھ اُٹھائے
سو رہتی تھیں تم رکھ کے اسی چھاتی پہ سر کو
صدقے تری مظلومی کے میں اے مری پیاری
خوں پھر ہوا صدمے سے مرے زخموں سے جاری
مشتاق ملاقات ہیں ہم آؤ سکینہؑ
کوئی نہ تھا جو باپ سے ملنے کا قرینہ
لاشے پہ گری ہائے پدر کہہ کے سکینہؑ
چلائی کہ ویران ہوا گھر کیا بابا
ہے ہے مرے مظلوم پدر پیاس کے مارے
شب کو مجھے نیند آتی تھی سینے پہ تمہارے
بھیا علی اصغرؑ کو تو لیتے گئے بابا
قربان گئی بیٹی سے منھ آپ نے موڑا
اعدا نے کرڑوں کے لئے ہاتھوں کو مروڑا
بے زار ہوئے، پیار کے وہ دن گئے بابا
خیمہ بھی جلا، چھن گئی اماں کی بھی چادر
زنجیر گراں پہنے ہیں سجادؑ برادر
بیمار کو آرام نہیں ملتا ہے بابا
کرتی تھی جو یہ بین سکینہؑ جگر افگار
اور کہتے تھے یہ کھینچ کے بازو کو ستم گار
وہ کہتی تھی، منھ شہ سے نہ موڑے گی سکینہؑ
ملعونوں میں بیکس ہوں نہ بیکس کو ستاؤ
مرجاؤں گی لاشے سے نہ بابا کے چھڑاؤ
بے غسل و کفن فاطمہؑ کا ماہ جبیں ہے

یہ بیٹی کا منھ دیکھ کے آنسو نکل آئے
آؤ کہ یہ بابا تمہیں چھاتی سے لگائے
کیا بھول گئیں بیکسی و مظلوم پدر کو
سیلی جو تجھے شمر ستم گار نے ماری
اس وقت تلک روح تڑپتی ہے ہماری
اس خوں بھری چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؑ
بس سنتے ہی آواز شہنشاہِ مدینہ
گردن پہ تو منھ رکھ دیا اور سینے پہ سینہ
ہے ہے تمہیں کس جرم پہ بے سر کیا بابا
تلواروں سے یہ عضو بدن ٹکڑے ہیں سارے
اب کون سلاوے گا مجھے تم تو سدھارے
اور داغ یتیمی ہمیں دیتے گئے بابا
کھانے کو طمانچے ہمیں خیمے میں ہی چھوڑا
برچھی کبھی دکھلائی اُٹھایا کبھی کوڑا
تم آئے نہ اور میرے گھر چھن گئے بابا
ہیں بلوۂ اعدا میں پھوپی جان کھلے سر
صدقے گئی بھیا کو بچاتے نہیں اُٹھ کر
یہ طوق ہے بھاری کہ گلا چھلتا ہے بابا
تھرا رہی تھی خاک پہ لاش شہ ابرار
بس چھوڑ تن شاہ کو اے بیکس و ناچار
بابا کے تو لاشے کو نہ چھوڑے گی سکینہؑ
پہنچا نہ مرڑو، مرا بازو نہ دکھاؤ
جنگل میں رہوں گی مجھے یاں چھوڑ کے جاؤ
لاشے کی نگہبانی کو بھی کوئی نہیں ہے

تنہائی کا بابا کی بُرا ہے تجھے وسواس
دیکھو تو برستی ہے عجب بیکسی و یاس
چھٹتے ہیں نہ قاسمؑ، نہ علی اکبرؑ و عباسؑ
بیٹی تو بھلا باپ کے لاشے کے رہے پاس
جاؤں گی کہاں باپ کے پہلو سے میں ہٹ کر
شب ہو گئی تو سوؤں گی چھاتی سے لپٹ کر

پہلو سے صدا آئی کہ زہراؑ ترے قرباں
تنہائی کا شبیرؑ کے غم کھا نہ مری جاں
میں کوکھ جلی ہوں ترے بابا کی نگہباں
اب فاطمہؑ ہے اور ہے یہ قتل کا میداں
شبیرؑ سے اک دم نہ جدا ہوئے گی زہراؑ
آغوش میں لاشے کو لیے روئے گی زہراؑ

سُن کر یہ صدا رانڈوں میں رونے کی پڑی دھوم
یہ پیٹیں کہ غش کھا کے گریں زینبؑ و کلثومؑ
وہ حال انیسؔ اب نہیں ہو سکتا ہے مرقوم
جس طرح چھٹی باپ سے وہ دختر مظلوم
عالم میں یہ صدمہ نہ ہوا ہوگا کسی پر
رستے میں ہوئی جو کہ جفا آلِ نبیؐ پر

رُباعی

سرگرم رہوں، نبی کی مداحی میں
کام آئے زباں وصی کی مداحی میں
یارب! یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے، علی کی مداحی میں

رُباعی

ہاں جوششِ غمِ سیدِ عالی ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم
ہر شاخِ مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

مرثیہ ۲۶
بند ۱۴۰

آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے
صحبت عیش و طرب، مجلس غدار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
آگے آگے تو ہیں سجادؑ جھکائے گردن
مثل خورشید فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجلا کے اُٹھاتے ہیں لعیں
پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا
خار تلوؤں میں ہیں مقتل سے جو پیدل ہے چلا
اُس کی مظلومی پہ، بیتاب حرم ہوتے ہیں
پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہل حرم
دختر فاطمہ زہرا کا عجب ہے عالم
رو کے فرماتی ہیں، کس گوشے میں جائے زینب
کبھی سجاد سے کہتی ہیں باہ و زاری
کر کے زاری یہ بیاں کرتا ہے وہ آزاد
کم نہ کچھ مرتبۂ آل عبا ہوئے گا
گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
رشتہ داران علیؑ سب ہیں گرفتار محن
دم بدم سانس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اُس کے
ہے اسی رسی میں ننھا سا سکینہ کا گلو
چاک کرتے کا گریباں ہے پریشاں گیسو
آہ، ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے

صبح سے جشن کا غل شام کی بازار میں ہے
شور و فریاد و بکا عترت اطہار میں ہے
فاطمہ پیٹتی ہیں، شبیر خدا روتے ہیں
پاؤں بیڑی میں، گلا طوق میں، گردن میں رسن
چاک ہے غم میں گریبان قبا تا دامن
بوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں
سخت ایذا میں ہے فرزند شہ کرب و بلا
دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
دیدۂ حلقۂ زنجیر، لہو روتے ہیں
چپ ہیں تصویر سے گویا کہ کسی میں نہیں دم
تھرتھری جسم میں ہے اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
ہاتھ کھل جائیں تو منھ اپنا چھپائے زینب
مجھ کو دریا کی آفت سے بچاؤ واری
صبر فرماؤ جو مرضیٔ جناب باری
عاصیوں کا اسی پردے میں بھلا ہوئے گا
جس طرح ہوتے ہیں گلدستے میں گلہائے چمن
شرم کے مارے موئی جاتی ہے اک شب کی دلھن
ابھی گنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اُس کے
دم گھٹا جاتا ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
سوجے تو گال ہیں کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
جب گھڑکتے ہیں ستم گر تو دہل جاتی ہے

ماں سے کرتی تھی اشارہ وہ گرفتارِ ستم
رو کے وہ کہتی ہے مجبور ہوں میں کشتۂ غم
صدقے اماں یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی ہے بیاں
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انھیں پاؤں گی
کہیں دربار میں اماں، وہ اگر مجھ کو ملے
وہ خبر لیویں نہ، گر دن مری رسّی سے چھلے
وجہ کیا کون سی تقصیر پہ منھ موڑا ہے
کان زخمی ہوئے اور لی نہ خبر واہ رے پیار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
منھ دکھاتے نہیں شفقت سے بلایا کیا
روتے تھے سن کے سکینہ کا بیاں سارے اسیر
اس طرف ہوتی تھی آرائش دربارِ شریر
اک طرف لوٹ کا سب زیور و زر رکھا تھا
نذریں ہاتھوں پہ لئے آتے تھے سب درباری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
اس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی
دم بدم تخت سے اٹھ اٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
بڑھ کے کرتے تھے خبردار یہ اُس دم تقریر
مارے دہشت کے لہو اُن کا گھٹا جاتا ہے
بولا وہ کون سی عورت ہے وہ مجبورِ ستم
باپ جس کا ہے علی، پشت و پناہِ عالم
ہے جو سلطانِ عرب اُس کی نواسی ہے وہ

رسّی کھلوا دو نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
ہائے بچی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
بی بی اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا
کس کا دربار ہے اس حال سے جاتی ہو کہاں
کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی
دیکھنا کرتی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
اُس کو یوں بھولتے ہیں باپ بچہ جو پلے
سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے
خوب بھولے مجھے بابا کی محبت کے نثار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں آیا انھیں کس طرح قرار
خواب میں آئے نہ چھاتی سے لگانا کیا
ہر قدم پر تھا یہی شور کہ ہے ہے شبیرؑ
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پر تھے امیر
اور تلے فاطمہؑ کے لال کا سر رکھا تھا
پڑھتے تھے تہنیت فتح کو باری باری
یاں تو تھا جشن کا غل، اور اُدھر تھی زاری
اور اس سمت سے ہے ہے کی صدا آتی تھی
قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں کیا ہے تاخیر
ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اٹھاتے ہیں اسیر
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آجاتا ہے
عرض کی اُس نے، کہ ہمشیر شہنشاہِ امم
جس کی ماں فاطمہؑ ہے فخرِ جنابِ مریمؑ
کلمہ گو جس کے ہیں سب، اُس کی نواسی ہے وہ

ہے وہی حضرت جعفرؑ کی بہو سینہ فگار
لاشِ شہ پر وہی اُشتر سے گری تھی کئی بار
قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
بولا وہ کیا ہے پھر اوروں کے نہ آنے کا سبب
خاک پر گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہ عرب
ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
انھیں رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبی
آفتِ فاقہ کشی، بے پدری، تشنہ لبی
چھاتیاں پھٹتی ہیں اس درد سے وہ روتی ہے
ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
آگے روتے ہوئے سجّادِ دل افگار آئے
صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
گو کہ اس روز تھیں سر انیاں کھولے ہوئے بال
بیٹیوں کا اسد اللہ کی اللہ رے جلال
جلوۂ روشنیٔ طور نظر آتا ہے
پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
بیٹیاں فاطمہ زہراؑ کی جو تھیں ننگے سر
تھا جو منظورِ خدا آلِ عبا کا پردہ
کہا ظالم نے کہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
شرم کے مارے ہوائی ہوں کا حال عجیب
کھینچ کر سب کو ستم گار جو لے جانے لگے
تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
سرکشی کر کے نہ سر بر ہوئے مجھ سے شبیرؑ
بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا

وہی زینبؑ ہے جو شبیرؑ کی تھی عاشقِ زار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں وہی پیار
پر وہ روتی ہے تو شبیرؑ کا سر روتا ہے
عرض کی ایک ہی رسّی میں ہیں جکڑے ہوئے سب
شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ ہے ہے زینبؑ
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے
خو گرِ سینۂ دل بندِ رسولِ عربی
دم بدم لب پہ یہ ہے اَینَ اَبی اَینَ ابی
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے
سب پکارے کہ وہ حاکم کے گنہ گار آئے
پھیے سر کھولے ہوئے عترتِ اطہار آئے
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں
منھ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
آنکھ اُٹھا کر کوئی دیکھے یہ کسی کی تھی مجال
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا ہے
ایک سے پوچھتا تھا ایک، یہ قیدی بڑھ کر
دستِ حیدر رکھا تماشائیوں کی آنکھوں پر
فاطمہؑ رکھتی تھی اپنی عبا کا پردہ
حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
اپنا سر پیٹ کے بانوؑ نے کہا وائے نصیب
حضرتِ زینبؑ و کلثومؑ کو غش آنے لگے
دیکھ کر سیدِ سجّادؑ کو بولا وہ شریر
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

ہاں کہو آج حمایت کو پیمبر ہیں کہاں
قید میں اُن کی بہو آئی ہے شبر ہیں کہاں

ذبح خنجر سے ہوا جو، وہ پدر کس کا ہے
کس کے ناموس لُٹے کس کا ہوا گھر تاراج
ایک چادر کے لیے کس کی بہن ہے محتاج
خلق میں کس کے لیے مرتبۂ عالی ہے
نہر پر بازوئے شبیر کو مارا کس نے
تیرے اصغرِ بے شیر کو مارا کس نے
فوج بے سر ہوئی، سلطان حجازی نہ رہے
سُن کے یہ آگیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال
صاحبِ عزت و توقیر محمد کی ہے آل
ہم کو بے قدر جو سمجھا، تو خطا کرتا ہے
ہاں بتا آیۂ تطہیر کسے آیا ہے
ہل اَتیٰ کس کے لیے روح امیں لایا ہے
قُرب اپنا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا
حق نے قرآن کے سورے میں کسے یاد کیا
جس سے ہر جنگ میں عاجز صفِ کفار آئی
آلِ احمد کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور
مار کر سبطِ پیمبر کو، یہ نخوت یہ غرور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
فخر کیونکر نہ کرے تو، کہ یہ ہے فخر کی جا
ہو گئے سُرخ لہو میں حسن سبز قبا
آگ دی خیمے کو اور زیور و زر لوٹ لیا

کیا ہوئے ابن علی، حیدرِ صفدر ہیں کہاں
ننگے سر زینبِ دلگیر ہے، سرور ہیں کہاں
اک ذرا غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے
کون بے سر ہوا اور کون ہوا صاحبِ تاج
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج
کس کا اقبال ہے اور کس کی بداقبالی ہے
جنگ میں اکبرِ دلگیر کو مارا کس نے
شاہ سے، صاحبِ شمشیر کو مارا کس نے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا وہ غازی نہ رہے
تھرتھرا کر کہا کیا بکتا ہے او بداقبال
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
دیکھ! مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
فرقِ قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے
خانۂ کفر کو کس شیر نے برباد کیا
کس کو اَکملتُ لکم دینکم ارشاد کیا
بدر میں کس کے لئے عرش سے تلوار آئی
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے نور
خیر ہم دور، نہ تو دور، نہ محشر ہے دور
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کُھل جائے گا
تو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
فاطمہ ذبح ہوئی، شیرِ خدا قتل ہوا
جس کے درباں تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

ترے ناموس تو ہیں پردہ نشیں اے ظالم
ہائے بے پردہ ہو بانوئے امامِ عالم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
کہے زینب نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاک امام
اور ان ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
کھول کر جو سے، لب ہائے شہنشاہِ عرب
دُرِ دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
نے محمد سے نہ حیدر سے حیا کرتا ہے
اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بہرِ اُمت انھیں ہونٹوں سے دعا کی ہے صدا
تجھ کو پیارے نہیں، گو ہم کو تو پیارے ہیں یہ
یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر
یہ چھڑی، ہائے غضب اور لبِ پاکِ شبیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں
کہہ کے یہ غیظ میں آئی جو علی کی جائی
سرِ شبیر سے، ناگاہ صدا یہ آئی
نہ تلاطم میں کہیں قہرِ الٰہی آ جائے
تم تو آگاہ ہو شبیر نے جو دکھ پائے
سر کو نہوڑا لیا جب ذبح کو قاتل آئے
اتنی سی بات پہ مصروفِ بکا ہوتی ہو
برچھیاں کھانے سے کیا اس میں کچھ ایذا ہے سوا
جانے دو رکھی تو رکھی مرے ہونٹوں پہ چھڑی
چپ ہیں جو ہم پہ ستم راہِ رضا میں ہوگا

بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کبرا پہ ستم
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی
کانپے سینوں میں جگر، رونے لگے لوگ تمام
متوجہ ہوا شرما کے ادھر حاکمِ شام
لبِ فرزندِ پیمبر پہ چھڑی دھرنے لگا
کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں یہ لب
پیٹ کر سینے کو زینب نے کہا ہائے غضب
قطع ہو جائے ترا ہاتھ، یہ کیا کرتا ہے
بوسے لیتے تھے انھیں ہونٹوں کے محبوبِ خدا
انھیں دانتوں پہ گہر کرتی تھی صدقے زہرا
عرش تک جن کا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ
اے ظالم، سرِ بے سر کی بھلا کیا تقصیر
نہ ستا مجھ کو میں ہوں بنتِ شہِ خیبر گیر
لے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں
آسماں آ گئے جنبش میں زمیں تھرائی
تھام لے غیظ کو زینب ترے صدقے بھائی
کہیں اُمت کی نہ کشتی پہ تباہی آ جائے
پر نہیں حرفِ شکایت کا زباں پر لائے
ہم نے اُمت کے لئے چھاتی پہ نیزے کھائے
تم چھڑی ہونٹوں پہ دھرنے سے خفا ہوتی ہو
چپ ہے تن یہ جو تلوار پہ تلوار پڑی
اے بہن یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی
اس کا انصاف تو دربارِ خدا میں ہوگا

بس سُن کے شمر نے زینبؑ سے جو یہ کی تقریر
آ کے غصے میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر
سب کو لے جا کے تو کر سخت خرابے میں اسیر
بس انیسؔ اب جگر و قلب پھُنکا جاتا ہے
حالِ زنداں کا نہیں مُنھ سے کہا جاتا ہے

سلام

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمال شوقِ زیارت ہے اب کی سال مجھے
کریم! ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

برنگ سبزۂ بیگانہ باغ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے

کریم! جو تجھے دینا ہو۔ بے طلب دے دے
فقیر ہوں۔ پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

یہ دُو نفس بھی ہیں دُنیا میں یادگار اے مرگ!
مرا خیال "تجھے" اور ترا خیال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پشتِ فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بیکسی! سنبھال مجھے

مرثیہ ۲۷
بند ۵۸

جب شام کے زنداں میں ہوئی شام حرم کو
اک آن نہ راحت تھی نہ آرام حرم کو
تھے وردِ زباں وارثوں کے نام حرم کو
رونے کے سوا اور نہ تھا کام حرم کو
رُخ زرد تھے، دل سینوں میں صدمے سے طپاں تھے
تاریکی سے دم گھٹتے تھے، اور اشک رواں تھے

وہ کہنہ خرابہ، وہ نئی قید کی آفت
وہ شام تھی رانڈوں کے لئے صبحِ قیامت
فاقوں سے نہ تھی تن میں کھڑے ہونے کی طاقت
لب خشک تھے اور نرگسی آنکھوں میں نقاہت
صدمہ تھا عجب آلِ شہِ عرش نشیں پر
بچوں کو لئے گود میں بیٹھے تھے زمیں پر

سینوں میں دھڑکتے تھے دل، اور آنسو تھے جبیں پر
چپکی کوئی بیٹھی تھی، کوئی کرتی تھی زاری
فاقے سے کوئی، اور کوئی پیاس کی ماری
کوئی غمِ اولاد میں تھی جینے سے عاری
دل تھا غمِ شوہر سے، پریشان کسی کا
داماں تلک چاک گریبان کسی کا

اک ہاتھ دھرے دل پہ تھی اک تھامے کلیجا
اک خالی تھی گودی کئے اک گود میں بچا
آنکھوں میں کسی کی، تھا بھرا اشکوں کا دریا
حیرت سے کھڑی تکتی تھی ایک ایک کا نقشا
سینے میں جگر غم سے کسی بی بی کا شق تھا
زنداں میں وہ ماتم کے مرقع کا ورق تھا

مظلوموں پہ آفت تھی عجب چرخ نے ڈالی
نے کوئی پرستار تھا نے وارث و والی
وہ خانۂ ویراں کہ جو تھا برسوں سے خالی
واں بند ہوئے تھے حرمِ سیدِ عالی
تاریکی سے ہوتا تھا قلق، آلِ نبیؐ کو
حجرے سے نکلنے کا نہ تھا حکم کسی کو

اس شب کا اندھیرا تھا شبِ گور سے بدتر
بچوں کا یہ عالم تھا کہ تھے مضطر ششدر
سہمی ہوئی کہتی تھی یہ شبیرؑ کی دختر
دم گھٹتا ہے اماں، مجھے تم لے چلو باہر
کھلوا دو ذرا حجرہ کہ اب ہونٹوں پہ جاں ہے
اس گھر میں ہوا بھی نہیں یہ کیسا مکاں ہے

بانوئے حزیں کہتی تھی با گریہ و زاری
گھر ایسا ہی ملتا ہے گنہ گاروں کو واری
لو سو رہو، آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
سن لیوے کہیں شمر نہ آواز تمھاری
ماں صدقے گئی سہہ لو جو کچھ رنج و تعب ہے
پھر باندھ دے رسّی سے جو گردن تو غضب ہے

سانسیں نہ بھرو، ہچکیاں لے لے کے نہ رو دو
ہل جائیں گے بابا بھی منھ اشکوں سے نہ دھو دو
اب سبط پیمبر سے ملا دیویں گے تم کو
شب کو تو ذرا لیٹ رہو روتی ہو دن بھر
دیکھو تو کہ جنگل میں پڑے میت اصغر
پالا تھا جسے، چھاتی پہ سلا کر
وہ کہتی تھی بابا کو بلا دو تو میں سوؤں
ہم شکل پیمبر کو دکھا دو تو میں سوؤں
بابا کے لئے چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
ان باتوں سے رو دیتے تھے ناموس پیمبر
بچوں کو نہ کھانا تھا نہ پانی تھا میسر
ہر شام مصیبت تھی، غریب الوطنی میں
تھی بھوک سے اور پیاس سے از بسکہ نقاہت
جھکی در و دیوار کو تکتی تھیں بہ حسرت
کچھ فرش نہ تھا خاک میں سب قیدی اٹے تھے
جب حاکم ظالم انھیں بھجواتا تھا کھانا
جب روبرو ان بیکسوں کے آتا تھا کھانا
اس کھانے پہ منھ آنسوؤں سے دھوتے تھے قیدی
کہتی تھی کوئی صدقے بہن ہائے برادر
چلا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے علی اکبر
کس رنج میں دنیا سے سفر کر گئے بیٹا
یہ سن کے وہ کہنے لگا جو لاتا تھا کھانا
بھوکے تو کئی دن کے ہیں، یہ کھانے کو نہ کھایا
کھاویں گے نہ گو بھوکے ہیں اور تشنہ دہن ہیں

کڑھ کڑھ کے میں مٹ جائے گی جان اپنی نہ کھو دو
قربان گئی آؤ مری گود میں سو دو
آویں گے جو بابا تو جگا دیویں گے تم کو
میں پاس تمھارے ہوں، جو بابا نہیں سر پر
نے لاش پہ سایہ ہے نہ مرقد ہے میسر
وہ ہم سے جدا ہو گئے پردیس میں آ کر
بو چاند سی چھاتی کی سنگھا دو تو میں سوؤں
مجھ سے مرے عمو کو ملا دو تو میں سوؤں
نے موت ہی آتی ہے نہ نیند آتی ہے اماں
تھا فرش فقط خاک کا بالیں تھا نہ بستر
سایہ بھی نہ تھا دھوپ میں سب جلتے تھے دن بھر
ہو جاتی تھی رانڈوں کو سحر سینہ زنی میں
پہچانی نہ جاتی تھی کسی بی بی کی صورت
زائل ہوئی تھی رانڈوں کی سب رونے سے طاقت
سینے تھے کبود اور گریبان پھٹے تھے
پانی کوئی لاتا تھا کوئی لاتا تھا کھانا
کھانا وہ نہ کھاتے تھے انھیں کھاتا تھا کھانا
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے قیدی
کس بھوک میں اور پیاس میں تن سے گیا مر
دو دن نہ تمھیں آب و طعام آیا میسر
کھانا میں کھلاؤں کسے تم مر گئے بیٹا
کس طرح کے مظلوم یہ قیدی ہیں خدایا
تب بنت علی نے اسے رو رو کے سنایا
وارث تو ہمارے ابھی بے گور و کفن ہیں

اِس رسم کو تو جانتا ہے سارا زمانا
بے دفن کے ہو سکتے ہیں ہم یاں سے روانا
ظاہر ہے خدا پر، ہمیں جس طرح کے غم ہیں
سب بی بیاں رونے لگیں اک غل ہوا برپا
لوگو! پسِ دیوارِ محل غل ہے یہ کیسا
رہ جاتا ہے سینے میں، کلیجا مرا ہل کے
رو کر کسی عورت نے کہا کیا کہوں بی بی
اک چار برس کی انھیں لوگوں میں ہے لڑکی
راحت اُسے دن کو ہے نہ آرام ہے شب کو
بابا کو طلب کرتی ہے جس دم وہ مچل کر
گر پڑتے ہیں مادر کے بھی اشک آنکھوں سے ڈھل کر
دیدارِ پدر اُس کو دکھا دے کوئی کیونکر
ماں کہتی ہے، مجھ رانڈ کو بیٹی نہ ستاؤ
لو جانے دو صدقے گئی آغوش میں آؤ
پہونچا دو مجھے پاس شہِ جن و بشر کے
اُس جا سے یہ ہند نے رو رو کے یہ پوچھا
کس طرح کی ہیں صورتیں اُن کی مجھے بتلا
سُنتی ہوں کہ آئے ہیں بڑے دھوم سے قیدی
اُس نے کہا، میں رات کو دیکھ آئی تھی زہرا
تاریکی میں سب خاک پہ بیٹھے ہیں کھلے سر
گو خاک سے ہر بی بی کی تصویر بھری ہے
رسی میں ہیں جکڑے ہوئے الماس سے بازو
اُن بی بیوں کے ساتھ ہیں بچے کئی بے پردہ
ایک ایک کا منھ رو رو کے تکتے تھے وہ بچے

میّت کو اُٹھا لیتے ہیں تب کھاتے ہیں کھانا
بے فاتحہ کا کچھ ہے شہیدوں کے ٹھکانا
چہلم کے دن آ پہونچے ہیں، اور قید میں ہم ہیں
تب ہند نے گھبرا کے کنیزوں سے یہ پوچھا
کیا گھر سے کسی شخص کا نکلا ہے جنازہ
یہ کون ہے شبّیر کو سب روتے ہیں مل کے
ہے قید، خرابے میں کسی شہر کی بندی
کہتے ہیں کہ بابا سے نہایت وہ ہلی تھی
بابا کے لیے رو کے رُلاتی ہے وہ سب کو
رو دیتی ہے اُس وقت پھوپھی ہاتھوں کو مل کر
ضد ہے یہی بابا سے ملا دو مجھے چل کر
بابا تو ہوا قتل، ملا دے کوئی کیونکر
کوکھ اُجڑی ہوں میں رحم مرے حال پہ کھاؤ
وہ کہتی ہے مرتی ہوں میں بابا کو بلاؤ
سوؤں گی تو سینے ہی پہ سوؤں گی پدر کے
تو نے انھیں زندان میں کیا جا کے ہے دیکھا
قوم اُن کی ہے کیا، اور کہاں ہے وطن اُن کا
وہ ترک کے قیدی ہیں کہ ہیں روم کے قیدی
اے بی بی! کسی پاس نہ مقنع ہے نہ چادر
ہیں صورتیں ایسی کہ خجل ہے مہِ انور
انوارِ الٰہی کی مگر جلوہ گری ہے
اور نرگسی آنکھوں سے پڑے بہتے ہیں آنسو
کیا چاند سے چہروں پر بکھرے ہوئے ہیں گیسو
اور بھوک کے صدمے سے بلکتے ہیں وہ بچے

گر قید ہیں وہ بی بیاں مثلِ گنہ گار
اس رنج میں شکوہ کوئی کرتا نہیں زنہار
معلوم نہیں، وہ عجمی یا عربی ہیں؛

گھبرا کے کہا ہند نے خاموش خدارا
کنبہ تو محمدؐ کا مدینے میں ہے سارا
بھیجے انھیں زنداں میں یہ طاقت ہے کسی کو

خاتونِ قیامت کی ہیں دو بیٹیاں ذی شاں
بی بی ہیں مری حضرت زینبؑ کے میں قرباں
اُن کو کبھی، بے مقنع و چادر نہیں دیکھا

کیا صبر تھا زہراؑ کی مصیبت کے میں قرباں
ظلم ایسے سہے جو نہ اُٹھاوے کوئی انساں
دم مارا نہ ہر حال میں اس رنج و محن پر

یہ کہہ کے کنیزوں سے کہا روشنی لاؤ
دل سینے میں بیتاب ہے، دیر اب نہ لگاؤ
ہیں قوم کے اشراف تو کس طور سے آئے

یہ کہتے ہی بس ہند کھڑی ہو گئی اک بار
یوں کہہ گئے، زنداں کے نگہباں سے خبردار
ہاں کہہ دو اسیروں سے، کہ چلا کے نہ روئیں

دی فضہؑ نے زینبؑ کو خبر جا کے یہ ناگاہ
یہ سن کے اُڑا رنگ رُخِ زینبؑ ذی جاہ
کیا دیکھوں مقدر مرا دکھلاتا ہے لوگو!

جن روزوں کہ آباد تھا گھر جیتے تھے شبیرؑ
برباد ہوئی بھائی کے مرجانے سے ہمشیر
بے کس ہوں، گرفتار ہوں، آوارہ وطن ہوں

چہروں پہ شرافت کے نجابت کے ہیں آثار
ہر بی بی کو ہے حمدِ الٰہی سے سروکار
پر وہ تو یہ کہتی ہیں کہ ہم آلِ نبیؐ ہیں

پھر کہیو زباں سے نہ سخن ایسا دوبارا
بے اذن نہیں واں ہے فرشتوں کا گزارا
قائم رکھے اللہ، حسینؑ ابنِ علیؑ کو

سیدانیاں مقبولِ خدا صاحبِ ایماں
یہ بے ادبی ہے، وہ کہاں اور کہاں زنداں
ہم کیا کہ فلک نے بھی کھُلے سر نہیں دیکھا

وہ بعدِ نبیؐ خلق میں جب تک رہیں پنہاں
راحت نہ ملی ہاتھ سے اعدا کے کوئی آن
زینبؑ مری بی بی بھی ہیں زہراؑ کے چلن پر

جلتی ہوں میں، زنداں میں مرے ساتھ سب آؤ
شکلیں تو مجھے چل کے اسیروں کی دکھاؤ
یثرب سے ہیں آئے، کہ کہیں اور سے آئے

روشن ہوئیں فانوسیں کنیزیں ہوئیں تیار
لوگ آتے ہیں حاکم کے محل کے رہو ہشیار
سر کو، درودیوار سے، ٹکرا کے نہ روئیں

زنداں میں ہند آتی ہے اے بنتِ یداللہ
گھبرا کے کہا اب میں کہاں جا کے چھپوں آہ
منہ آتی نہیں، مجھ پہ غضب آتا ہے لوگو!

اُس نے مجھے دیکھا تھا بصد عزت و توقیر
اب سر پہ ردا بھی نہیں ہے ہے مری تقدیر
کس منہ سے کہوں گی کہ میں حضرت کی بہن ہوں

شرم آتی ہے آنکھ اُس سے ملاؤں گی میں کیونکر
رسّی کے نشانوں کو چھپاؤں گی میں کیونکر
یہ گرد بھری شکل دکھاؤں گی میں کیونکر
نام اُس نے جو پوچھا تو بتاؤں گی میں کیونکر
کس طرح کہوں گی کہ سفر کر گئے شبیرؑ
اس قید میں جیتی ہے بہن مر گئے شبیرؑ

نکلے گا نہ منہ سے کہ بھری قید میں در در
دربار میں حاکم نے بلایا تھا کھلے سر
ہے اُس کی کنیزوں کے لئے جامۂ زرزر
یاں بی بیوں کے پاس گزی کی نہیں چادر
وہ تخت نشیں آج ہے، میں خاک نشیں ہوں
اُس کی تو ملاقات کے قابل میں نہیں ہوں

کہہ کر یہ سخن، چہرۂ انور پہ ملی خاک
پوشیدہ کیا بالوں کو بکھرا کے، رُخِ پاک
جا بیٹھیں کنیزوں میں گریباں کئے چاک
رونے لگی سر زانو پہ نہوڑا کے وہ غمناک
تن بید کے مانند لرزتا تھا حیا سے
زہراؑ نے چھپایا تھا اُسے اپنی ردا سے

ہند آئی تو رانڈوں کا نظر آیا عجب حال
سب شرم سے چپ بیٹھی ہیں بکھرائے ہوئے بال
چادر ہے کسی پاس، نہ مقنع ہے نہ رومال
دل سے کہا اس باغ کو کس نے کیا پامال
جلدی کوئی پوچھے کہ وطن اُن کا کہاں ہے
چہروں سے تو سیدانیوں کی شان عیاں ہے

ہر چند سنبھالا، پہ نہ سنبھلا دلِ مضطر
یوں کہنے لگی آکے اسیروں کے برابر
اے بی بیو! کیونکر یہ مصیبت پڑی تم پر
باشندہ ہو کس شہر کی تم بیکس و بے پر
کس دشت میں لوٹی گئیں یاں آئی ہو کب سے
آگاہ کرو اپنے مجھے نام و نسب سے

ہر چند کہا ہند نے ان سب سے بہ تکرار
لیکن نہ کھلے فرطِ حیا سے لبِ گفتار
کہنے لگی تب رو کے یہ فضّہ جگر افگار
یہ بی بیاں ہیں تازہ مصیبت میں گرفتار
کم گو ہیں یہ، اب ان سے ہلائے نہیں جاتے
غیرت کے سبب نام بتائے نہیں جاتے

وہ کہنے لگی بی بیو آنسو نہ بہاؤ
بیتاب ہوں میں زانوؤں سے سر تو اُٹھاؤ
یثرب سے جو آئی ہو تو شکلیں تو دکھاؤ
کچھ فاطمہؑ کے لال کا احوال سناؤ
مطلب ہے مجھے خیریت سبطِ نبیؐ سے
آگاہ ہو تم لوگ حسینؑ ابن علیؑ سے

سنتی ہوں کہ مکہ میں گئے ہیں شہِ ذی شاں
ان روزوں مدینہؐ تو ہوا ہوئے گا ویراں
کیا شوق ملاقات ہے زینبؑ پہ میں قرباں
ہوتی نہیں یاد اُن کی فراموش کسی آن
ایسی تو بہن بھائی کی شیدا نہیں ہوتی
زینبؑ سی تو بی بی کہیں پیدا نہیں ہوتی

کیوں بی بیو! گے ہیں پسر سید والا
کہتے ہیں اُسے حضرت زینبؑ نے ہے پالا
سُنتی ہوں میں شہرہ کہ عجب غنچہ دہاں ہے
جس دم یہ ہوا ذکر علی اکبر ذی جاہ
دیکھا طرف بنت علیؑ ہند نے ناگاہ
یہ شان و بزرگی کسی بی بی میں کہاں ہے
گھبرا کے گئی زینب بیکس کے برابر
کہنے لگی کچھ بات کرو صدقے میں تم پر
مضطر ہے دل زار میں چپ رہ نہیں سکتی
زینبؑ سے مشابہ ہے بہت شکل تمہاری
دھڑکا ہے مجھے خیر کرے ایزد باری
کس طرح کہوں فاطمہ زہراؑ سے جدا ہو
زینبؑ میں کچھ اور تم میں نہیں فرق سر مو
ہے جسم مبارک میں وہی پھولوں کی خوشبو
کچھ شبہ و شک چہرہ انور پہ نہیں ہے
فرمانے لگی ہند سے یوں زینبؑ نالاں
بیکس، وطن آوارہ گرفتار و پریشاں
وہ سیدۂ پاک ہے اور بنت علیؑ ہے
ناچیز ہیں ہم اور وہ اسد اللہ کی جائی
شبیر سا دنیا میں کہاں ہے مرا بھائی
اس بھائیوں والی کو ستا سکتا ہے کوئی
شبیر سے بھائی کی بہن ہے وہ خوش اقبال
دیکھا تھا کبھی خواہر شبیر کا یہ حال
لوٹا اسے اعدا نے تو شبیرؑ کہاں تھے

ہم شکل پیمبرؐ ہے کوئی گیسوؤں والا
گھر میں ہے انہی ماہ دو ہفتہ سے اُجالا
ہیں بیاہ کے دن نام خدا اب نوجواں ہے
زینبؑ نے تو نالہ کیا اور بانو نے کی آہ
بولی کہ یہ اسرار ہے کیا اے مرے اللہ؟
اس پر تو مجھے حضرت زینبؑ کا گماں ہے
اور دیر تلک غور سے دیکھا رخ انور
بی بی کہیں میں نے تمہیں دیکھا ہے مقرر
اُس بی بی کا دھوکہ ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
شوکت ہے وہی اور وہی شان ہے ساری
گویا کہ تمہیں ہو اسد اللہ کی پیاری
گو خاک پہ بیٹھی ہو مگر نور خدا ہو
چہرہ بھی وہی اور وہی آنکھیں وہی گیسو
ہے ہے تمہیں زینب ہو تمہیں زینبؑ خوش خو
بس فرق ہے اتنا کہ ردا سر پہ نہیں ہے
اس شکل کے دنیا میں بہت ہوتے ہیں انساں
تبلا میں کہاں اور کہاں زینبؑ ذی شاں
نسبت مجھے زینبؑ سے نہ دے بے ادبی ہے
زہراؑ کی جگہ جانتی ہے جس کو خدائی
ہیں اُس کے پسر لوٹی گئی میری کمائی
یوں قید میں زینبؑ کو بٹھا سکتا ہے کوئی
اللہ نے بخشے ہیں جسے شیرؑ سے دو لال
لب خشک گریبان پھٹا سر کے کھلے بال
کیا بازوئے زینبؑ پہ بھی رسی کے نشاں تھے

زینبؑ کی ردا کو جو لعینوں نے اُتارا
ملعونوں نے کیا حضرت شبیرؑ کو مارا
قاسم بھی نہیں ہے علی اکبرؑ بھی نہیں ہے
گھبرا کے کہا ہند نے ہے ہے میں کروں کیا
جب لیتی ہوں میں نام حسینؑ ابن علی کا
تم لوگ چھپاتے ہو یہ کیا ہوتا ہے لوگو!
اعجاز سے اس طرح پکارا سر شبیرؑ
ناحق مری گردن پہ چلی ظلم کی شمشیر
بے چین کیا خلد میں زہراؑ و علیؑ کو
مرجاتا ہے جو پھر اُسے زنداں سے کیا کام
زنداں میں حرم روتے ہیں میرے سحر و شام
فاقوں سے سکینہ کا مری رنگ جو فق ہے
ناگاہ صدا حضرت زہراؑ کی یہ آئی
جس بھائی سے عزت تھی ہوا قتل وہ بھائی
میں بیکس و مظلوم ہوں اور خستہ جگر ہوں
زینبؑ نے یہ سن چھاتی کو پیٹا کئی باری
اے سبط نبیؐ میں تری اس لاش کے واری
لوگ آتے ہیں ملنے کو میں شرماتی ہوں بھائی
یہ سنتے ہی سب بی بیاں کرنے لگیں زاری
میں کہتی تھی زینبؑ ہے یہی درد کی ماری
تاراج محمدؐ کا بھرا گھر ہوا ہے ہے
یہ کہہ کے گری حضرت زینبؑ کے قدم پر
زینبؑ نے کہا سر پہ ردا اوڑھوں میں کیونکر
ماتم میں سدا چاک گریبان رہے گا

کیا احمد مختار کا گھر لٹ گیا سارا
کوئی نہ رہا کیا اسد اللہ کا پیارا
کیا خلق میں عباسؑ دلاور بھی نہیں ہے
مجھ پر کسی صورت نہیں کھلتا یہ معما
رہ جاتی ہو کیوں تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
غیروں کے لیے بھی کوئی یوں روتا ہے لوگو
میں کیا کہوں اے ہند نہ تھی کچھ مری تقصیر
سجادؑ مرا قید میں ہے بیکس و دلگیر
شوہر نے ترے قتل کیا آل نبیؐ کو
یاں بعد فنا بھی نہیں مطلق مجھے آرام
بچے مرے چلاتے ہیں لے لے کے مرا نام
اے ہند مری روح کو واللہ قلق ہے
اے ہند ہے زینبؑ بھی گردوں کی ستائی
پرسا مجھے دے لوٹی گئی میری کمائی
جس دن سے یہ سر ننگے ہیں میں بھی کھلے سر ہوں
اور پھر کے منہ جانب مقتل یہ پکاری
چادر مرے سر پر سے لعینوں نے اُتاری
زندہ ہوں پہ اس غم میں موئی جاتی ہوں بھائی
سر پر سے ردا پھینک کے یہ ہند پکاری
ہے ہے مری بی بی کی ردا کس نے اتاری
لخت جگر فاطمہؑ بے سر ہوا ہے ہے
اُٹھ کر سر انور پہ اُڑھانے لگی چادر
بے دفن و کفن ہے ابھی سبط پیمبرؐ
اب حشر تلک سر مرا عریان رہے گا

اے ہند گرے گھوڑے سے جب سبطِ پیمبرؐ
زہراؑ کی صدا آتی تھی ہے ہے مرے دلبر
کس منھ سے کہوں اپنے جو کچھ بے ادبی کی
اے ہند! جدا جب کیا تن سے سرِ شبیرؑ
خوش ہو کے لگا کرنے یہ ایک ایک سے تقریر
دلبندِ نبی، ابنِ ید اللہ کو مارا
خاموش انیسؔ اب کہ سماعت کی نہیں تاب
ہر اشکِ عزادار ہے اک گوہرِ نایاب
میزانِ عدالت میں جو اعمال تلیں گے

ڈیوڑھی پہ میں سر پیٹتی تھی با دلِ مضطر
کھینچے ہوئے خنجر کو چلا شمرِ ستمگر
چھاتی پہ رکھا پاؤں حسینؑ ابنِ علیؑ کی
تب سر کو اٹھا ہاتھ میں وہ ظالمِ بے پیر
خنجر سے ہوا ذبح عجب صاحبِ توقیر
واللہ، دو عالم کے شہنشاہ کو مارا
ہے ماتمِ شبیر میں دل آب، جگر آب
کیا دولتِ دیں لوٹتے ہیں شاہ کے احباب
عقدے گہرِ اشک کے اس روز کھلیں گے

رباعی

دنیا دریا ہے۔ اور ہوس طوفاں ہے
مانندِ حباب۔ ہستیٔ انساں ہے
لنگر ہے جو دل، تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہے۔ ناخدا ایماں ہے

رباعی

ہے فصلِ عزا، جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے۔ جا بجا مجلس ہے
ماشاءاللہ چشمِ بد دور انیسؔ
کیا مجمعِ مومنیں ہے؟ کیا مجلس ہے

مرثیہ ۲۸

بند ۴۷

جینے سے غمِ شاہ میں بیزار تھی صغراؑ
غش رہتا تھا اس طرح کی بیمار تھی صغرا
کہتے تو ہیں سب کُڑھتی ہو کیوں آئیں گے بابا
جینے نہیں دینے کا غمِ ہجر کا آزار
بستر پہ پڑی رہتی ہوں میں بیکس و ناچار
آنکھیں ہیں کہیں، ہوش کہیں، دھیان کہیں ہے

جی چاہتا ہے دیکھ لوں بابا کا میں دیدار
بھائی علی اکبرؑ کی بلائیں لوں میں بیمار
جیتے جی موئی جاتی ہوں میں یادِ پدر میں
دیوار سے در تک مجھے دشوار ہے جانا
غش آیا تو مشکل ہے بہت ہوش میں آنا
سب کہتے ہیں آگے سے تو آرام ہوا ہے

ہر دم ہے کچھ اب نوعِ دگر حال ہمارا
سب کر گئے بیمار سے اک بار کنارا
ہے گھر میں کوئی یا نہیں فرزندِ نبیؐ کے
یہ کہتی تھی اور روتی تھی منھ ڈھانپے وہ بیمار
تب آ کے سرھانے لگی کہنے وہ دل افگار
میں تو سنوں مجھ سے تو کرو پیار سے باتیں

یہ باتیں اکیلی جو کیا کرتی ہو ہر دم
ڈرتی ہوں نکل جائے نہ گھبرا کے کہیں دم
خوش ہونے کی شام و سحر آ جاتی ہے صغرا

تنہائی کی آفت میں گرفتار تھی صغراؑ
ہوش آتا، تو کرتی یہی گفتار تھی صغرا
غم یہ ہے کہ جیتا نہ ہمیں پائیں گے بابا
بابا کے بھی آگے سے زیادہ ہوں میں بیمار
اُٹھتی ہوں گر اک بار تو گر پڑتی ہوں سو بار
کچھ دل بھی کسی روز سے کہنے میں نہیں ہے

اماں کے گلے سے لگوں، اصغر کو کروں پیار
پھر مر بھی اگر جاؤں تو کچھ غم نہیں زنہار
لے لے کے مرے نام کو سب روئیں گے گھر میں
کس سے کہوں، آ کر مجھے بستر سے اُٹھانا
پھر زیست کہاں جب ہوئی طاقت ہی روانا
یاں گور میں جانے کا سرانجام ہوا ہے

طولِ غمِ ہجراں نے ہمیں مار اُتارا
اتنا بھی کسی شخص نے آ کر نہ پکارا
خط لایا ہوں لشکر سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے
نانی نے کہیں سُن لی نواسی کی یہ گفتار
کیا باتیں بُری کرتی ہو دل سے مری دلدار
کرتے نہیں بی بی در و دیوار سے باتیں

گھبراتی ہو کس واسطے کیا دل کا ہے عالم
کہنے تو مرے مان لو کھاؤ نہ بہت غم
بابا کی تمہارے خبر آ جاتی ہے صغرا

صغرا نے سُنی جب کہ یہ نانی کی نصیحت
بھر بھر کے دم سرد وہ اور تھام کے رقت
یہ بات تو کچھ ہوش مرے کھوتی ہے نانی
تب نانی بیاں فاطمہ صغرا سے یہ سُن کر
خالق جو کرے وہ ہو ترے واسطے بہتر
بابا کے بچھڑنے کا تجھے رنج والم ہے
ہیں زیست بسر کر چکی اب دن ہیں سفر کے
صغرا نے کہا ان سے دم سرد یہ بھر کے
نانی نہیں مرنے کا مجھے خوف و خطر ہے
ہے زیست غم و درد کا باعث مری نانی
مرجاؤں تو یہ غم ہے نہ یہ اشک فشانی
کس طرح نہ رحم آئے گا غربت پہ بہن کی
قاسم کے نہایت مجھے آنے کی خوشی ہے
بھیا کو مجھے گود ی اٹھانے کی خوشی ہے
دیدار سے ایسا ہی جو ترسائیں گے اصغر
جیتے مرے آجائیں جو عباس علمدار
جیتا تو وہ کرتے ہیں سکینہ کو بہت پیار
مانع ہے اگر پیار کی ہمشیر ہماری
دستور ہے کرتے ہیں جسے پیار نہایت
سب سے تو تمہیں اُنس ہے اور پیار بہ شدت
ہر چند گرفتار غم و رنج و محن ہوں
بھینا ہی کی خاطر سے مری پوچھتے گر بات
یوں تو مری ہر طرح گزر ہی گئی اوقات
وہ تو نہ ہوئی جو کہ خوشی تھی مرے جی کی

حیرت سے وہ بس رہ گئی تصویر کی صورت
نانی سے یہ بولی وہ مریض غم و فرقت
غمگیں کو بھی دنیا میں خوشی ہوتی ہے نانی
کہنے لگی قربان ترے اے مری دلبر
کچھ تجھ کو نہ ہو بدلے ترے جاؤں میں ہی مر
بانو سے نہ شرمندہ ہوں مجھ کو یہی غم ہے
تم بچی ہو جیتی رہو سائے میں پدر کے
تم سر پہ سلامت رہو زہرا کے پسر کے
پردیس میں پردیسیوں کی جان کا ڈر ہے
ہیں سب مرے چہرے سے عیاں درد نہانی
دنیا میں رکھے حق علیؑ اکبر کی جوانی
اکبر پڑھیں گے فاتحہ تربت پہ بہن کی
اصغر کو کلیجے سے لگانے کی خوشی ہے
مُنھ چاند سے مکھڑے سے ملانے کی خوشی ہے
مر جائے گی صغرا تو کہاں پائیں گے اصغر
جو دل میں گلے ہیں وہ کروں ان سے میں اظہار
ایسا ہی کہوں اُن سے یہ رو رو کے میں بیمار
کیوں خط نہ لکھا آپ نے تقصیر ہماری
کچھ اُس کے عزیزوں سے بھی کرتے ہیں محبت
کیا وجہ جو صغرا پہ نہیں آپ کی شفقت
جو آپ کی پیاری ہے اُسی کی میں بہن ہوں
تب جانتی میں آپ کو الفت ہے مری بات
پردیسیوں کا خط ہے مگر نصف ملاقات
دو حرف میں ہو جاتی تسلی مرے جی کی

یہ کر کے بیاں نانی سے دل اُس کا بھر آیا
کرتا جو لیا چہرے پہ طوفاں نظر آیا
موقوف عزیزوں کا گلا ہو گیا صغرا
یہ باتیں تو اچھی نہیں لگتیں مجھے واری
واں شکوؤں کے پرنالے تھے بس چشموں سے جاری
صدمہ الم و ہجر کا کھانے لگا اُس کو

گھبرا کے کہا نانی نے اُس کی یہ کسی سے
آتا ہو تو آؤ کہ چلی فاطمہ جی سے
جی ہے کوئی ساعت میں گزر جائے گی صغرا
جا کر یہ کسی نے کہا عباس کی ماں سے
بیٹھی ہوئی کیا کرتی ہو جلدی چلو یاں سے
عرصہ ہوا آنکھوں کو نہیں کھولتی صغرا

گھبرا گئی یہ سنتے ہی عباس کی مادر
اُم سلمہ سے یہ کہا گھر میں پھر آ کر
آج اور ہی اس بچی کی حالت نظر آئی
وہ بولی غش آیا ہے خبر کچھ نہیں بی بی
جب فاطمہ صغرا کے قریب آ کے یہ بولی
شبیر کے لشکر کی خبر لائی ہوں واری

یہ کہہ کے جو اُس بچی کے بازو کو ہلایا
ہے ہے ابھی واری مجھے کیوں تم نے جگایا
فرماتے ہیں صغرا تجھے کچھ میری خبر ہے
اُن کی تو سنی اپنی میں کچھ کہنے نہ پائی
ہے ہے مرے بابا نے یہ کیا بات سنائی
کیا جانئے کیوں جینے سے بیزار ہیں بابا

بعد آنسوؤں کے آنکھوں میں خون جگر آیا
نانی نے کہا دھیان تمہارا کدھر آیا
باتیں ابھی کیا تھیں ابھی کیا ہو گیا صغرا
مانا بھی کرو صدقے گئی بات ہماری
کیا بولتی منہ سے وہ غم و درد کی ماری
چلّا کے یہ روئی کہ غش آنے لگا اُس کو

کہہ آوے کوئی مادرِ عباس علیؑ سے
سمجھاؤ سمجھتی نہیں مجھ ظلم زدی سے
میں بیٹھی رہ جاؤں گی مر جائے گی صغرا
ہوتا ہے سفر فاطمہ صغرا کا جہاں سے
کچھ باتیں تشفی کی کرو اپنی زباں سے
چپ ہو گئی ایسی کہ نہیں بولتی صغرا

اشک آنکھوں میں بھر آئے چلی اوڑھ کے چادر
کیا حال ہے کیوں غش ہوئی شبیر کی دختر
کیا اُس نے سنا لوگو کہو کیا خبر آئی
سمجھاتی ہوں کتنا نہیں لیکن یہ سمجھتی
آنکھیں تو ذرا کھولو میں کچھ تم سے کہوں گی
فرزند پیمبر کی خبر لائی ہوں واری

تب چونک کے یہ فاطمہ صغرا نے سنایا
تھا خواب میں بابا کو بہت روزوں میں پایا
بیٹی کوئی دن میں مرا دنیا سے سفر ہے
جو جاگ اٹھی ہو گئی بابا سے جدائی
دنیا سے سفر کی مجھے وجہ نہ بتائی
کیا ہو گیا کس دکھ میں گرفتار ہیں بابا

گھبراؤں نہ کیوں اب تو مجھے غم پہ ہوا غم
گھبرانے لگا اور بھی سینے میں مرا دم

ظاہر ہیں جو ہو حرف و حکایات سند ہے
یہ کہتی تھی جو شور ہوا شہر کے اندر
اُم سلمہ دوڑی گئیں سنتے ہی در پر
اونٹوں کو بٹھایا ہے یہ فریاد و فغاں ہے
ہم جیتے پھرے مارا گیا فاطمہؑ کا لال
تلواروں سے منہ چاند سے سب خوں میں ہوئے لال

ہم جیتے ہیں قبروں پہ انھیں رو کے ہم آئے
اس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے
نیزوں پہ چڑھا دینے کو سر تن سے اتارے

مر کر نہ بلا چین، کسی تشنہ دہن کو
بانو کی جو رانڈوں کی سی صورت نظر آئی
اُم سلمہ سن کے لگی دینے دوہائی

صغرا سے کہا کر لو گریبان کو پارا
آگے تو تمہیں رونے کو میں منع تھی کرتی
اب منع بھی کرنے میں ہے تشویش گزرتی

تم لڑکی ہو اور داغ یتیمی کا برا ہے
یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ بیکس و مضطر
رو رو کے یہ کہنے لگی اے خالق اکبر

تو مالک و مختار قضا اور قدر ہے
پھر بولی کہ بابا سے ملا دو مجھے لوگو!
بانو سے کہا بیٹی کی صورت کو تو دیکھو
دم شدت گریہ سے الٹ جائے گا اس کا

اب کاہے کو آویں گے یہاں شاہ دو عالم
تب نانی نے اس سے کہا با دیدۂ پرنم
قربان گئی خواب کی کب بات سند ہے

آئے سفر کوفہ سے ناموس پیمبرؐ
کیا دیکھا کہ روتے ہیں کھڑے عابد مضطر
جو بی بی اترتی ہے سو یہ کرتی بیاں ہے
حیدرؑ کا چمن باغیوں نے کر دیا پامال
پیاسوں پہ چلیں برچھیاں کیا ان کا کہیں حال
اب ان کو کہاں پائیں جنھیں کھو کے ہم آئے
دیکھا کیے ہم سامنے وہ سب گئے مارے
پیاسوں کی بنیں تربتیں دریا کے کنارے

چالیسویں تک سب رہے محتاج کفن کو
اور رونے کی دھوم اہل محلہ نے اٹھائی
اسباب اٹھا ماتمی صف جلد بچھائی

دل کھول کے اب روؤ کہ بابا گیا مارا
بیمار تھیں تم اور میں غم کھانے سے ڈرتی
بن روئے تو مر جاؤ ابھی گر نہ ہو مرتی

بیمار کو غم کھانے سے دونا ہی دوا ہے
سر پیٹ کے رونے لگی پلّہ لیا سر پر
فریاد ہے فریاد لٹا فاطمہؑ کا گھر
میں کس لیے جیتی ہوں مری موت کدھر ہے
یہ سنتے ہی زینبؑ لگی سر پیٹنے رو رو
بابا کو طلب کرتی ہے گودی میں اسے لو
ننھا سا کلیجہ ابھی پھٹ جائے گا اس کا

لے گود میں بانو اسے رو رو کے پکاری
ماں ہوگئی قربان یتیمی پہ تمہاری
پردیس میں جنت کو سفر کر گئے شبیر
قاسم ترے عمو کا پسر مر گیا بیٹی!
پانی کو ترستا علی اکبر گیا بیٹی!
اس گھر کی جو آبادی تھی سو بس گئی بن میں

صغرا تو یہ سنتے ہی لگی پیٹنے سر کو
ایسے گئے بابا کہ نہ جیتے پھرے گھر کو
اب آس ہے اتنی کہ جو مر جائے گی صغرا
جب تک رہوں گی جیتی تھی تب تک ہے جدائی
آئے نہ تمہیں اور نہ چچا نے مرے بھائی
بیمار کو اس ہجر کی آفت سے نکالو

بے آپ کے بلوائے ملاقات ہے دشوار
پھر آپ تلک مجھ کو پہونچنے کی کہاں بار
کیا کیا ستم اے سید ابرار نہ دیکھا
سنتی ہوں کہ حضرت کے ہی ہمراہ ہیں اکبر
چھوٹا مرا بھیا علی اصغر بھی وہیں آہ
اس دکھ سے رہائی تمہیں دلواؤ گے بابا

صغرا تو یہ کرتی تھیں بیاں با تن رنجور
اے صاحبو یہ شک تو مرے دل سے کرو دور
شفقت تھی بہت اس پہ حسین ابن علی کی
میں سن چکی اتنا تو کہ مارے گئے عباس
کس وقت تلک جنگ میں بھائی کے رہے پاس
کچھ قاسم و اکبر پہ تو آفت نہیں دیکھی

بابا کہاں میں جس کو دکھاؤں تجھے واری
نتھ ناک سے قسمت نے اتروائی ہماری
اے فاطمہ میں رانڈ ہوئی مر گئے شبیر
عباس جہاں سے سوئے کوثر گیا بیٹی!
جنت کو مری گود سے اصغر گیا بیٹی!
میں لوٹی لٹائی ہوئی آئی ہوں وطن میں

رو رو کے سنانے لگی چلا کے پدر کو
مایوس کیا دختر مجروح جگر کو
اے سید بیکس تمہیں تب پائے گی صغرا
اور مر گئی تو آپ کی پابوسی کو آئی
آفت مری قسمت نے عجب مجھ کو دکھائی
مجبور ہے صغرا تمہیں چاہو تو بلا لو

مقتل ہی تلک جا نہ سکی جب کہ میں بیمار
بہنوں سے ملی ماں سے ملی میں جگر افگار
صغرا نے مگر آپ کا دیدار نہ دیکھا
عباس وہیں اور وہیں قاسم نوشاہ
اس بچے سے ملنے کی زیادہ ہے مجھے چاہ
کب سے ہوں میں بچھڑی تمہیں بلواؤ گے بابا!!

جو کرنے لگی مادر عباس یہ مذکور
بیٹا جو مرا عاشق شبیر تھا مشہور
کچھ اس سے بھی خدمت ہوئی فرزند نبی کی
مرنا تو یقیں ہوگیا لیکن ہے یہ سواس
سچ کہہ دو جو کچھ گزری ہو تو رونہ مری آس
شبیر کی خیمے سے تو رخصت نہیں دیکھی

رخصت کو تھا وہ جس گھڑی چلنے ہوا آیا
حق دودھ کا بخشاتا تھا مجھ سے مرا جایا

ماں نے اُسے یہ کہہ کے بٹھا چھاتی سے لگایا
شبیرؑ کے قدموں پہ جو سر تو نے کٹایا

تو دودھ بھی بخشوں گی دُعا بھی تجھے دوں گی
جان اپنی بچائی تو کبھی نام نہ لوں گی

زینبؑ نے کہا کیا کہوں عباسؑ کی جرأت
کچھ شہ کے علمدار کی پوچھو نہ حقیقت

قاسمؑ سے بھی پہلے وہ طلب کرتا تھا رخصت
پر ابن حسنؑ پا چکا جس وقت شہادت

اُس وقت عجب بے کسی تھی شاہ اُمم پر
رخصت کے لیے گرتا تھا عباسؑ قدم پر

زینبؑ سے یہ سُن مادرِ عباسؑ پکاری
شرمندہ کیا تم نے حسنؑ سے مجھے واری

کلثوم نے تب یوں کہا با گریہ و زاری
اُس نے تو رضا مرنے کی مانگی کئی باری

کیا کرتا کہ مغموم بہت ہوتے تھے شبیرؑ
مُنہ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبیرؑ

جب حال سکینہؑ کا ہوا پیاس سے تغیر
بس اُس گھڑی ناچار ہوئے حضرت شبیرؑ

بھائی سے کہا کچھ کرو اب پانی کی تدبیر
کچھ بس نہیں اب تم سے جُدا کرتی ہے تقدیر

یہ سُن کے لگا رونے وہ شیدائے سکینہؑ
لے کے گیا مشک وہ سقائے سکینہؑ

واں فوج سے لڑ بھڑ کے بھرا مشک میں پانی
اور گھر کو چلا حیدرِ کرار کا جانی

پھر ٹوٹ پڑے پیاسے پہ وہ ظلم کے بانی
چھانا اُسے بھی تیروں سے اور مشک بھی چھانی

پانی بھی بہا تن سے گرے ہاتھ بھی کٹ کر
اور گر پڑا عباسؑ بھی گھوڑے سے زمیں پر

اس خوبی سے مارا گیا فرزند تمہارا
دودھ اُس کو نہ بخشا تھا تو اب بخشو خدارا

پھر فاطمہ زہراؑ کو وہ کیونکر نہ ہو پیارا
واللہ سر اس نے قدمِ شاہ پہ وارا

دکھلائی وہ جانبازی شہِ تشنہ دہن کو
راضی کیا حیدرؑ کو، محمدؐ کو، حسنؑ کو

یہ سُنتے ہی بس مادرِ عباسؑ دلاور
قبلے کی طرف گر پڑی سجدے کو زمیں پر

جب کر چکی سجدہ تو یہ کہنے لگی رو کر
سب مل کے کرو ماتمِ فرزندِ پیمبرؐ

یہ جو کہا غل ہونے لگا سینہ زنی کا
اور ذکر تھا شبیرؑ کی تشنہ دہنی کا

بولی کوئی جیتے نہ رہے قاسمِ مضطر
بولی کوئی بے جان ہوئے عباسؑ دلاور

بولی کوئی سر پیٹ کے ہے ہے علی اکبر
بولی کوئی مارا گیا پیاسا علی اصغر

وہ رانڈیں تھیں اور ماتمِ شاہِ شہدا تھا
کیا کہیے انیسؔ اُس کو جو کچھ حشر بپا تھا

۲۹ مرثیہ

بند ۱۹۰

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا
روشن قمر سپہر بریں سے جدا ہوا
نور نظر امام مبیں سے جدا ہوا
لخت جگر حسین حزیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتول کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبط رسول کا

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لخت جگر کا دل
خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
ہوتا ہے آب گینے سے نازک بشر کا دل
پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
ایوب بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ کل پڑے
آنسو تھمیں تو منھ سے کلیجہ نکل پڑے

پیری میں آفت غم اولاد الاماں
دل اور زخم خنجر فولاد الاماں
وہ اضطراب خاطر ناشاد الاماں
وہ اشک، شور اور وہ فریاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اُجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
غربت میں کون لُٹ گیا، منزل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھئے، نہ کسی گل سے پوچھئے
صدمہ چمن کے لُٹنے کا بلبل سے پوچھئے

بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق
فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق!
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق
خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف، جب ایسا پسر نہ ہو

بچھڑے پدر سے اکبر مہرو ہزار حیف
اب روبرو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
کیا خوش نما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف
وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو، ہزار حیف
وہ زلف و رخ، وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب چاہیں جس کی زیست وہ شیر ژیاں مرے
افسوس! نیم جاں جیے، جان جہاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے، آ کر کہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیے نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب، کہ مرنے کے دن نہ تھے

پھولے پھلے نہ وہ چمن روزگار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گُل ایسا ہزار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام
رُخ زرد، دل میں درد، بدن سرد تشنہ کام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
پیارے یہ تھے حسین علیہ السّلام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہ تشنہ کام کے

فرماتے تھے بہن، علی اکبرؑ گزر گئے
پُرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
بیٹھے ہیں، خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہیں
سر تھا حسین بے کس و تنہا کی گود میں

سر بارِ دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن
مُردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن
مجبور ہم ہیں قاسم بے پر کی روح سے
یہ سن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی
سرِ خفی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی
بے کس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
دریا کو چھین لو حق زہرا سند کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر میں
یا مصطفٰے بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال
یا فاطمہ میں لٹتی ہوں بکھرا دو سر کے بال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہوں

جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
کیا زور ہے امانت پروردگار میں
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے
ترچھی ہوئے سے تخت جگر کی قبا تمام
طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے
لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں:
اب عنقریب خیمۂ عصمت میں تیغ زن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے
زینبؑ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
جاتا ہے سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا
فرزند فاطمہ کی بلاؤں کو رد کرو
یا شیر حق، مقام مدد ہے مدد کرو
حصّہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں
یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال:
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہیں
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمہیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
درد شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکر ذوالجلال
رونے میں دن، تڑپنے میں راتیں گزر گئیں
ظاہر میں جو علیؑ پہ کیے ظالموں نے جبر
حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثل ابر
ہم کیا ہیں حیدر ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
عزلت گزیں تھے بعد علیؑ قبلۂ دوم
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے حواس گم
بعد از فنا بھی در پے ایذا شریر تھے
ہیں مورد بلا و مصیبت ازل سے ہم
غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
بھولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو
کیا کریں تم بہن اجل آتی وطن میں گر
درپیش ہے سفر ہمیں، ہمیں خلق سے سفر
ہر دکھ میں خوش ہیں وہ جنھیں الفت خدا کی ہے
دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہؑ کو یاس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے

خالق کی یاد بستر علن چاہیے تمہیں
جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہیں
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا
ٹوٹی ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی نہ تھا خیال
بازو کے نیل کا تو کھلا وقت غسل حال
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں
اس غم سے تھا نہ چین نبیؐ کو میان قبر
منھ سے سنا نہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
جب ریسماں سے گردن مشکل کشا بندھے
اس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ اب نہ ام
ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں اور بھی تھیں تم
فرزند فاطمہ کے جنازے پہ تیر تھے
اس غم کدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم
بعد ان بزرگواروں کے باری ہماری ہے
کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
اس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو
یکساں ہے مرنے والے کو جنگل ہو یا کہ گھر
اب آرزو یہ ہے کہ کٹے جلد تن سے سر
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے
بیٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے

سن کر مصیبت پدرِ بےکس و حزیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امامِ دیں
صدقے گئی مدینے چلو، یا نجف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نہ سوار
قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں

عمو تمہارے چھوڑ گئے، ہم کو جاں بلب
تلواریں چل گئیں بنے قاسم پہ بے سبب
تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے

ہر چند صبح شام سے جاری یہ شاہراہ
پایا تھا عمر کھو کے جنھیں ہم نے آہ آہ
کیا ہو گا لاکھ روئیں گے یا خاک اڑائیں گے

بی بی یہاں سے اہل وطن ہیں قریب تر
بھیجے ہیں شیعیانِ یمن نے بھی نامہ بر
تریوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجھے اس بن میں لے گیا
نے دوست نے عزیز نہ غم خوار نے سپاہ
مجھ سا بھی کوئی بےکس و بے پر بشر نہ ہو

جانا ہے دور، شب کو جو آنا نہ ہو ادھر
پہلی پہل ہے آج شبِ فرقتِ پدر
راحت کے دن گزر گئے اب فصل اور ہے

آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
تنہا ہیں ہم، سپاہ مخالف کثیر ہے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مہ جبیں
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
اس دشت کیں میں قید ہے احمد کا یادگار
سر کاٹ کر درختوں پہ لٹکائے جاتے ہیں

بی بی قدم پہ گر کے ہمیں کون رکھے اب
مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لٹ گئے

ہر کوئی قافلہ نہ ہوا ہو گا یوں تباہ
ڈھونڈا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ رشکِ ماہ
نہ عمر اب پھرے گی نہ وہ دوست آئیں گے

پر میری بےکسی کی نہیں ایک کو خبر
لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گزر
لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پھر گیا

تا مجھ تک آ سکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

ضد کر کے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
بُندے اُتار دو طوق بڑھاؤ پدر نثار
چلّاؤ نہ اینَ ابی کہہ کے بار بار
لو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
یہ کہہ کے پیاری بیٹی کو دیکھا ادھر ادھر
فضہ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھی ہیں سر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
رکھی تھی لا کے لاش پسر آپ نے جہاں
گرتی ہیں اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسماں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوش خصال
شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
سن کر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
ایسے نہیں جو دکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اے جانِ فاطمہ! مرا پیارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سرو سہی قد کو دیکھ لوں
وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر
مجھ کو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر
تڑپے گا دل، تو لے کے اجازت حضور سے
بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے
چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمرِ نابکار
سونپا تمہیں، خدا و نبی کی پناہ میں
پوچھا کدھر ہیں بانوئے ناشاد نوحہ گر
رخصت کی بھی حضور کی اُن کو نہیں خبر
چلئے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے
منہ اس زمیں پہ ملتی ہیں اور ہے لبوں پہ جاں
نعرہ یہ ہے کہ ہائے مرا شیر نوجواں
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے
دیکھا کہ غش میں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشمِ تر
صاحب کہاں ہے منتوں والا مرا پسر
اپنے مرادوں والے کو لوں گی میں آپ سے
اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا
اک بار پھر شبیہ محمد کو دیکھ لوں
لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر
میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بے خود تھی میں جب آئے تھے میداں سے وہ ادھر
سنبھلا جو دل ذرا تو بھڑکنے لگا جگر
آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
گر ہیں خفا تو آئیں میں اٹھ کر نثار ہوں
دائی ہوں اُن کی آپ کی خدمت گزار ہوں
تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
باتیں یہ سُن کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بانو! کسے بُلاؤں کہاں ہے وہ سیمبر
ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھیں
مخفی بہت کیا یہ اجل پا گئی اُنھیں
زندہ نہ ہوگا لال، اگر مر بھی جاؤ گی
جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام
سُن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
ہندی چلی ہے شام کو آل رسولؐ کی
فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال
بے وارثوں کا وارث و والی اللہ ہے

کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
باتیں نہ پیار کی ہوئیں نے کچھ گلے ہوئے
اُن کی خطا نہیں ہے میں تقصیروار ہوں
اب رحم کیجیے کہ بہت بے قرار ہوں
لے آئیے منا کے مرے نور عین کو
یا رب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
ہم شکل مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
جس نے تمہیں دیا تھا وہ اب اُس کے پاس ہیں
ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انھیں
صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انھیں
بانو! کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی
کہہ دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
بستی اُجڑ گئے تخت اُلٹنے کا طور ہے
اے ابن فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین و سوگوار
صاحب کسی جگہ مجھے ٹھہرا کے جائیے
مشہور ہوں کنیز امام فلک مقام
گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
دیکھو! یہی بہو ہے علیؑ و بتول کی
زہراؑ کی بیٹیوں کی رہو تم شریک حال
صاحب تمہارے ساتھ ہے عابد سا خوش خصال
دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاشش پہ اب آکے روئیو
لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے منہ ڈھانکے روئیو
قبر رسولؐ پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لُٹنے میں صبر، شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیے

یہ سُن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے
سیدانیاں لپٹ گئیں زہرا کے ماہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہِ عالم پناہ سے
نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
چوتھا فلک ضیا سے جلوہ خانہ بن گیا
خورشید شمع حسن کا پروانہ بن گیا

مل کر حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے
اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے
اعمیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے
پھرا تھا سر پہ چترِ سلیماں جناب کے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال
تاباں رہے یہ نیرِ اقبال بے زوال
شوکت کی یہ دعا تھی کہ اے فاطمہ کے لال
سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال
یارب افادِ خلق سے امن و اماں رہے
جب تک زمیں رہے یہ امامِ زماں رہے

بیٹا نہ تھا کوئی نہ برادر ادھر اُدھر
پر قدسیوں کی صف تھی برابر ادھر اُدھر
مُڑ مُڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر اُدھر
گرتی تھی برقِ حُسن چمک کر ادھر اُدھر
جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

غُل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو
ذرّوں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
لو جوبن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو
قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو
نقش اس قدم کے چاند سے روشن دوچند ہیں
مجمر ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

آمد فرس کی تھی دلھن آتی ہے جس طرح
تھم تھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح
تصویر آہوئے ختن آتی ہے جس طرح
یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبکِ دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بے شک پری ہے یہ

آیا عجب شکوہ سے اسپِ قمر رکاب
تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب
حلقہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب
فتراک بھی کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر
زیں پر تھا گرد پوشش کہ پر آفتاب پر

اختر خجل ہیں زین جواہر نگار سے
تھمتا تھا کب سوار فراست شعار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پاؤں کو دیکھ کر
قرباں اُس نگاہ درِ ضیغم شکار کے
شائستگی کو پوچھئے دل سے سوار کے
رکھ دے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
چاروں سُموں سے بدر خجل نعل سے ہلال
کھینچے نہ پال حور نے بکھرا دیئے ہیں بال
رستے ہیں یاد گنبدِ نیلی رواق کے
سینہ کشادہ، تنگ کمر، چُست جوڑ بند
جاں دار، بُردبار، عدو کش، ظفر پسند
سُرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بہ شکلِ لا
ہاں بے زباں ہے گو یہ یہ کہتا ہے برملا
افسوس اہلِ شام کو کچھ پیش و پس نہیں
لو اب سوار ہوتا ہے زہراؑ کا یادگار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرؑ نامدار
سب دو پہر میں ابنِ علیؑ سے جدا ہوئے
سب دوست بے مثال تھے روؤں کسے کسے
حیدرؑ کے پانچ لال تھے روؤں کسے کسے
غیر اُن کے پیارے مرنے کے جب ذکر ہوں گے
مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر
اک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر
اس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں

ذرّوں نے حُسن لیے ہیں ستارے غبار سے
گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
بل کر رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھ کر
پامال کر دے شیر کو ٹاپوں سے مار کے
چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ اُتار کے
پیارا فرس ہے راکبِ دوشِ رسولؐ کا
کھِلیں شکارِ شیر یہ آنکھیں ہیں وہ غزال
پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
دُلدُل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے
گردن میں خم ہلال کا اور اس پہ سربلند
بجلی کسی نگہ، کہیں آہو کہیں پرند
اتنے ہنر فرس میں، یہ قدرت خدا کی ہے
سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہے اس کا کیا
آقا ہے میرا صاحبِ لاسیف و لافتا
آقا حسینؑ سا نہیں، مجھ سا فرس نہیں
تھامے رکاب کون۔ نہ یاور نہ غمگسار
اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگِ روزگار
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے
خوش رو تھے باکمال تھے روؤں کسے کسے
سات آٹھ خورد سال تھے روؤں کسے کسے
سب میرے دوست میرے عوض ان کو رو گئے
وہ شخص اُس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
کیا دور ہے جو مر گئے بھی سیدھی نہ ہو گھر
میرے تو اک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

پیاسے مرے ہیں ساتھ جو میرے یہ تشنہ کام
جاری سبیلیں رکھیں گے رستے پہ خاص و عام
بھولو نہ تشنگی کو شہِ تشنہ کام کی
ایسے کسے ملے ہیں رفیقانِ باوفا
ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبرِ خدا
شانہ بتول بالوں میں کرتی نہ عمر بھر

یہ سُن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار
صاحب اُٹھو ترائی سے ہیں آپ پر نثار
یاں آ کے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
بانو پکارتی تھی کہ اکبرؑ کدھر ہو تم
تھامو رکاب باپ کے پیارے پسر ہو تم
بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے ہاتھ دو

لکھا ہے یاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ
حُسنِ رسول شانِ علیؑ کا ظہور تھا
پردہ ہٹا جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب
جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبی کی تھی

رن کو سواری شہِ جن و بشر چلی
گھوڑے کے ساتھ فاطمہ تھامے جگر چلی
طبقہ تمام نورِ سواری سے عرش تھا
ذروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی
ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی
غُل تھا نہ دور دور چلو نے بہم چلو

گھر گھر میں اُن کی نذر کا ہوئے گا اہتمام
چلّائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سرد جام
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ امام کی
پیشِ خدا جلیل ہے اُن سب کا مرتبا
کرتے ہر اک شہید کا ماتم جدا جدا
چادر سیاہ سر سے اُترتی نہ عمر بھر

چلّاتی تھی یہ زوجۂ عباسؑ نامدار
آقا سوار ہوتے ہیں آتا ہے راہوار
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے
بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم
اماں کا گھر تو لٹتا ہے دادی کے گھر ہو تم
بیٹا ضعیفی وقت میں حضرت کا ساتھ دو

فریاد وا حسینؑ سے ہلتی تھی قتل گاہ
رُخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا
تھامی لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب
بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب
زینبؑ بہن حسینؑ کی، بیٹی علیؑ کی تھی

پیچھے تمام فوجِ ملک ننگے سر چلی
شبدیز کیا چلا کہ نسیمِ سحر چلی
سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا
سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
ہاں خادمو ادب سے قدم با قدم چلو

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی
تصویر تھی جناب رسالت مآب کی
بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
غل تھا فرس پہ سید والا کو دیکھ لو
پڑھ کر درود صورت مولا کو دیکھ لو

پایا کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں
حوریں ہیں گرد ساغر کوثر لئے ہوئے
جبریل ہیں نجات کا دفتر لئے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیٔ عنبر سرشت میں

وہ روئے دل فروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب
ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب
پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں

پہونچا جو اس شکوہ سے خیر الورا کا لال
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال
دیکھا جو رعب قبلۂ عالی مقام کو
بڑھ کر صدا نقیب نے دی روبرو نگاہ
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ

زہرہ عدو کا آب، کلیجہ لہو رہے
نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک
غل تھا الٹ چکے ہیں حسین آستین کو

دب دب گئے مورچوں سے ادھر پہلوان ہٹے
سر کی زمیں مگر نہ امام زماں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں

اللہ ری ضو جھپکتی تھی آنکھ آفتاب کی
پیری دکھا رہی تھی لطافت شباب کی
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے
ہاں برق وشرق طور تجلی کو دیکھ لو
بالائے رحل مصحف زہرا کو دیکھ لو

قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں
پریاں جلو میں ہیں طبق زر لئے ہوئے
جھولی میں ہے نسیم گل تر لئے ہوئے
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
آنکھیں وہ جن سے نرگس فردوس کو حجاب
بیٹھا ہے شیر ہاتھوں کو ٹیکے ترائی میں

کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال
بھاگو کہ آیا شیر الٰہی پئے جدال
علموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو
دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
تاباں رہے ستارۂ اقبال و عزّ و جاہ

ہر معرکہ میں تیغ علی سرخرو رہے
ماہی نے دب کے گاو زمیں سے کہا سرک
بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
یا بوتراب آ کے بچا لو زمین کو

لشکر ہٹا نشان ضلالت نشاں ہٹے
سچ ہے کہ قطب دائرۂ دیں کہاں ہٹے
کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہ امم ہٹیں

لو! گونجتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہِ دیں
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہِ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے
خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر
غل تھا علیؑ ہیں دوشِ محمدؐ پہ جلوہ گر
سب سے نبیؐ کا رتبۂ اعلیٰ ہے دیکھ لو
زنّار گردنوں پہ تمہارے سوار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بشدّ و مد
ہم پر ازل سے ہیں کرمِ مفضلِ احد
تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر
گھر میں ہمارے وحیِ خدا لائے جبرئیل
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیل
شاگردیِ علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
آٹھوں بہشت باغِ ولایت کے پھول ہیں
اعمالِ دشمنانِ علیؑ ناقبول ہیں
پھر کیا ہوا زکوٰۃ بھی گر حج سمیت کی
عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی
بیٹی نبی نے تیغِ دو سر کبریا نے دی
رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
کیوں ظالمو! رسولؐ کا پیارا نہیں ہوں میں
کیوں مستحقِ لطف و مدارا نہیں ہوں میں
سیّد کو ظلم کونسی یہ رسم و راہ ہے

نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہمیں پشت و پناہِ دیں
دنیا میں ہم ہیں تاجِ سرِ عز و جاہِ دیں
ہم نے تمہیں بتا دیئے رستے بہشت کے
عزیٰ کہاں ہے لات و ہبل آج ہیں کدھر؟
مصحف پہ مصحف آج ہے اور نور نور پر
شیرِ خدا کی شان دوبالا ہے دیکھ لو
شرکِ جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دن پکار تھی
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا
دریائے رحمتِ صمدی ہیں ہمارے جد
سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہو گا تا ابد
ہم یوں پلک جھپکتے میں جاتے ہیں عرش پر
جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیل
اس گھر کی خادمی ہے تمنائے جبرئیل
جبریل تب مقرّبِ درگاہِ رب ہوئے
ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں
روزے ہوں یا نمازیں ہوں سب بے اصول ہیں
شرطِ قبولیت ہے ولا اہلِ بیت کی
کفار کو شکست شہِ لافتا نے دی
کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی
سجدے ہیں اس لیے کہ وہ مولد علیؑ کا ہے
کیوں عرشِ کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں
کیوں جاہلو! امام تمہارا نہیں ہوں میں
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے الٰہ
پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض واہ
سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسپ و خر ہیں
کھنچ کھنچ کے جائے ساری زراعت میں آبِ نہر
اُس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہ کا مہر
اُمّتِ نبی کی آہ یہ سفاک ہو گئی

کرتا ہے پاسداری مہمان ہر بشر
عاجز بھی لا کے سامنے رکھتا ہے ماحضر
بستانِ کربلا میں ہوا یہ بُری چلی
سُن کر بیانِ شاہ، فصیحوں نے سر جھکائے
اکثر صفوں میں شور یہ اُٹھا کہ ہائے ہائے
خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے

نوفل سے بڑھ کے یہ پسرِ سعد نے کہا
ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا
مظلومیِ حسینؑ پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
ناگہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دف
چلّوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صف
بھاگو! ہٹو! بچو! یہ صدا دی سپاہ نے

تیغ دو سر کو روک کے حضرت نے یہ کہا
آؤ عرب کی طرح جو ہے قصدِ جنگ کا
دنیا سے وقتِ عصر گزرنا ہے ہر طرح
ہر گونہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں
مشکل ہزار ہو اُسے آساں سمجھتے ہیں
اس معرکے میں کیفیت پڑسے ہیں اسی طرح

روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ
یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ
اولادِ فاطمہؑ نہ پیئے جانور پئیں
محرومِ ابنِ ساقیِ کوثر، یہ کیا ہے قہر
شہرہ ہے ناریوں کی تواضع کا شہر شہر
بس آج آبروئے فلک خاک ہو گئی

ملتے ہیں اُس سے جھک کے جو آتا ہے اپنے گھر
فاقہ ہے تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر
پانی کیا طلب تو گلے پر چھری چلی
کتنوں نے پھیر پھیر کے منھ اشک بھی بہائے
کیوں ہم رسولِ حق کے نواسے سے لڑنے آئے
فولاد نرم ہو گیا پتھر پگھل گئے

ہاں جلدی حکم دے کہ بجیں طبل جابجا
تا فوج میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا
انساں کا ذکر کیا ہے کہ گھوڑے بھی رو رہے ہیں
خاموش ہو گئے شہِ مظلوم اس طرف
اُگلی اُدھر نیام سے تیغِ شہِ نجف
یا نبی سے منھ نکالا ہے مارِ سیاہ نے

بے کس سے کس طرح ہمیں منظور ہے دغا
سب مل کے گر لڑو تو پھر اس میں ہے دیر کیا
حاضر ہیں ہر طرح ہوں کہ مرنا ہے ہر طرح
ہم حکمِ کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں
ہم ایک، اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

لڑتا نکل کے ایک سے گر ایک نامدار
نکلا ادھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار
بے دیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے
پھر ضبط ہو سکا نہ شہِ دیں پناہ سے
چمکی علیؑ کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغِ دو سر جُدا
نصرت کا آئینہ تھا جدا اور گہر جُدا
تیغِ کشیدہ دستِ شہِ بحر و بر میں ہے
ناگاہ رن میں تیغِ شہِ لافتا چلی
بن میں سمومِ قہرِ عتابِ خدا چلی
آوازِ الاماں کی سپہرِ بریں پہ تھی
پہونچے جو مثلِ شیر جھپٹ کر اِدھر اُدھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر اِدھر اُدھر
جاروب تھی کہ سیف میانِ مصاف تھی
ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں
جنات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
غل شش جہت میں تھا کہ نہ اس سے دوچار ہو
کون ان کے مُنھ پہ جا کے اجل کا شکار ہو
بھاگیں کہ ان صفوں کو ہم آراستہ کریں
جب تن سے فوجِ شام پہ وہ شعلہ رو چلی
ٹھیری بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی
تیزی یوں ہی زباں میں سخنور کو چاہیے

برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار
اس پر بھی الاماں کا غُل اُٹھتا تھا بار بار
تم نے تو آج نامِ عرب کو ڈبو دیا
گیتی کو زلزلہ ہوا زہراؑ کی آہ سے
بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے
پریاں چھپیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں
جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جُدا
محمل جدا اٹھا لیلیٔ فتح و ظفر جُدا
طومار ہاتھ میں ہے لفافہ کمر میں ہے
گویا صفوں پہ کھولے ہوئے مُنھ بلا چلی
جھونکوں سے جس کے اُڑتے ہیں سر وہ ہوا چلی
بڑھ کر جو یوں پھرے صفِ اوّل زمیں پہ تھی
سر گر پڑے ترائی میں کٹ کر اِدھر اُدھر
ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر اِدھر اُدھر
دریا کی راہ حملۂ اوّل میں صاف تھی
غل تھا کہ مل نہ جائیں سماء و سمک کہیں
سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے
بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
جو ایک ہے وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو
مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں
بس سر کے بل سقر میں سپاہِ عدو چلی
آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
پاس آبرو کا صاحبِ جوہر کو چاہیے

اب دم نہ لیجیو یہ اجل اُس سے کہہ گئی
کاٹی زرہ گرہ ی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
غصے میں مثل برق قرار اُس نے کم لیا
پھل آ سر کا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا

دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خود سری رہی
یکتا بر ش میں جو ہر ذاتی میں قدر میں
تیزی وہی تھی منہ کی اس آشوب غدر میں
کھنچے ہوئے سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
مانند برق تیغ کا سایہ جدھر گرا
یہ ہاتھ اُس طرف تو وہ بازو اُدھر گرا

قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
سرکش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے
دعویٰ مردمی تھا یہ نامرد ہو گئے
مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش نہ جائے گی
عاری تھے تیغ شاہ حجازی سے نیزہ باز
رنگے تھے ہاتھ دست درازی سے نیزہ باز
یوں جھٹکے کھول دیتی تھی نیزے کے بند کو
غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری

آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
وہ شام و روم کے قدر انداز بے نظیر
ہر صف میں سہم سہم گئے ہوتے تھے گوشہ گیر
پیچے قسم کہ گر کبھی لشکر کشی کریں

ندی لہو کی دشت پُر آفت میں بہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
خوں کھنچی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا

مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی
چمکی اُحد میں خیبر و خندق میں بدر میں
بڑھ کر سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا
بیٹے پہ باپ، باپ پہ مر کر پسر گرا
پرکالے اُڑ گئے، وہ سپر کے یہ سر گرا

کیوں دے دیا ہے ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں
سرخی رگوں سے اُڑ گئی منہ زرد ہو گئے
ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے
اب ناریوں کو آتش دوزخ جلائے گی
پیہم اُلٹ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز
باز آئے اپنی شعبدہ بازی سے نیزہ باز
آتش پہ ڈال دے کوئی جیسے سپند کو
برچھی سی اُڑ گئی وہ سناں پہ گرہ گری
سر اُڑ گیا وہ خود اُڑا یہ زرہ گری

گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح
سہوا نہ چوکتا تھا نشانوں سے جن کا تیر
چلاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر
سر کاٹ ڈالے گا جو اب سرکشی کریں

مشاق ساتھ آٹھ برس کے وہ تیز دست
بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست
ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
وہ شہسوار دوش محمدؐ کی ران و باگ
تلوار کیا فرس کو بھی تھی شانیوں سے لاگ
زور اس سے پیل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
رخش ایسا روم درے میں نہیں شام میں نہیں
چار آئینے سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار
چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا وہ چار
الٹے جہاں رن ایسا اگر اک گھڑی پڑے
خود و زرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر
شمشیر جاں ستان و کمند و سنان و تیر
بے برگ و بار دشمن آل رسولؐ ہیں
اُس تیغ کے وقار سے کوہ گراں سبک
ہے آگ اور ڈر سے اُدھر دست و پا خنک
مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
جب اُٹھ کے تیغ صفدر قدسی شرف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری
سیفی چلی کہ سیف صف کارزار پر
اللہ ری شان واہ رے حملے جناب کے
دکھلا دیئے وغا میں چلن بوتراب کے
پتلی جدھر سوار نے پھیری یہ مڑ گیا

چلا نہ سوجھتا تھا اُنھیں آنکھ سے نہ شست
غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
چلا نہ ہو کماں پہ تو پھر تیر کیا کرے
کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ
اس پیل تن کی تاب طمانچہ ہے دیو کا
سُرعت بلائیں لیتی تھی منھ چوم چوم کے
غل تھا یہ غول میں پسر سعد شوم کے
یہ شوخیاں تو گردش ایام میں نہیں
عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار
ہر دم تھا امتزاج عناصر کو انتشار
کیا ہو زرہ سے ضرب ایسی کڑی پڑے
تیر و کماں سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
بے آب سر بریدہ و ژولیدہ و حقیر
اب برچھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں
ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
چلنے میں بس یہی دم و دعویٰ کہ اب نہ رک
پر جبرئیل کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے
گویا کہ برق سطوت شاہ نجف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر
خاک اُڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
فتراک تھے کہ پر فرس لاجواب کے
اُترا براق بن گئے پری ہو گئے اُڑ گیا

خم کر صفوں سے یوں فرس تند خو اڑا
تلوار جب چلی سپر نحس عدو اڑا

ہر دم برش بڑھی ہی گھاٹ اس کا نام ہے
باطل کو حق سے خیر سے شر کو جدا کیا
یوں کفر و دیں کو تیغ دو سر جدا کیا
ٹکڑے اڑا دیئے دم میں سیاہ شریر کے

بخشا ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار
با آبرو کا جوہر ذاتی ہے انحصار
اس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی
خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے
زرگر کی مدح قدح کا کیا اعتبار ہے
بد رز کو کمال کی دولت خدا نہ دے

اک ذوالفقار خلق ہیں دو ہاتھ سے چلی
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی
فخر مجاہدیں پسر فاطمہؑ ہوا
ظلمت سے نور، نور سے ظلمت جدا ہوئی
دین مبیں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی

اس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
خود سپر عدو تھے حباب اس کے سامنے
کیا منہ تھا دے جو تیغ جواب اس کے سامنے
اللہ کا غضب ہے یہ جانے ہوئے تھے سب

اللہ رے تلاطم افواج رو سیاہ
غل تھا پناہ دے ہمیں اے آسمان پناہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا

گویا ہمائے اوج شرف چار سو اڑا
نکلا دم اور نہ زخم سے مطلق لہو اڑا

اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے
ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
گویا کلف کو روئے قمر سے جدا کیا
قربان ذوالفقار جناب امیرؑ کے

تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغ آبدار
واں طرح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار
یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی
جھکے گا آپ وہ جو درشا ہوا رہے
کہدے گی خود دھک کہ طلا خوش عیار ہے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے

دست حسینؑ و پنجۂ مشکل کشا علیؑ
دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہے جلی
حیدرؑ سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا
وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی
ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی

حکم جہاد پھر نہ ہوا نور امام کو
موج زرہ بھی نقش بر آب اس کے سامنے
بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب

ٹکراتے تھے پہ ملتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
امت رسول پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
صدقہ محمدؐ عربی کی جناب کا

اُس شور میں سُنا جو رسولِ خدا کا نام
پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
فرمایا خیر ہے گا خدا ہم سے انتقام
عاجز نہیں یہ بے کس و مظلوم و تشنہ کام
کیا چیز سر ہے، بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در
سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر
رُکن و مقام و باب و مناز و زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں غلمان و حور ہے
کہہ دیں یہ سب کہ ابنِ علی بے قصور ہے

میں کیا لڑوں گا غم سے ہوا ہے مرا جگر
آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
بازو کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر
سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
جب ذبح ہوں تو پہلوئے اکبر میں لاش ہو

بھاگو نہ لو نیام میں رکھتا ہوں میں حسام
مُشتاقِ قربِ حق ہے یہ مظلومِ تشنہ کام
دُنیا سے اب غرض ہے نہ کچھ زندگی سے کام
حاضر ہے سر فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
موت آئی اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

ملتے یہ سُن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ
ابرِ ستم میں گھر گیا زہرا کا ماہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ
دو لاکھ حربے ایک تنِ زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شمشیر سر سے تا بہ قدم چور ہو گئے

باندھے تھے چار غول جفا کار پر خدنگ
اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے خدنگ
نیزوں کے وار ہوتے تھے اک صف سے بے درنگ
چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہرا تڑپ رہی تھی علی ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبی کے کلیجے پہ چلتے تھے

وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ بن
جھیلوں میں شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
رونے کی چار سو تھی صدا بولتا تھا رن
غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آندھی میں خاک اُڑتی تھی گھوڑوں کے گشت تھے
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے

بی بی پکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال
حیدر کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
زہرا کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال
ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
جھکتے تھے زیں سے جب شہِ ذی شاں زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآں زمین پر

جب روز تھا یہ حشر بپا تھا یہ شور و شر
آپہونچا اک مسافر غربت زدہ ادھر
نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر
چھوٹے ہوئے وطن اسے گزرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا
مشتاق وہ زیارت قبر علی کا تھا

رخ زرد، پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار
ایمان و اعتقاد قوی، پر بدن نزار
طاعت گزار از بسکہ عقیدت وفا شعار
نے راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غم گسار
یہ آرزو کہ گوہر بحر شرف ملے
چھانوں جہاں کی خاک یہ در نجف ملے

سر کو قدم کئے وہ سعید و خجستہ پے
دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے
بیماری نہ تھی جو قطع مسافت سے کوئی شے
آساں تھی اس کو دوری شام و عراق و رے
ان جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا
گر بن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا

دیتی تھی اس کو طاقت رفتار جب جواب
جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہ ثواب
احسان میرے سر پہ تمہارا، چلو شتاب
کیا کیا شرف تمہاری بدولت ملے نہیں
گنج گہر ہیں زیر قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ
پہونچا دے مجھ کو منزل مقصد پہ یا اللہ
سمجھاتے تھے اسے جو مسافر میان راہ
اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے
کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہے

پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال
تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال
فوج ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال
چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا ہے جب سوال
از بس کہ اہل درد تھا بے تاب ہو گیا
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر
دیکھا ہے کوئی شمس کوئی غیرت قمر
بچہ پڑا ہے ایک ستارا سا خاک پر
کرتہ بھی ہنسلیاں بھی شلوکا بھی خوں میں تر
سرخی لہو سے حلق کے سیب ذقن میں ہے
ہاتھوں میں سب کے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار
آتی ہے پیٹنے کی صدا اس سے بار بار
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار
صدقے میں تیرے لے مرے بابا کے یادگار
کانپا کلیجہ تھم کے سنا جب دہائی کو
سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو

بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا
لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیبتا
بے کس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا
یارب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا
نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

کہنے لگا لرز کے وہ ذی قدر و نیک نام
اللہ کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام
دریا خدا نے خلق کئے بہر فیض عام
مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ مستہام
اُن سے بشر ڈرے جنھیں خوف خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور
مظلوم کی دُعا میں ہے سب طرح کا اثر
واللہ ہرگز یہ وہ حق ہے وہ خوش سیر
کر لیجے التماس دُعا ہاتھ باندھ کر
تیغوں میں اُس کے پاس چلو جو خدا کرے
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بے کس دُعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیر غم
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم بدم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اُٹھا قدم
رُتبے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارض پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحف ناطق کے خاک پر

آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہ دیں کے پاس
کی عرض السّلام علیک اے فلک اساس
مولا جواب دے کے یہ بولے بدرد و یاس
آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اُس نے کی غلام شہ ذوالفقار ہوں
بے کس ہوں بے نوا ہوں غریب الدّیار ہوں

طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ
بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
اب تک ہے مجھ سے دور در شہنشاہ
مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پر گناہ
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

میں ڈوبنے فوج ستم میں رہا اسیر
مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر
تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر
سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پر ہوں غنی کہ دولت دیں میرے پاس ہے

ڈوبا جو حب کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر
حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤں گا دو نیتیں ہیں اگر سر نوشتہ ہیں
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام
اُس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام
حیدرؑ کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں
کیا دن سعید ہوگا میں اُس روز کے نثار
چوموں گا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار
دُنیا ہو اور فاطمہؑ کا نورِ عین ہو

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
اب پنجتن میں ہے تو انھیں کا ہے ایک دم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
اک میرا شاہزادہ ہے ہم شکلِ مصطفےٰؐ
ماں کا مُرادوں والا ہے پر وہ مہ لقا
اُس رشکِ گُل سے دورِ خزاں کی بہار ہے

یہ سُن کے آپ آئے مُسافر کے متصل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ فرقت ہے جاں گسل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یارِ غمگسار
شکرِ خدا مسافرِ راہِ ثواب ہیں

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گزر گیا
دُنیا سے دو پہر میں مرا گھر کا گھر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں
اک خاکسار بندۂ ربِ غفور ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں

عرض اُس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
صدقے میں اُس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں
جس روز اُن کے گرد پھروں گا میں سات بار
آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
دیکھوں انھیں صحیح و سلامت تو چین ہو

اُمت وغا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
عزلت گزیں ہے قبرِ نبیؐ پر وہ ذی حشم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم
شُہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جابجا
سائے میں شہ کے اُس کو سلامت رکھے خدا
یارب! چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے

پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مل
اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے
ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
تیری طرح لُٹے ہیں نہیں چھوڑ کر دیار
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں

خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
ٹکڑے ہوا گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر
جنگل میں مو آئی ہے بستی سے دور ہوں
عالم ہے اُس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں،

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب
کیجے زبانِ خشک کو تر بہرِ بو تراب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
درکار جو تجھے ہو وہ لے بہرِ کردگار
ناقہ بھی لے، ترا جو ہے آقا وہ نامدار
حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے
بے کس ہوں گو کہ آج، یہ عالی مقام ہوں
آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے
جو ہے ولیِ حق وہی مولا مرا بھی ہے
ہاں مالِ غیر کف میں تصرف نہ چاہیے
دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر
دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
عرض اُس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا
پہونچا دے مجھ کو قبرِ علیؑ پر مرے خدا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
تسلیم اُس نے کی تو یہ بولے شہِ انام
آتے ہیں آپ دردِ مصیبت میں سب کے کام
تنہا ہوں دشمنوں میں، خبر آ کے لیجیے
سُن کر بیانِ شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
دل سے کہا کہ اب ہے لبِ بام آفتاب
احسان کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجیے

لے آؤں دوڑ کر مرے شربے میں کچھ ہے آب
بولے ہلا کے سر کو شہِ آسماں جناب
سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں
پیدل اگر ہے تو، تو یہ حاضر ہے راہوار
سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو
موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے
شرما نہ تو، کہ میں بھی علیؑ کا غلام ہوں
تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
بھائی! علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں
کیجے اُٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دُعا
مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
یارب اسے علیؑ کی زیارت نصیب ہو
قبرِ علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
میں بے کس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
ہنگامِ ذبح گود میں سر آ کے لیجیے
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
بے کس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجیے

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام
اب دیکھئے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام
دینداد ہوں نہ ترک رفاقت کروں گا میں
زوّار جن کا ہوں ہیں انھیں کی مجھے قسم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشن ارم
پردے اُٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گھبرا کے بولے شاہ، کہ ہاں قسم نہ کھا
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دم بدم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحب الم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے
بیٹی کا ذکر سُن کے یہ بولا وہ خوش خصال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال
ہر شے کا علم آپ کو اس بے کسی میں ہے
بتلایئے برائے خدا مجھ کو اپنا نام
بے کس، عزیز مُردہ، اسیر سپاہِ شام
درد و غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں
قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
بتلایئے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک
یہ تو نہ کہہ سکے کہ شہِ مشرقین ہوں
سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین
گھر فاطمہ کا لُٹ گیا سب اس لڑائی میں

بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام
وہ کام چاہیئے کہ رہے تا بہ حشر نام
اب مر کے شیرِ حق کی زیارت کروں گا میں
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھ کو آتی ہے
رستا ہے یاں سے رات لبے کا نجف کو جا
اے بھائی! تو ہے صاحب دختر نئے رضا
بیٹی تری ترے لئے روتی ہے رات دن
وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیر غم
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے
فرمایئے جناب سے کس نے کہا یہ حال
شاید ہے علمِ غیب میں بھی آپ کو کمال
یہ تو صفت امام میں ہے یا نبیؐ میں ہے
فرمایا بے نوا، وطن آوارہ تشنہ کام
عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ متہام
یہ سب خطاب میں نے یہاں آکے پائے ہیں
اظہارِ اسمِ اقدسِ اعلیٰ میں کیا ہے اک
چُپ ہو گئے تڑپنے پہ اُس کے امام پاک
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں
ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسینؑ
بیٹا علیؑ کا سبط شہنشاہِ مشرقین
بس! اک یہی حسینؑ ہے ساری خدائی میں

کھینچی ہے تو نے جس کے لئے زحمتِ سفر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مردِ خوش سیر
زینبؑ یہ ہے جو ڈیوڑھی پہ جان اپنی کھوتی ہے
اُس بے وطن نے جب کہ مفصل سُنا یہ حال
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکار ا بصد ملال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت میں بن میں ہیں
مُدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
اب دیکھئے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو
للہ چشم پاک کو اب نم نہ کیجئے!
شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر
ہیں کیا مکان کیا مرا یا شاہ بحر و بر
گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
روکا بہت مگر کہیں رُکتا تھا وہ دلیر
سیرِ جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
دم بھر رہا تھا عشقِ شہِ مشرقین کے
لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ
مُرشد علیؑ، امام علیؑ، رہنما علیؑ
عازم ہوں سیرِ گلشنِ دار السلام کا
اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہِ شام
زخمی تھے خود یہ اُس کے سرہانے گئے امام
رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
اے میری بے کسی کے مددگار الوداع
اے بے وطن کے یارِ وفادار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنت کو جاتے ہیں!

اے بے خبر یہی ہے وہ سُلطانِ بحر و بر
شب سے یہاں نبیؐ و علیؑ ہیں برہنہ سر
زہراؑ تو ساتویں سے اسی بن میں روتی ہے
غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہؑ کے لال
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں
خوبی مرے نصیب کی یا شاہِ نیک خو
مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجئے!
کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہؑ کا گھر
اُلٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہے
تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثالِ شیر
ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسینؑ کے
بدالدجی حسینؑ ہیں، شمس الضحےٰ علیؑ
کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا
رستی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سرِ غلام
اے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو
اے تشنہ لب، حسینؑ کے غم خوار الوداع
اے شیرِ ذوالجلال کے زوار الوداع
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں:

فرما کے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام
دستِ علیؑ میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام
ناجی ہے دوست دار مرے نورِ عین کا
حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
اب جنت النعیم میں ہو گا گزر ترا
حوریں ہیں باغِ خلد میں خدمت کے واسطے
رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب
کی عرض اُس نے اے خلفِ سیدالعرب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بے قرار ہوں
مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا
مُنھ ڈھانپ دیجئے شہِ عالی ہمم مرا
کیا وقت بے کسی ہے ہمارے حضور ہے
یہ کہتے تھے کہ آہ وہ زوار مر گیا
شیدائے نامِ حیدرِ کرار مر گیا
لاشے سے اُٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
بس کیا کہوں انیسؔ کہ سید پہ کیا ہوا
برباد خاندانِ رسولِ خدا ہوا
پُر خوں قبائے سیدِ لولاک لُٹ گئی

ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وقار
اے نورِ چشمِ احمدِ مرسل ترے نثار
مشتاق جن کا تھا اُنھیں دیکھا غلام نے
فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
فرماتے ہیں کہ پی اسے گر تو ہے تشنہ کام
حصہ ترا یہ ہے تو وہ حصہ حسینؑ کا
نام تیرا قلم نے لکھا عرش پر ترا
ہمسایۂ رسولِ خدا میں ہے گھر ترا
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے
فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
تنہائی حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
مہلت جو دے اجل تو پھر اُٹھ کر نثار ہوں
اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
پڑھیے کوئی دُعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کس سے کہوں جو لاش کو دارے حضور کے
بے کس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شبیر روتے رہ گئے غم خوار مر گیا
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں
تڑپے حسینؑ شورِ قیامت بپا ہوا
سجدے میں تن سے فرقِ مبارک جدا ہوا
عُریاں حسین رہ گئے پوشاک لُٹ گئی

۳۰ مرثیہ

بند ۱۶۱

رطب اللساں ہوں مدحِ شہِ خاص و عام میں
لب ہیں خموش پر ہے زباں اپنے کام میں
دعویٰ نہیں، غرورِ زباں آوری نہیں
ہر جا ہے ملکِ نظم میں نظم و نسق مرا
ہے سہلِ ممتنع یہ کلامِ ادق مرا
پائی نہیں کبھی یہ حلاوت نبات میں
فوجِ سخن میں شقہ کشا ہے علم مرا
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دم بدم مرا
نقشا جو کھینچتا ہے صفِ کارزار کا
ہے گوہرِ محیطِ فصاحت سخن مرا
ہے مدح خوانیِ گلِ زہرا چلن مرا
بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سنے نہیں
مقبول ہے کلامِ فصاحت نشاں مرا
شہرہ زمیں سے کیوں نہ ہو تا آسماں مرا
مداحیِ حسینؑ سے حسنِ قبول ہے
ہاں اے کمیتِ خامۂ مشکیں طراز بس
اے شہ سوارِ طبعِ فصاحت نواز بس
جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے
نورِ خدا کی مدح بشر کی ہے کیا مجال
اوصافِ آل میں فصحا کی زباں ہے لال
برسوں لکھیں تو وصفِ ائمہ بیاں نہ ہو

ہے سر بسر حدیثِ حسن اس کلام میں
گویا کہ ذوالفقارِ علیؑ ہے نیام میں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں
کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا
مضمون تو ٹپک رہے ہیں بات بات میں
بڑھتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا
ہے معرکے میں رستمِ دستاں قلم مرا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا
گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا
محفوظ ہے جہاں میں خزاں سے چمن مرا
دامن میں ہیں وہ گل جو کسی نے چنے نہیں
ہے بادشاہ کون و مکاں قدرداں مرا
بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہے آشیاں مرا
یہ رتبۂ غلامیِ آلِ رسولؐ ہے
یہ شوخیاں، یہ چابکی و ترکتاز بس
اے یکہ تازِ فسحتِ عجز و نیاز بس
آداب کا مقام ہے باگیں لیے ہوئے
پہونچا کبھی نہ خیلِ ملک کا جہاں خیال
ناقص کو ہاں اگر وہی چاہے تو دے کمال
ہر موئے تن زباں ہو تو شمہ بیاں نہ ہو

کیونکر بیاں ہو شوکتِ شانِ پیمبری
طاقت یہ کس میں ہے جو لکھے زورِ حیدری
قرآں میں جن کا وصف مکرر خدا کرے
قصرِ ثنائے آلِ محمدؐ بہت ہے دور
بس اے زباں یہ جربِ زبانی ہے کیا ضرور
بے مثل و بے عدیل ہیں اور بے نظیر ہیں

کیا وصف کر سکے کوئی ایسا بیاں کہاں
ذرہ کہاں وہ مہرِ تجلی نشاں کہاں
حقا کہ پنجتن کے شرف بے قیاس ہیں
بینا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا
مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا
ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیئے

یوسف کے حسن سے انھیں گر دیجئے مثال
سرسبز ہر طرح ہے رسولِ خدا کی آل
یوسف سا مہ لقا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
باقی رہی بس آپ کی تشبیہ مہر و ماہ
لغزش یہاں خطا ہے تسلی یہاں گناہ
کیا کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہہ گئے

غافل نہ ہو درود سے یاں اے زبانِ پاک
قرباں ہے جانِ احمدِ مرسل پہ جانِ پاک
کاٹیں زباں کو لوح پہ گر بے محل چلے
شبیر سا جہاں میں نہیں دُرِ شاہوار
بابا سرِ جہاں کے لئے تاجِ افتخار
نکلا یہ نور نورِ رسالت مآب سے

عاجز ہیں یہاں فرزدق و حسان و حمیری
دوڑے کمیتِ خامہ تو کھائے سکندری
کس کی زباں سے پھر بشر اُن کی ثنا کرے
کرتا ہے دم میں ذہنِ رسا سو جگہ قصور
ہے بے نیاز ذہن و عصائے ہے شمعِ طور
کافی ہے یہ کہ نورِ خدائے جلیل ہے

ظاہر ہو سلسبیل سے ایسی زباں کہاں
نسبت ہے کیا زمیں کہاں آسماں کہاں
پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں
عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا
پایا دُرِ مراد تو بحرِ سخا کہا
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیئے

وہ ماہتاب اور یہ خورشیدِ بے زوال
ہے شہرۂ ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
پر کیا مزہ جو حسن میں اُن کے نمک نہ تھا
رُخ ایک کا ہے زرد تو ہے ایک سیاہ
ہشیار اے قدم کہ دمِ تیغ پر ہے راہ
سالک ہزار ہا اسی منزل میں رہ گئے

دکھلا دے فیضِ چشمۂ کوثر دہانِ پاک
جھکتا ہے عرش دیکھ کے وہ آستانِ پاک
سجدے کی جا ہے کیوں نہ قلم سر کے بل چلے
نانا محمدؐ عربی فخرِ روزگار
مادر جنابِ فاطمہ زہراؑ سی ذی وقار
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے

آئینۂ جلالتِ محبوبِ ذوالجلال
تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
خلقِ حسنؑ تو عظمتِ زہراؑئے خوش خصال
کیا گل کھلا تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
دنیا ہو یا بہشت ہو فیض ان کا عام ہے
طوبیٰ اسی نہال کے سائے کا نام ہے

ممکن نہیں ہے مثل ترا اے سپہرِ جود
ہے شکل ممتنع قسمِ واجب الوجود
کیا امرِ صدق ہے بھلا حاجتِ شہود
ایسے بشر کی مدح کرے کیا بجز درود
دشوار ہے مثال دُرِ بے مثال کی
ساحل تلک نہ پہونچے گی کشتی خیال کی

کہف الوریٰ امامِ امم معدن التقیٰ
مصباحِ دیں سراجِ مُبیں ہادیٔ ہدیٰ
فیاضِ آبِ کوثر و ساقیٔ اولیا
نورِ خدا امینِ خدا حجتِ خدا
اُلفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں
آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں

قربان تیرے نام کے اے وارثِ خلیل
صدقے ترے جلال کے اے سیدِ جلیل
حاجت روائے فطرس و مولائے جبرئیل
ہے ملتجی حضور سے یہ بندۂ ذلیل
مولا قسم ہے آپ کو خیر الانام کی
لیجے گا قبر میں خبر آ کر غلام کی

اندیشۂ فنا سے ضغطے میں ہے یہ جاں
نکلے دماغ پاؤں کے ناخن سے الاماں
سختی سے آشنا نہیں اب تک یہ استخواں
آقا بچائیے گا یہ مرا جسمِ ناتواں
ہو گی اگر زباں کو طاقت کلام کی
چلاؤں گا میں خود کہ دُہائی امام کی

عطرِ گلِ حدیقۂ ایماں حسینؑ ہے
تازہ ہے جس سے روح وہ ریحاں حسینؑ ہے
زانوئے نبی کا رحل تو قرآں حسینؑ ہے
پانی ملا نہ جس کو وہ مہماں حسینؑ ہے
تھا جس گلے کا نور فزوں ماہتاب سے
وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کے آب سے

سید کی کون سی تھی خطا کیا گناہ آہ
دو لاکھ اہلِ ظلم اور اک بے سپاہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہِ رسالت پناہ آہ
زانوئے شمر و سینۂ شبیرؑ آہ آہ
صحرائے کربلا میں ہوا کیا بُری چلی
فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھری چلی

عاشور کو جو لُٹنے لگا فاطمہؑ کا باغ
تاریک ہو گئے کئی گھر گل ہوئے چراغ
جانِ علی کو سوزِ الم سے نہ تھا فراغ
دل لخت لخت تھا تو کلیجہ تھا داغ داغ
ہوتا تھا جو نثار قدم پر امام کے
رہ جاتے تھے حسینؑ کلیجے کو تھام کے

یعقوب سے چھٹا تھا جو پیری میں ایک لال
یاں دوپہر میں ہو گیا سب باغ پائمال
شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا
سولہ پہر حسینؑ کو گزرے جو پیاس میں
شکرِ خدا تھا لب پہ اس اندوہ و یاس میں
سب گھر لٹا دیا فقط اتنی سی بات پر
ایوب نے سنا بھی نہ ہوگا کبھی یہ صبر
تڑپے نہ مثلِ برق، نہ روئے مثالِ ابر
دیکھا جو منھ سے دودھ اگلتے صغیر کو
امت نے کی نبی کے نواسے کی کچھ نہ قدر
آشوب ایسا چشم نے دیکھا کبھی نہ غدر
بارانِ تیرِ کیں تھا ہوا تھی بھری ہوئی
وہ فوج وہ سیاہی صحرائے لق و دق
تر خوں میں تھا مرقعِ زہرا کا ہر ورق
تھا سب پہ اوج دوشِ نبیؐ کے سوار کو
معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سولہ پہر کی پیاس
شیروں کو وقتِ مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس
ابرو کے خم کو دیکھ کے تیغیں بھی کٹ گئیں
تھا غیظ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال
اللہ رے جوشِ جرأتِ سردارِ نیک خصال
بجلی جو کوند جاتی ہے چہرے کے نور سے
وہ لو، وہ پیاس، اور وہ گرمی کی دوپہر
دستِ مژہ سے ہٹتی تھیں پتلیاں بھی تر
قطرے عرق کے دیکھ کے روئے جناب پر

مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
تیغوں سے کٹ گیا علی اکبر سا نونہال
لاشہ پسر کا دیکھ کے شکرِ خدا کیا
طاقت نہ تھی کلام کی اس حق شناس میں
اللہ رے صبر فرق نہ تھا کچھ حواس میں
مولا نثار تیرے قدم کے ثبات پر
اک جان لاکھ درد تھے، اک دل ہزار جبر
غربت میں اپنے ہاتھوں سے کھودی پسر کی قبر
اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیر کو
بارانِ تیرِ ظلم کہاں اور کہاں وہ صدر
بدلی میں فوجِ شام کی تھا فاطمہؑ کا بدر
تھی چار سمت دشت میں بدلی گھری ہوئی
گرمی وہ روزِ جنگ کی وہ پیاس کا قلق
کوئی نہ تھا حسینؑ کے سر پر سوائے حق!
تولے ہوئے تھے مثلِ علی ذوالفقار کو
شوکت وہی تھی اور وہی تیور وہی حواس
کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشمِ حق شناس
پتلی ادھر ہلی کہ صفیں واں الٹ گئیں
غل تھا کہ سرخ روز ازل سے ہے رنگِ آل
بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلفِ رسا کے بال
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے
تیزی تھی دھوپ کی کہ جلی جاتی تھی نظر
تھے تربتر پسینے میں سلطانِ بحر و بر
غل تھا پڑی ہے اوس گلِ آفتاب پر

مژگاں کی صف دراز وہ اور ابروں کے خم — پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دم بدم
مردم سے تھا اشارۂ چشمِ شہِ اُمم — محبوبِ کردگار کے ہیں نورِ عین ہم
روشن تھا رُخ سوادِ خطِ مشکبار میں — تھا فرق بال بھر کا حلب اور تتار میں

جنابِ عدن ہے رُخِ شاہنشہِ زمن — ہے سلسبیل چشم تو کوثر ہے یہ دہن
وہ لعلِ لب کہ بات میں دیں حاصلِ یمن — دنداں وہ جن کے سامنے ادنیٰ دُرِ عدن
کیا ذکر رُخ کا اور خطِ عنبر سرشت کا — پہلو ملا ہوا ہے نجف سے بہشت کا

ریش سیاہ و روئے دل آرام ایک جا — قدرت خدا کی ہے سحر و شام ایک جا
ہیں موسیٰ و مسیح خوش انجام ایک جا — رُکن و مقامِ کعبہ و اسلام ایک جا
لاریب فیہ مصحفِ ناطق کے جائے ہیں — رُخسارِ پاک ہاتھوں پہ قرآں اُٹھائے ہیں

گوہر نثار اخترِ دنداں کے نور پر — ہنستی ہے صاف جن کی چمک برقِ طور پر
صدقے ہزار جاں لبِ پاکِ حضور پر — گویا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ حور پر
راقم نے جن لبوں کو جو ابر رقم کیا — اُس لعلِ لب پہ سنگ لگائے ستم کیا

جو تازگی میں ہوں گُلِ تر سے زیادہ تر — واحسرتا وہ پانی کو ترسیں کئی پہر
اپنی زباں چُسائیں جسے سیدالبشر — وہ لعلِ لب کریں ہدفِ تیرِ بدگہر
دریا پہ تشنہ کام شہِ نیک خو رہے — پانی کی پھر جہان میں خاک آبرو رہے

الماس میں کہاں دُرِ دنداں کی برقِ شرق — تاروں میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق
خود آبِ شرم میں گُہرِ بے بہا ہیں غرق — ضو ہے کہ بات بات میں یاں کوندتی ہے برق
جب مسکرا کے گوہرِ یکتا دکھاتے ہیں — سُمرن دُرِ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں

آسماں ہے چہرۂ شاہِ اُمم کا نور — کونین میں محیط ہے ابرِ کرم کا نور
سرتاجِ آسمان و زمیں ہے قدم کا نور — دیکھا ہے یہ کسی نے کسی ایک دم کا نور
عکسِ رُخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں — ذرے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں

کعبہ ہے روئے اقدسِ فرزندِ بوتراب — ہیں ہفت شوط بخشتی کو یہاں ثواب
کس آئنے میں ہے یہ صفائی یہ آب و تاب — طاقِ حرم ہے ابروئے شاہِ فلک جناب
پہلے ثنائے چاہِ ذقن کو رقم کریں — زمزم سے غسل کرکے طوافِ حرم کریں

معراجِ مصطفےٰ کی ہے شب زلفِ عنبریں
سجدے کے بھی نشاں پہ ستارے کا ہے یقیں
ابرو بھی ہیں جھکے ہوئے رازونیاز میں
رکتا ہے دم گلے کی ثنا کیا کروں میں آہ
سردارِ خلق شمع شبستانِ عزوجاہ
خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا

وہ دوش ہیں شفاعتِ اُمّت کا جن پہ بار
گوری کلائیوں کی صفائی پہ ہیں نثار
پہونچا خیال، بابِ خفی تھی جلی ہوئی
ہاتھوں کو ہاتھ آیا ہے زورِ یداللّٰہی
ہر چند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں رہی
فتح و ظفر کو بیچ کے سر مول لیتے ہیں

قرآں ہے سینۂ خلفِ سیدِ انام
قرآنِ حق ہے اُس کی بزرگی ہیں کیا کلام
دل اس طرح ہے سینۂ شاہِ شہید میں
انصاف کا مقام ہے اے چرخِ بے مدار
محبوبِ کبریا کا دل اور برچھیوں کے وار
گرمی میں ماں بچائے جنھیں تن کی بھاپ سے

زہرا قمیص نرم پنھائے بصد تلاش
تیغوں کے پھل سے اُس کا بدن ہوئے پاش پاش
گردن جو قبلہ رو تھی رہ بے نیاز میں
بے وارثوں کے مُردے تو قبریں جہاں میں پائیں
وہ دشت ہولناک جو کرتا تھا سائیں سائیں
سایہ کسی طرح کا بجز آسماں نہ تھا

ہے صبحِ عید پر تو آئینۂ جبیں
صادق ہمیں ہیں صبح کے ہونے میں شک نہیں
بے شک دو رکعتیں ہیں سحر کی نماز میں
نورِ بیاضِ حسنِ محمدؐ کی بوسہ گاہ
تھا جس کی روشنی سے خجل نورِ مہر و ماہ
حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا اُلٹ گیا

بازوئے بابِ دیں ہیں یہ بازوئے استوار
فانوسِ آستیں سے تجلی ہے آشکار
سانچے میں نور کے ہیں یہ شمعیں ڈھلی ہوئی
خندق میں جوئے خوں انھیں ہاتھوں سے دی بہی
خیبر سا اور در کوئی ہووے تو پھر بھی
ناخن ہوں یا نہ ہوں یہ گرہ کھول لیتے ہیں

صندوقِ علم صبر کا گھر حلم کا مقام
لازم ہے سب کو مصحفِ ایماں کا احترام
یٰسین جس طرح ہے کلامِ مجید میں
وہ صدرِ پاک ظلم کے تیروں سے ہو فگار
سینہ خدا کے نور کا اور پائے حکمِ دار
وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے

تا پھول سے بدن کو نہ پہونچے کہیں خراش
تا اربعین پڑی رہے جنگل میں اُس کی لاش
ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہوئے ہیں نماز میں
اور لاشۂ حسینؑ درندوں میں چھوڑ جائیں
آفت تھی بہرِ حفظ جو شیرِ خدا نہ آئیں
سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں نہ تھا

ٹوٹا ہوا ہے بارِ الم سے کمر کا بند
خم ہے بصورتِ مہِ نو قامتِ بلند
پیشِ نظر ہے لاشۂ فرزندِ ارجمند
صدمہ جگر پہ تن پہ تعب روح پر گزند
کیا غم نہیں ہے کون سا رنج و الم نہیں
صدمے یہ ہیں پہ کھیت کے باہر قدم نہیں

جب رن میں فوجِ شام کے کالے علم بڑھے
تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے
فرما کے یہ ادھر سے امامِ اُمم بڑھے
اے سرکشانِ شام خبردار ہم بڑھے
قوت تمہیں دکھاتا ہوں اس جسمِ زار کی
لو کوندتی ہے برقِ غضب ذوالفقار کی

ہے جوشِ بحرِ قہرِ الٰہی مرا غضب
تم لاکھ اہلِ ظلم ہو ہیں ایک تشنہ لب
ہاں نیزہ بازو جنگ میں تاخیر کیوں ہے اب
ہاں اے کماں کشو مجھے روکو گے سب
نوکوں میں برچھیوں کی مجھے روکتے نہیں
شیرِ خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں

ہیں شیر بیشۂ اسدِ کردگار ہوں
زیرِ نگیں زمانہ ہے وہ نامدار ہوں
جس کے فرس رسولؐ تھے وہ شہسوار ہوں
بیٹا ابوتراب کا ہوں خاکسار ہوں
اک بندۂ حقیر ہوں ربِ غفور کا
منہ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غرور کا

ہر چند جزو و کل پہ مرا اختیار ہے
پیاسا جو ہوں یہ مصلحتِ کردگار ہے
دُنیا ہے بے وفا تو فلک بے مدار ہے
مثلِ حباب زیست کا کیا اعتبار ہے
عرصہ فقط ہے چند نفس کا اخیر ہوں
وہ اکبرؑ سا نوجوان نہ رہا میں تو پیر ہوں

عباسِ نامدار کے مرنے کے تھے نہ دن
اُنسٹھواں برس تو ایسا نہیں ہے سن
روئیں گے نامرادیٔ قاسم پہ انس و جن
یکساں ہے آگے موت کے بچہ ہو یا مُسن
آباد گھر جہاں میں کوئی یوں لُٹا نہ تھا
اصغر کو دیکھو دودھ بھی جس کا چھٹا نہ تھا

اُنسٹھ برس میں رنگ نظر آ گئے ہزار
دیکھی کبھی چمن پہ خزاں اور کبھی بہار
جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوبِ کردگار
اُلجھا کبھی نہ دامنِ خاطر سے کوئی خار
کھیتی سب اُن کے مرنے سے بے نور ہو گئی
رنگ اُڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی

اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہراؑ تھا خوابگاہ
تکیہ تھا سر کا بازوئے پیغمبرِ الٰہ
وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ
اک دن یہ ہے کہ کوئی نہیں سرپرست آہ
ماتم کا یوں تو گھر میں سدا شور و شین تھا
ایسا کبھی نہ بے کس و تنہا حسینؑ تھا

بڑھ کر پکارا شمر کہ یاور کدھر گئے
بے دل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
عباس کیا ہوئے علی اکبر کدھر گئے
اے فاطمہؑ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
جو یا پسر کا صورتِ یعقوبؑ کون ہے
غلبہ ہے کس کی فوج کا مغلوب کون ہے

تھا روم و شام جن کی زبردستیوں سے زیر
اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
اس دشتِ کیں میں ڈرتے تھے جو مثالِ شیر
شاید انھیں کے لاشوں کے ہیں خاک پر ڈھیر
سر سب کے پاش پاش ہیں تن ریزہ ریزہ ہیں
تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں

دیکھو تو کس کے سینے میں برچھی کا ہے یہ پھل
اٹھارھویں برس میں کسے کھا گئی اجل
دولھا کے خواب کرنے کا کیا تھا یہی محل
دریا پہ کس کی لاش پڑی ہے وہ منھ کے بل
محتاج بعدِ مرگ جو گور و کفن کے ہیں
کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں

شہ نے کہا یہ سب مرے گلشن کے پھول ہیں
کیونکر نہ سرخرو ہوں کہ آلِ رسولؐ ہیں
کرسی ہے پست اُن کو وہ رُتبے حصول ہیں
تن پر جو سر نہیں تو یہ نذریں قبول ہیں
قدسی درود بھیجتے ہیں ان کی شان پر
تن ان کے ہیں زمین پر سر آسمان پر

سالک جو ہیں وہ راہِ رضا بھولتے نہیں
جو دوست ہیں ولی کے ولا بھولتے نہیں
محسن کو اپنے اہلِ وفا بھولتے نہیں
ہم لوگ مر کے یادِ خدا بھولتے نہیں
تن خاک ہو تو اس میں بھی اُلفت کی بو رہے
نیزے پہ گر چڑھاؤ تو منھ قبلہ رو رہے

کیونکر نہ تو کلام کرے تو ہوا پہ ہے
جو ہو سو ہو حسینؑ تو راضی خدا پہ ہے
مسند پہ ناز ہے نہ شرف متکا پہ ہے
ہر حال میں فقیر کو تکیہ خدا پہ ہے
مٹی ہو یا کہ خز ہو تنِ پاک کے تلے
اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے

برچھی کا سینۂ علی اکبر میں گر ہے پھل
ظالم یہی تو باغِ شہادت کا ہے ثمر
ہر بار یہ دُعا تھی کہ پھولے پھلے شجر
بابا نہال ہے کہ برومند ہے پسر
کیا کیا گلِ مراد مرے ہاتھ آئے ہیں
باغِ جہاں میں آ کے یہ پھل کس نے پائے ہیں

قاسم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کیا ہراس
بس سُن چکا کہ مر گئے عباسِ حق شناس
رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھانجوں سے یاس
ہیں کون جس کے عبد تھے پہنچے اسی کے پاس
کچھ دن جو میرے پاس رہے مستعار تھے
یہ لال سب امانتِ پروردگار تھے

لاکھوں سے یہ ہزبر جو تنہا لڑے لڑے
تیغوں کے پھل جو پھول سے تن پر پڑے پڑے
ہوتے ہیں غازیوں کے ارادے بڑے بڑے
جا ہیں تو روم و شام کو لے لیں کھڑے کھڑے
بالائے دوش ڈھال تھی قبضے پہ ہاتھ تھا
خیبر میں کون شیرِ الٰہی کے ساتھ تھا

شہروں میں جنگِ بدر کا شہرہ ہے آج تک
مثلِ ہلال تیغ کی تھی جا بجا چمک
بالائے عرش نادِ علی پڑھتے تھے ملک
خندق میں کس نے کی اسد اللہ کی کمک
زورِ خدا تھا دستِ وصیِ رسولؐ میں
دو کر دیا تھا عمرو کے قامت کو طول میں

کیوں غزوۂ حنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
سرکش اِدھر کے پس گئے تھے زیرِ سُم کہ ہم
تم کوہ میں چھپے تھے بروزِ دہم کہ ہم
دہشت سے اُس طرف کے دلاور تھے گم کہ ہم
بجلی سی تیغ کوندتی تھی کس جوان کی
آتی تھی کس طرف سے صدا الاماں کی

تھا لیلۃ الحریر میں یک جا تمام شہر
بڑھتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
کیا جنگِ نہروان میں بہائی تھی خوں کی نہر
کیوں؟ وہ فراریوں کی دُہائی بھی یاد ہے
صفین میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہے

بیر الالم کی آگ کا روشن ہے سب پہ حال
وہ شخص جل کے رہ گئے تھے صورتِ زغال
اُس چاہ پر تھے نہ یہ رستم کی تھی مجال
جاتے ہی اُس میں کود پڑے شیرِ ذوالجلال
لشکر جنوں کا خوف سے بیتاب ہو گیا
وحشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا

تاباں جنوں پہ تیغِ امامِ غنی رہی
زیرِ زمیں بھی شیر کی چھاتی تنی رہی
اندھیر ہو گیا وہیں یاں روشنی رہی
ڈر سے جنوں کی جان پہ کیا کیا بنی رہی
زہرے ہوئے جو آب تو ایماں کی چاہ کی
آنے لگی کوئیں سے صدا لا الٰہ کی

ایماں جنوں نے جب بدلِ جاں کیا قبول
طالب تھے آپ جن کے وہ باتیں ہوئیں حصول
گزرے تھے تین روز نبی تھے بہت ملول
سُن کر صدا علی کی خوشی ہو گئے رسولؐ
باہر کنوئیں کے آئے عجب عزّ و جاہ سے
غُل تھا کہ نکلے یوسفِ صدیق چاہ سے

تھی دشت دشت فتحِ سلیمانِ دیں کی دھوم
لشکر میں مصطفٰے کے خوشی تھی علی العموم
خالی ہوئی جنوں کے جو شر سے وہ مرز و بوم
بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
شعلے رہے نہ سانپ، نہ وہ اژدہے رہے
دو تین روز چاہ پہ کیا چھپے رہے

تیغیں بنی اُمیّہ کی ہیں خاک آبدار
پھل اُن کا آگ ہے تو زبانیں ہیں شعلہ بار
دم بھر پناہ گھاٹ سے اُس کے نہ پاؤ گے
ہیں نورِ چشم فاتح ذات الرفاع ہوں
کرّار ہوں، سخی ہوں، ولی ہوں شجاع ہوں
دوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں
سرِّ خفی حق انھیں بندوں پہ ہے جلی
فاطر سے فاطمہؑ ہے اور اعلیٰ سے ہے علی
ایک ایک ان میں تاجِ سرِ مشرقین ہے
زیور جو عرش کا ہے ہمارے ہی نام ہیں
حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلماں غلام ہیں
زینت ہیں آسمان کی رونق زمین کی
ناگاہ ابنِ سعد پکارا کہ صفدرو!
خون میں نبیؐ کی آل کو سر تا قدم بھرو!
نکلو! تنوں پہ زیورِ جنگی سنوار کے
تن سے جدا کرو پسرِ فاطمہؑ کا سر
ڈھالوں میں بھر کے لائیو لعل و زر و گہر
قیدی ہوں اہل بیت شہِ مشرقین کے
ہے آرزو حکومتِ رَے کی مجھے کمال
ہے تب حلال ذبح ہو جب فاطمہؑ کا لال
اس طرح گھر تباہ رسولِؐ خدا کا ہو
پہنچے گی شہرِ شام میں جب آلِ طاہرہ
منکر نے کیں یہ مکر کی باتیں جو ظاہرہ
گیتی ہجومِ فوج سے جنبش میں آگئی

جل جائیں گی گرے گی اگر برقِ ذوالفقار
دھارا ہے قلزمِ غضبِ حق کا اُس کی دھار
طوفانِ خوں اُٹھے گا کہ سب ڈوب جاؤ گے
پایا مرا رفیع ہے عرش ارتفاع ہوں
حیدرؑ ہیں آفتاب تو میں بھی شعاع ہوں
سمجھو نہ پنجتن کو جدا ایک نور ہیں
محبوب ہے خدا کا کوئی اور کوئی ولی
محسن سے ہے حسنؑ یہ شرافت ہے منجلی
احسان ہے جہان میں نامِ حسینؑ ہے
ساقیٔ حوض قاسمِ دارالسّلام ہیں
احمدؐ کے جانشیں ہیں اُمم کے امام ہیں
دنیا کی آبرو ہیں تو عزّت ہیں دین کی
ہاں نورِ چشمِ شیرِ خدا سے وغا کرو!
کم رہ گیا ہے دن بہت اب اے دلاورو!
پڑھیو نماز عصر کی سیّد کو مار کے
پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِؐ خدا کا گھر
ایسا نہ ہو کہ رات کو سرکا دیں مال و زر
دولت لٹی گھروں کی ہے گھر میں حسینؑ کے
حصّہ وہ فوج کا ہے ملے جو متاع و مال
دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینبؑ کے سر کے بال
سیدانیوں کے منھ پہ نہ پردا ذرا کا ہو
ہو جائے گا سپاہ کا دونا مشاہرہ
دریائے مثلِ موج بڑھی فوجِ قاہرہ
کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی

چلّوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ
خنجر رکھے کمر میں دو دھارے جٹا کے سنگ
سرہنگ شام گرزِ گراں تولنے لگے
کالے علم نشانِ سیہ کاری سیاہ
تھا نالۂ نفیر کہ بے کس کو دو پناہ
سن کر دہل کا شور کلیجے دہلتے تھے

وہ غول مصریوں کے وہ دَل فوجِ روم کے
تنہا حسینؑ بیچ میں تھے اُس ہجوم کے
اُٹھا سخی کا ہاتھ یداللہ کی شان سے
باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار
یا کینچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار
نکلی عروسِ فتح محافہ جدا ہوا

کاڑھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر
گھونگھٹ اُٹھا کے برق سی چمکی اِدھر اُدھر
دکھلائی سب کو منہ کی صفائی لڑائی میں
قبضہ وہ جس کی ضرب سے اللہ کی پناہ
باڑھ ایسی جس کے گھاٹ پہ کشتی تن تباہ
جوہر یہ ہیں کہ تیغ شہِ لافتا کی ہے

ہر معرکے میں یاورِ مشکل کشا رہی
جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی
یکتا تھی ذوالفقار یہ قطعی دلیل ہے
نکلی وہ جانگداز عجب برق شرق ہے
چشمک یہ دم بدم تھی ہر اک اہل زرق سے
دریائے قہرِ حضرتِ پروردگار ہوں

منہ ترکشوں نے کھول دیئے صورتِ نہنگ
برچھی ہلا کے فوج نے جولاں کیے تُرنگ
بڑھ بڑھ کے بیرقوں کو عدو کھولنے لگے
گویا زمیں کے سینے سے اُٹھتا تھا دردِ آہ
شہنا کی یہ صدا تھی کہ سیّد ہے بے گناہ
تھرّا کے جھانجھ بھی کفِ افسوس ملتے تھے

آندھی سیاہ اُٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تلوار لے کے نیام سے قبضے کو چوم کے
نکلا ہمائے اوجِ شرف آشیان سے
یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار
یا آستیں سے یدِ بیضا تھا آشکار
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

حجلہ تھا یا نقابِ رخِ لیلیٰ ظفر
گویا دلھن حجاب سے نکلی جھکا کے سر
جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں
ناہیں وہ دم بدم جو دکھائیں عدم کی راہ
وہ تیز منہ کہ کوہ کو کھائے مثالِ کاہ
تمغہ یہ اُس کا ہے کہ عنایت خدا کی ہے

سیّد سے کربلا میں نہ دم بھر جدا رہی
عاشق رہی پدر پہ پسر پر فدا رہی
جو تیغ دونوں بانکیں کسے وہ اصیل ہے
صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
طوفاں اُٹھے گا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

سیفِ خدا ہوں نام ہے دستِ اجل مرا
نشتر ہوں مرگ کا رگِ جاں ہے محل مرا
گلزارِ فتح میں ہے ازل سے عمل مرا
جس کو نہ اعتبار ہو چکھے وہ پھل مرا
دونوں مزے ہیں مجھ میں کہ رحمت ہوں قہر ہوں
امرت ہوں دوست کے لیئے دشمن کو زہر ہوں

بُت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں دہر کے
ٹھہرے ہیں شہر شہر مرے امر خیر کے
مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں غیر کے
دشمن کے سر سے اٹھتی ہوں دو ہاتھ پیر کے
جاتی ہوں جس پہ مثلِ اجل چھوڑتی نہیں
جوشن ہو یا کہ خود ہو منھ موڑتی نہیں

دُنیا میں مجھ سی تیغ، علیؑ سا جواں نہیں
کیوں ہوں خموش کیا مرے منھ میں زباں نہیں
بھاگو گے دشتِ کیں سے کدھر میں کہاں نہیں
دشمن کوئی حسینؑ کا، مجھ سے نہاں نہیں
فریاد والغیاث کو کب مانتی ہوں میں
سید کے قاتلو، تمہیں پہچانتی ہوں میں

اُلٹے تھے آستیں جو شہنشاہ سرفراز
جنباں تھی کربلا کی زمیں صورتِ جہاز
اعدا کی فوج پر تھی زباں تیغ کی دراز
کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ ساز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

کوندی جو برق، طاقتِ گفتار گھٹ گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
ثابت ہوا اک یہ کہ دُنیا اُلٹ گئی
آ پہونچی تھی، پہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آئے حضور کو
منھ سے لگا چکے تھے سرافیل صور کو

تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا
تھی جنگ یا کہ روز تھا اُمید و بیم کا
سب زور تھا زبانۂ نارِ جحیم کا
جل جل کے منھ سیاہ ہوا ہر لئیم کا
شمشیر بادشاہ سلیماں بساط تھی
کیا تھمتے ناریوں کے قدم وہ صراط تھی

چلتی تھی ذوالفقار جو سن سن ادھر ادھر
دہشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر اُدھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر ادھر
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر اُدھر
ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
صف پر گری جو صف تو سروں پر سرے گرے

رد میں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیئے
ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے پُرزے اُڑا دیئے
گردن بچی کسی کی تو شانے اُڑا دیئے
پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اُڑا دیئے
ادچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا
تن چار ہا تڑپ کے الگ، سر الگ گیا

دل کانپتے تھے دیکھ کے اُس کج ادا کا مُنھ
اژدر کے مُنھ سے کم نہ تھا اُس جاں گزا کا مُنھ
پہونچی یہ واں اجل کا بھی جس جا گزر نہ ہو

جب ہاتھ اُٹھا تو چرخ پہ تیغِ دو سر چڑھی
یہ گردنوں پہ سر کے لئے سب کے سر چڑھی
دریائے خوں فرات کے ساحل پہ بہہ گئے

بیٹھی وہ تیغ جب تو ستمگر نہ اُٹھ سکا
ڈوبا کیا جہاز، پہ لنگر نہ اُٹھ سکا
یوں فرق پر چڑھی رہی اہلِ خلاف کے

سر سے جُدا تھا خود تو سر تھے جبیں سے دور
جاں جسم سے تو جسم تھے جانِ حزیں سے دور
اس تیغِ جاں ستاں سے فقط سر قلم نہ تھے

ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جُدا جُدا
ایذا جُدا اٹھی روح پہ قہرِ خدا جُدا
پیدا ہوئے تھے ناریں جانے کے واسطے

حملہ جو پیدلوں پہ کیا شہ سوار نے
چھوڑا نہ صیدِ ضیغم آہو شکار نے
کہتی تھی گرچہ پیٹ کا بھرنا محال ہے

جب وہ بلند ہوتی تھی مانندِ ماہِ نو
اُس کی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو
سرکش سب ایک دم میں نگوں سار ہو گئے

بے جاں لئے نہ تیغِ شہِ لافتا پھری
دل پر جُدا عدو کے گلے پر جُدا پھری
اس ناز سے چمکتی ہوئی راس و چپ گئی

نا ہیں فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا مُنھ
آفت کی چال، قہر کی گرمی بلا کا مُنھ
لوہے کو کاٹے یوں کہ زباں کو خبر نہ ہو

اُتری ادھر کہ خون کی ندی اُدھر چڑھی
بس صاف کر دیا اُسے جو صف نظر چڑھی
وہ پار اُتر گئی یہ اسی گھاٹ رہ گئے

لاکھوں سے بارِ تیغِ دو پیکر نہ اٹھ سکا
دہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اُٹھ سکا
مرکز کے جس طرح سے قدم سر پہ کاف کے

قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستیں سے دور
کارہ مکیں مکاں سے مکاں تھے مکیں سے دور
اللہ رے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے

سر گردنوں سے جسم سے تھے دست و پا جُدا
پانی جُدا تھا خاک جُدا تھی ہوا جُدا
اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے

ڈر ڈر کے سب قدم پہ لگے سر اُتارنے
زندوں کو چُن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
ہاں پی لوں خوب سا کہ لہو یہ حلال ہے

جاتی تھی دور دور بیاباں میں اس کی ضو
کشتِ حیاتِ اہلِ ستم ہو گئی درو
کٹ کر سروں کے کھیت میں انبار ہو گئے

وہ جس طرف پھری اُسی جانب قضا پھری
دم لے کے جس طرف پھری مثلِ بلا پھری
کیا رعد کی بساط ہے بجلی تڑپ گئی

دست کُشا وہ دیکھ کے سب تنگ دل چھپے
ڈھالوں کی اوٹ میں وہ سیہ رنگ دل چھپے
یوں سمجھو فوج کیں میں حسینؑ دلیر کو
دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
چڑھتا ہے زہر یوں کہ اُترتا نہیں کبھی
صدمہ غضب کا ہوتا ہے دوزخ میں جان پر
کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا
لاشے پہ لاشہ، سر پہ سر، اور تن پہ تن پڑا
اوپر تلے جو کشتوں کے انبار پاتی تھی
کُشتے تڑپ رہے تھے برابر زمیں پر
آئی جو سن سے تیغ دو پیکر زمیں پر
سلطانِ دیں کے پاؤں پہ سر کٹ کے گر پڑا
کٹ کٹ گئے جو خود تو مر مر گئے حسود
ظالم جو بے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود
جھگڑا بھی یاں جدا ہوا وہ آن بھی گئی
حربے بھی قتل گاہ سے منھ موڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رُخ کدھر کریں
دو ٹانک کی کماں کو کباوا بنا دیا
رن کی زمیں کو خون سے دریا بنا دیا
دیتے تھے تیر کٹ کے صدا الاماں کی
ڈھالوں پہ آئی نیزوں کو جب دیکھ بھال کے
تھرائے تیر ڈر سے شہِ خوش خصال کے
وہ منھ کے بل پڑے تھے جو بھالے اُٹھائے تھے

کیونکر بڑھے قدم جو دمِ جنگ دل چھپے
چمکی جو تیغ مثلِ شرر سنگ دل چھپے
دیکھا ہو گر کبھی صفِ آہو میں شیر کو
دم اُس کا وہ غضب ہے کہ بھرتا نہیں کبھی
یہ جس کو کاٹتی ہے وہ مرتا نہیں کبھی
تلخی اجل کی رہتی ہے برسوں زبان پر
طالع جو نحس تھے تو انھیں پر گہن پڑا
کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی
زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر
گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا
لاکھوں ہوں ہاں کروڑوں ہوں کیا اُن کی ہست و بود
سر تن سے مفت کھوئے یہ نقصاں ہوا کہ سود
عزت بھی آبرو بھی گئی، جان بھی گئی
ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
تیغیں ٹپک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں
تیروں کو کاٹ کاٹ کے تودا بنا دیا
ہر جزوِ تن کو لا یتجزا بنا دیا
پتوں کی طرح اُڑتی تھیں شاخیں کمان کی
پھل بھی لگا نہ تھا کہ گرے پھول ڈھال کے
تیغیں اماں طلب ہوئیں دنداں نکال کے
دستِ اماں کو برچھیوں والے اُٹھائے تھے

تھی شعلہ ور جو آتش شمشیر آبگوں
زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھے خوں
نوبت یہ پہونچی تھی کہ علم کا نشاں نہ تھا

ہر چند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی
غلبہ تھا دیں کا کفر کی بستی اجاڑ تھی
ڈر ڈر کے منھ سے زہر سبھوں نے اگل دیئے
سن سن چلی جو تیغ تو جی سنسنا گئے
دعویٰ تھا مردمی کا پہ آنکھیں چرا گئے
مٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا

افعی تھا منھ کھلا رہا جب تک زباں چلی
غل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی
ہاں ہاں کا شور تھا کسی لب پر نہیں نہ تھی
برچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری
سر جسم سے جدا ہوا تن سے زرہ گری
ابرو کے اک اشارے میں مطلب ادا کیا

دریائے قہر حق انھیں کہنا سند ہوا
جس نے خدنگ قوس میں جوڑا دو نیم ہوا
خون عدو سے کھیت کبھی یوں سنچا نہ تھا

ڈھالیں تو تھیں نڈھال عجب چال ڈھال تھی
کاٹا تھا باغ کفر تو کیسی نہال تھی
پکڑا گلا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی
آفت تھی، قہر تھی غضب ذو الجلال تھی
خنجر تھی، نیمچہ تھی، کٹاری تھی، ڈھال تھی
جیتا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا

جل جل گئے تھے اہل دغا کے دروں بروں
تھیں برقیں یزید کے لشکر کی سرنگوں
حیدر کی ذو الفقار کا ڈنکا کہاں نہ تھا

بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
میدان معرکے میں عجب مار دھاڑ تھی
گھوڑے کے سم نے موذیوں کے سر کچل دیئے
دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
بچ بچ کے آب تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
دم بھر میں ذو الفقار نے بے آبرو کیا

نوکیں جسے لگیں وہ پکارا سناں چلی
اُس نے کہا یہاں، وہ پکارا وہاں چلی
جلوہ تھا ہر مقام پر اور پھر کہیں نہ تھی
نیزوں کی ڈانڈ کٹ کے گرہ پر گرہ گری
بند کمر کھلا تو ہوا غل کہ یہ گری
مشکل کشا کی تیغ نے عقدوں کو وا کیا

مولا گھٹے بڑھے تو عجب جزر و مد ہوا
مردے بنے جو تیر، تو ترکش لحد ہوا
سیفی الٹ پڑی ابھی چلہ کھنچا نہ تھا

برپا تھا حشر رن میں قیامت کی چال تھی
پیاسے جو تھے حسینؑ تو غصے سے لال تھی
دریا پہ جس کو پایا لہو اُس کا پی گئی
بجلی تھی، صاعقہ تھی، فنا تھی، زوال تھی
اعدا کے ذبح کرنے کو سحر حلال تھی
منھ اُس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

یکتا تھی، بے نظیر تھی، اور بے مثال تھی
بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہلال تھی
آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں
تیغِ خدا تھی ضرب سے اس کی کہاں پناہ
کیونکر نہ خلق اُس کو کہے آسماں پناہ
نصرت بھی اک لقب دمِ تیغِ دو سر کا تھا

روحیں گئیں سقر میں بدن رن میں رہ گئے
جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے
دوزخ میں سر اُٹھانے کی کب اُن کو بار ہے
غل تھا کہ اُس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی
جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جائے گی
جوہر نہیں ہے تیغِ شہِ خوش خصال پر

بجلی سی جس پرے پہ وہ چل پھر کے رہ گئی
ہر صف میں بہر جنگ و جدل پھر کے رہ گئی
بے دم ہوا کوئی کوئی سرکش نکل گیا
معشوق سبزہ رنگ تھی وہ تیغِ حق امی
دیکھی علیؑ کے وقت سے فوجوں کی برہمی
برسوں رہی بغل میں شہِ مشرقین کی

تلواریں پیچ و تاب سے بل کھا کے رہ گئیں
سہمے جو دل کمانیں بھی چلا کے رہ گئیں
ڈھالوں کے رنگ خوف سے کافور ہو گئے
سر اُڑ گئے تنوں سے جدھر سرسری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی
خنجر انھیں کے اُن کا لہو چاٹنے لگے

کیا آزمودہ کار تھی، کیا ذی کمال تھی
اعدا پہ تیغ، قبلۂ عالم پہ ڈھال تھی
حمزہ کی ڈھال بھی تھی اُسی کی پناہ میں
پستی ہو یا کہ اوج نہ یاں اور نہ واں پناہ
جب تیغ کی پناہ میں خود ہو جہاں پناہ
برسوں سے اُس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا

جو شیر بن کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
ہاں طوقِ لعن لعن کے گردن میں رہ گئے
اب گردنوں پہ تیغِ تبرا سوار ہے
بے جاں لئے یہ تیغِ ہلالی نہ جائے گی
یہ وہ بلائے بد ہے کہ ٹالی نہ جائے گی
سیفی لکھی ہوئی ہے دعائے ہلال پر

خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
بھر کر تھما جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
آنکھوں کے سامنے سے چھلاوا نکل گیا
لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی
آتش مزاج، معرکہ آرا، کسی، دمی
جھیلے ہوئے لڑائیاں بدر و حنین کی

پھل یوں اُڑے کہ برچھیاں تھرا کے رہ گئیں
چشمِ زرہ کی پتلیاں پتھرا کے رہ گئیں
چار آئینوں کے شیشۂ دل چور ہو گئے
خشکی سے خوں میں ڈوب کے سوئے تری چلی
غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی
دلوانے آپ اپنے گلے، کاٹنے لگے

چلنے میں گر کبھی کمر اُس کی لچک گئی
اُڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سرک گئی

برسے نہ اس ترنگ سے بادل اساڑھ کے
چھوٹیں کمانیں قبضوں سے اور اُچٹیں پلکیوں سے تیر
عاری تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر
لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا
بڑھتی تھی زور و شور سے ہر سم بسان رُود
نیزے کٹے ہوئے تھے تو ٹوٹے ہوئے عمود
تھمتی نہ تھی جو تیغ شہِ مشرقین کی

مطلع

اے بحرِ طبع بس یہ روانی کہاں تلک
اے ذوالفقار شعلہ فشانی کہاں تلک
خنجر ہے اور گلوئے شہ مشرقین ہے
بھولیں گے مومنوں کو نہ یہ یادگار بند
برسوں نہ ہو زبانِ فصاحت شعار بند
دی ہے جو مصطفےٰ کی قسم فوج شام نے
پہونچا ہے عنقریب لبِ بام آفتاب
دریا یہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب
منظور ہے نہ جنگ نہ ہاتھوں میں زور ہے
لگتا ہے جب خدنگ تو چھٹتی ہے خوں کی دھار
کہتے تھے رو کے شاہ کہ اب کیوں ہے بے قرار
کب تک وغا حسینؑ کا دل دردمند ہے
آقا شہید ہوتا ہے گھوڑے کو ہے یہ غم
فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے ذوالجناح تھم
وعدہ ہے خوں میں بھرنے کا ربِّ قدیر سے

ڈھالوں کے ابرِ تیرہ میں بجلی چمک گئی
گہ آئی نہر پر کبھی سوئے فلک گئی
قربان ذوالفقار تری گھاٹ باڑھ کے
کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان پیر
اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
مارے خوشی کے تیغ کا مُنھ لال ہو گیا
گر گر کے بہہ رہے تھے مثالِ حباب خود
خالی تھا رن بھری تھی سروں سے اجل کی گود
جنگل میں شور تھا کہ دُہائی حسینؑ کی
ہاں اے زباں یہ چرب زبانی کہاں تلک
قصہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
خاموش ہو یہ وقتِ نمازِ حسینؑ ہے
فرصت ملے تو کہہ کے سُناؤں ہزار بند
سُن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
تلوار روک لی ہے تمہارے امام نے
شوقِ نمازِ عصر میں ہیں مضطرب جناب
سید کو تیر مارتے ہیں خانماں خراب
بجلی جو تھم گئی ہے تو کیا مینہ کا زور ہے
کاٹھی میں فرطِ غم سے تڑپتی ہے ذوالفقار
بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
اے ذوالفقار! صبر خدا کو پسند ہے
حربوں سے شاہِ دیں کو بچاتا ہے دم بدم
پھر ہیں اُتر پڑوں گا ہٹا یاں سے گر قدم
للہ اب بچا نہ مجھے تیغ و تیر سے

سینے پہ اب چڑھے گا مرے شمرِ روسیاہ
دو دن سے میرے ساتھ ہے بے دانہ و گیاہ
عادل کا سامنا ہے شہِ مشرقین کو
کہتا ہے رو کے شاہ سے اسپِ وفا شعار
رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہوئے سوار
پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسینؑ کو

دو دن سے خود حضور ہیں بے آب و بے طعام
بچپن سے میرے حال پہ شفقت رہی مدام
برسوں چڑھے یہ دل سے اتارا کبھی نہیں
یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیا
زہرا نے خاک اڑا کے جو عریاں سر کیا
نیزے لگے جو تن پہ حسینؑ دلیر کے

مارا ابوالحنوق لعیں نے گلے پہ تیر
جھکنے لگا جو غش میں علیؑ کا مہِ منیر
تیغوں سے پیچ سبز عمامے کے کٹ گئے
ہاں اے حسینو یہ مصیبت کا وقت ہے
رونے میں فاطمہؑ کی رفاقت کا وقت ہے
نکلی رکاب پائے شہِ مشرقین سے

لو گر پڑے زمیں پہ شبیرؑ ہے غضب
پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہے غضب
گر پڑتے ہیں زمیں پہ کبھی گہہ سنبھلتے ہیں
دُرِ عدن عقیقِ یمن بن گئے ہیں سب
ہر زخم پہ لعینوں سے پانی کی ہے طلب
لب تک دہن سے بات بھی دقت سے آتی ہے

تجھ سے نہ دیکھا جائے تو جا سوئے خیمہ گاہ
شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اے میرے خیر خواہ
مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسینؑ کو
جب تک ہے دم قدم کو نہ چھوڑے گا جاں نثار
بنتِ علی نے مجھ سے کہا تھا بہ حالِ زار
اے ذوالجناح! چھوڑ نہ آنا حسینؑ کو

میں کیا ہوں اے حسینؑ سکینہ ہے تشنہ کام
میں کس زباں سے شکر کروں اے شہِ انام
تقصیر پر بھی آپ نے مارا کبھی نہیں
دو لاکھ نے امام کو حلقے میں لے لیا
تھرا گیا مزارِ شہنشاہِ انبیاء
بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شیر کے

خوں ہو کے حلقِ شہ سے بہا فاطمہؑ کا شیر
بھالا لگا کے فرق پہ شمشیر اک شریر
گردن سے ذوالجناح کی جھک کر لپٹ گئے
سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے
گرتا ہے عرشِ حق یہ قیامت کا وقت ہے
گھوڑے پہ اب تھما نہیں جاتا حسینؑ سے

ڈوبی ہوئی ہیں زلف گرہ گیر ہے غضب
زخمی گلے پہ اور لگا تیر ہے غضب
جھک جھک کے منہ سے خون کے لختے اگلتے ہیں
فیروزی ہیں پیاس کی شدت سے لعلِ لب
دیتا نہیں جواب مگر کوئی بے ادب
طاری ہے ضعف یہ کہ زباں لڑکھڑاتی ہے

ڈوبے ہوئے لہو میں اُٹھائے ہیں دونوں ہات
خالق سے یہ دعا ہے کہ اے ربِ پاک ذات
شیعوں کو میرے آتشِ دوزخ سے دے نجات
عزت حیات میں ہو تو راحت پس از وفات
زیرِ زمیں بھی موردِ لطف و کرم رہیں
یہ سب کے سب صراط پہ ثابت قدم رہیں

لب پر تھی یہ دُعا کہ لگا تیر حلق پر
ریشِ خضاب دار ہوئی سب لہو میں تر
سجدے میں حق کے جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر
واں آستیں اُلٹ کے بڑھا شمرِ بد گہر
زانو رکھا جو چھاتی پہ زہرا کے جائے کی
داہنی طرف سے آئی صدا ہائے ہائے کی

تھرا کے دیکھنے جو لگا وہ ادھر اُدھر
دیکھا کھڑے ہیں احمدِ مرسل برہنہ سر
حیدرؑ بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر
زہرا کی ہے صدا کہ نہ سید کو ذبح کر
ڈر قہرِ حق سے دست درازی کو چھوڑ دے
صدقہ نبیؐ کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

سید کی کون سی ہے خطا کون سا گناہ
ہے ہے مرا حسینؑ تو ہے سب کا خیر خواہ
بے سر اگر ہوا یہ غریبوں کا بادشاہ
ہو جائیں گی سفر میں نبی زادیاں تباہ
یہ ظلم و جور احمدؐ و حیدرؑ کے سامنے
بیٹے کو ذبح کرتا ہے مادر کے سامنے

ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار
چلایا بڑھ کے یوں پسرِ سعدِ نابکار
ڈرتا ہے کیوں یہ سحر ہے اے مردِ نامدار
جلدی پھرا دے شہ کے گلے پر چھری کی دھار
اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر
سر کھولے زینبؑ آتی ہے بھائی کی لاش پر

سیدؑ پہ ہو رہا ہے ادھر ظلم برملا
زخمی گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
بنتِ علیؑ کو روک سکے گا کوئی بھلا
ڈر ہے اُلٹ نہ جائے کہیں دشتِ کربلا
خلعت لے، اسپ لے، گہرِ شاہوار لے
تن سے سرِ حسینؑ کو جلدی اُتار لے

یہ سُن کے اُس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو
خنجر رکھا گلے پہ محمدؐ کے روبرو
بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرؑ نیک خو
اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پر کشادہ مو
ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہے
کہہ دے ابھی ہے دُور کہ زینبؑ قریب ہے

خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا
سیدانی ایک خیمے سے نکلی ہے بے ردا
شہ بولے یاں سے سامنا ہے خیمہ گاہ کا
لے چل مجھے نشیب میں اے بانیِ جفا
بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزر نہ ہو
یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

یہ کہہ کے خود نشیب کی جانب چلے امام
سجدے میں واں پہونچ کے جھکے بھر شہِ انام
خنجر سے ذبح جان و دلِ فاطمہؑ ہوا
اُس وقت پہونچی زینبِ ناشاد نوحہ گر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں اِدھر اُدھر
تھی خاک سجدہ گاہ جبینِ حسینؑ کی

قرآن پڑھ رہا تھا سرِ ابن بوتراب
روشن تھا بعدِ قتل بھی رُخ مثلِ آفتاب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دُنیا سے جاتے ہیں
چلائی سر کو پیٹ کے زینب جگر فگار
سیّد تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلقِ پاک پر

کیا چھپکے چُپکے جان دی اے شاہِ دیں پناہ
آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ
خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
قاتل بڑھا جو لے کے سرِ سرورِ زمن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ دل شکن
بیٹی! ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں

چلائی وہ کہ لاشۂ عُریاں ہے کس طرف
اے طائرو وہ فخرِ سلیماں ہے کس طرف
زہرا کی عمر بھر کی کمائی کو کیا ہوا
ہے کس مقام پر مرے سیّد کی قتل گاہ
اے ارض نینوا! مجھے ملتی نہیں ہے راہ
اے شامِ غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا

مُڑ مُڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
فریاد الغیاث، قیامت کا ہے مقام
جس جا تھی قتل گاہ، وہیں خاتمہ ہوا
جب شمر ہاتھ میں لئے جاتا تھا شہ کا سر
رُخسار دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نورِ عین کی

اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
ظاہر یہ تھا لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں
ہے ہے شہید ہو گیا نانا کا یادگار
بھیا! بہن کے آنے کا تھا تم کو انتظار
اس وجہ سے لہو یہ ٹپکتا ہے خاک پر

سرتن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو وا
زینب ہمارے حال کی ہیں فاطمہؑ گواہ
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا
کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
آئی صدا اے دخترِ محبوبِ ذوالمنن
تو جا کے ڈھونڈھ لاش کو میں سر کے ساتھ ہوں

ہے ہے تنِ امامِ غریباں ہے کس طرف
اے دشتِ کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
بتلا دے اے زمیں مرے بھائی کو کیا ہوا
اے خاک کس نشیب میں ہے فاطمہ کا ماہ
اے آسماں یہ کیا ہوا" دن ہو گیا سیاہ
اے آفتاب تیرا اُجالا کدھر گیا

یہ کہتی تھی وہ لاشۂ بے سر کدھر گیا
بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
چلّائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
آئی صدا یہ لاش سے جو مرضیٔ خدا
کچھ غم نہیں جو ذبح ہیں ناکام ہو گیا
اُمت کی مغفرت کا سرانجام ہو گیا

بس اے انیس اب تو ہے شورِ فغان و آہ
"آمین" زبانِ دل سے کہیں عاشقانِ شاہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الٰہ!
رکھ میرے دوستوں کو جہاں میں بہ عز و جاہ
یارب! ہرا بھرا چمنِ آرزو رہے
جب تک چمن میں گُل رہے اور گُل میں بو رہے

رُباعی

ہر برگ سے قُدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صفتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ ذخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

رُباعی

امداد کو شیرِ حق لحد میں پہونچے
اب غم نہیں کچھ کہ اپنی حد میں پہونچے
تُربت جو ہوئی بند کھُلا خُلد کا دَر
خنداں خنداں جوارِ جد میں پہونچے

ختم شد

سید رئیس احمد جعفری ندوی کے قلم سے اچھوتی کتاب

انوار الاولیاء

انسانی سیرت کی تعمیر کا ممد و معاون

عرصہ دراز سے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے حالات و واقعات تذکروں کی شکل میں شائع ہوتے رہے اور آج بھی موجود ہیں لیکن آج جبکہ زمانے کے ساتھ ساتھ رجحانات میں یک شدید انقلابی کیفیت و ماہیت پیدا ہوگئی تو ضروری ہوگیا کہ ان تمام و کمال تبدیلیوں کے پیش نظر ایک تذکرہ از سر نو ترتیب دیا جائے۔ الحمدللہ کہ یہ دشوار مہم جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی کی سعی و کوشش سے سرانجام پائی اور ایک نیا تذکرہ "انوار اولیاء" پیش کرنے کا فخر فرم ہذا کو حاصل ہوا۔

اس کتاب کی ترتیب میں بہت سی ضروری باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے جس میں سے چند درج ذیل ہیں اور یہی باتیں اس تذکرے کی خصوصیات ہیں:۔

+ حضرت فریدالدین عطار کا تذکرۃ الاولیاء صرف پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس کے مندرجات کو بہ ترتیب حروف تہجی سب سے مقدم رکھا ہے اور اس کی گنجلک و طویل عبارت کو سہل اور مختصر کر دیا گیا ہے۔ زندگی پر موثر طریقہ سے اثر انداز ہونے والے کردار اور سیرت کے واقعات کو زیادہ اجاگر کر کے بیان کیا گیا ہے۔
+ بہت سے بزرگوں اور صوفیوں کے حالات جو کسی ایک کتاب میں یکجا نہیں ملتے۔ اس کتاب میں بسط و تفصیل سے درج کیے گئے ہیں۔
+ اس کے دوسرے حصہ میں پاکستان اور ہندوستان وغیرہ کے مشہور صوفیائے عظام کے حالات و واقعات نہایت تحقیق و جستجو سے فراہم کیے گئے ہیں۔
+ نام تلاش کرنے کی دشواری اور تقدیم و تاخیر کے پیش نظر تذکرہ کی ترتیب بلحاظ حروفِ تہجی کی گئی ہے۔
+ تاریخ تصوف پر ایک مستقل باب لکھ کر ابتدا میں شامل کیا گیا ہے۔

بڑا سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ ضخامت ۱۰۰۰ صفحات مجلد قیمت دس روپے

ایک بے مثال اور قابل قدر دینی، مذہبی، تاریخی اور علمی کارنامہ

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ

نہج البلاغة

اردو ترجمہ مع متن

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

اور سید رئیس احمد جعفری کی محنت شاقہ

اور

سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

قیمت پچیس روپے

خاص جلد پچاس روپے

—○—

علمی، مذہبی اور تاریخی حلقوں میں امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے خطبات و توقیعات کو جو اہمیت اور عظمت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں مسلمانوں کا ہر فرقہ اور طبقہ ان کی عظمت اور برتری کا قائل ہے اردو زبان میں اب تک عربی کا یہ گنج گراں مایہ منتقل نہیں ہوا تھا۔ اگر کچھ ترجمے تھے بھی تو نامکمل، ادھورے اور ناقص، اب ہم نے بصرف زر کثیر نہایت شان اور اہتمام کے ساتھ نہج البلاغت کے یہ تینوں حصے اردو میں منتقل کرائے ہیں۔ احتیاط یہ کی ہے کہ اردو ترجمہ کے ساتھ عربی کا متن بھی دے دیا ہے تاکہ جو لوگ چاہیں وہ عربی و اردو کا مقابلہ بھی کر سکیں۔ اردو زبان کو اس کتاب پر فخر ہے اور یہ فخر ہمیشہ قائم رہے گا۔

نہج البلاغت کے خطبات کا ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی نے کیا ہے اور کوئی شبہ نہیں۔ یہ ترجمہ تراجم کی تاریخ میں ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے اور توقیعات یعنی رقعات و فرامین کا ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی نے کیا ہے۔ اس میں اردو ترجمہ کا عربی متن رئیس احمد جعفری نے اضافہ کیا ہے۔ ساتھ ساتھ ضروری حواشی بھی درج کر دیے ہیں اور تشریحات بھی۔ اقوال امیرالمومنین (تیسرا حصہ) کا ترجمہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے کیا ہے۔ اس سے یہ کتاب مکمل ہو جاتی ہے۔

فرم ہذا

نے

انگریزی زبان میں بھی مفید ترین کتابیں شائع کی ہیں جن کی فہرست علیحدہ شائع کی گئی ہے، طلب فرمانے پر ارسال کر دی جائیگی!

(مینیجر)

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران و ناشران کتب کشمیری بازار لاہور - بندر روڈ کراچی